ادارۂ فروغِ قومی زبان
قومی ورثہ وثقافت ڈویژن، حکومت پاکستان

ملکی تعمیر و ترقی میں زبان کا کردار

ماہنامہ

اخبارِ اُردو

اسلام آباد
مئی، جون، جولائی ۲۰۲۳ء
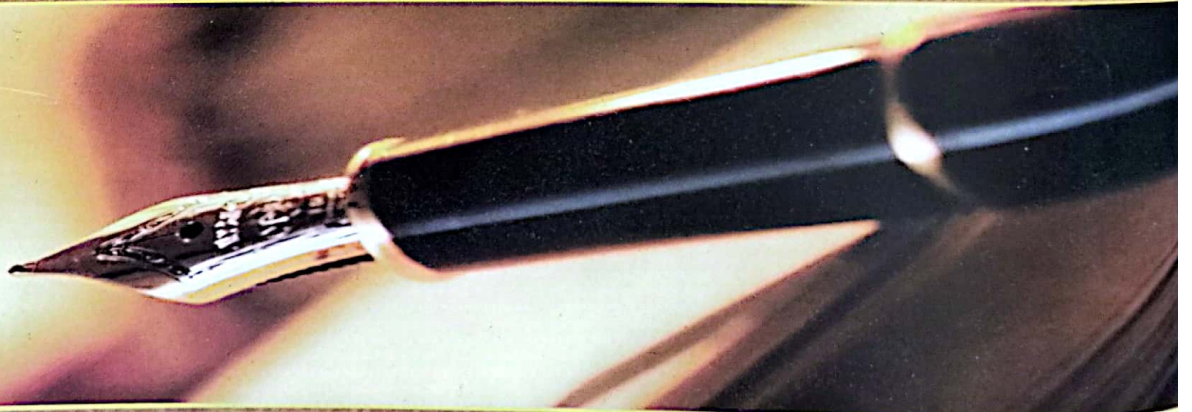
دوسری ایک روزہ بین الاقوامی اُردو صحافت کانفرنس

قومی لسانی پراسیسنگ لیبارٹری کے تیار کردہ تین سافٹ ویئرز کے الفاورژن کا افتتاح

ادارۂ فروغِ قومی زبان کے زیرِ اہتمام دوسری بین الاقوامی اردو صحافت کانفرنس (اُردو صحافت کے پچھتر سال) کی تصویری جھلکیاں

وزیر اعظم کے مشیر برائے قومی ورثہ و ثقافت ڈویژن انجینئر امیر مقام کانفرنس کے دوران کتاب میلے کا افتتاح کر رہے ہیں، وفاقی سیکریٹری فارینہ مظہر، جوائنٹ سیکریٹری شہزادہ حمید خان درانی اور ادارے کے قائمقام ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر راشد حمید بھی موجود ہیں

راجا نور محمد نظامی کی طرف سے مخطوطات کے حوالے سے لگائے گئے خصوصی اسٹال میں مہمانوں کی دلچسپی

معزز مہمانوں کو خطاطی کے استاد اظہر حسین خطاطی کا نمونہ پیش کر رہے ہیں

وفاقی سیکریٹری فارینہ مظہر، نسیم ثریا اور ڈاکٹر سعدیہ کمال کانفرنس کے دوران

کانفرنس کے دوران مہمان خصوصی ادارے کے شعبۂ خطاطی کے طلبا کی کارکردگی دیکھ رہے ہیں
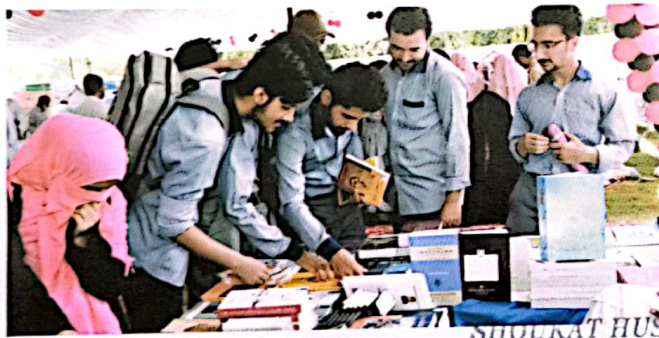
کانفرنس کے شرکاء کی کتابوں میں دلچسپی

کتاب میلے میں شریک مہمان اور ناشران
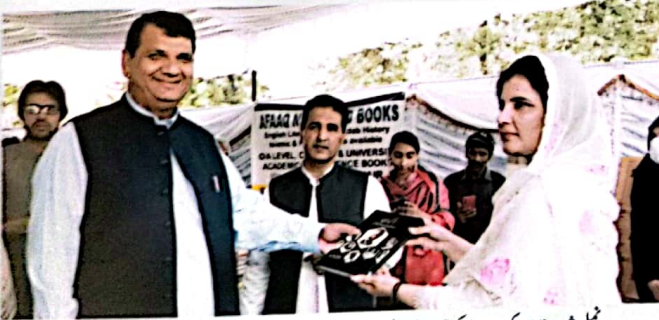
نمل شعبۂ فارسی کی استاد ڈاکٹر حمیرا شہباز کتاب میلے کے دوران معزز مہمان کو اپنی کتاب پیش کر رہی ہیں

جلد:۴۱ شمارہ: ۵،۶،۷...... مئی، جون، جولائی ۲۰۲۳ء

ڈائریکٹر جنرل: ۹۲۶۹۷۵۱ ۵۱ ۹۲ +

فون:۹۲۶۹۷۶۰ ۵۱ ۹۲+، ۹۲۶۹۷۶۱ ۵۱ ۹۲+، ۹۲۶۹۷۶۲ ۵۱ ۹۲+

فیکس : ۹۲۶۹۷۵۹ ۵۱ ۹۲+

برقی ڈاک : akhbareurdu@gmail.com

ویب گاہ : www.nlpd.gov.pk

پتا : ادارۂ فروغ قومی زبان (سابقہ مقتدرہ قومی زبان)
(قومی ورثہ وثقافت ڈویژن، حکومت پاکستان)
پطرس بخاری روڈ، ایچ ۸/۴، اسلام آباد (پاکستان)

شرح خریداری

سالانہ : ۳۰۰ روپے فی پرچہ : ۳۰ روپے

بیرون ممالک : ۵۰ امریکی ڈالر

(بذریعہ منی آرڈر بنام اخبارِ اُردو یا نقد دفتر ہذا میں جمع کروائیے)

ناشر: ایگزیکٹو ڈائریکٹر، ادارۂ فروغ قومی زبان (مقتدرہ قومی زبان)، اسلام آباد

طابع: پرنٹنگ کارپوریشن آف پاکستان پریس، اسلام آباد

مندرجات

☆☆☆☆

اداریہ

پیش نظر شمارے میں ایک گوشہ اُردو صحافت کے حوالے سے ہے۔ جشن الماسی پاکستان کے سلسلے میں ادارۂ فروغِ قومی زبان کی طرف سے منعقدہ دوسری بین الاقوامی اُردو صحافت کانفرنس کے لیے جہاں اندرون و بیرون ملک ممتاز صحافیوں، کالم نگاروں اور اہل دانش نے بھرپور شرکت کی وہاں جڑواں شہروں اور لاہور سے ممتاز صحافیوں و اہل دانش مجیب الرحمان شامی، افتخار عارف، حفیظ اللہ نیازی، جبار مرزا، ڈاکٹر فاروق عادل، سینیٹر فرحت اللہ بابر، اسلام آباد، راولپنڈی صحافتی یونین دستور کے صدر محمد نواز رضا اور راولپنڈی، اسلام آباد صحافتی یونین کے موجودہ صدر افضل بٹ، جنگ جیو اسلام آباد کے بیورو چیف حافظ طاہر خلیل اور روزنامہ نوائے وقت کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر عزیز علوی اور اخبارات چینلوں اور سماجی ذرائع ابلاغ کی ویب گاہوں کے عہدیداروں، تجزیہ نگاروں اور طلباء طالبات نے بھرپور شرکت کر کے کانفرنس کو کامیاب اور بامقصد بنایا۔

ادارہ ان تمام محبان اُردو کا شکر گزار ہے۔ کانفرنس کو جہاں اہلِ صحافت نے کامیاب کیا وہیں کتاب میلے میں لگے مختلف اداروں کے اسٹالوں کی بھرپور شرکت نے تقریب کو رونق بخشی جبکہ ٹیکسلا، واہ کینٹ سے تشریف لائے ممتاز محقق نور محمد نظامی کے مخطوطوں کے لگائے سٹال نے مہمانوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ دیگر اداروں کے اشتراک سے لگائے گئے کتاب میلے نے شدید گرمی کے باوجود کامیابی سمیٹی۔ وفاقی اُردو یونیورسٹی، شعبۂ اُردو کی سربراہ ڈاکٹر فہمیدہ تبسم اور دیگر اساتذہ اور طلباء و طالبات کا بھی ادارہ شکر گزار ہے کہ ان کی بھرپور شرکت نے ادارے کا مان بڑھایا۔

اس بین الاقوامی کانفرنس میں جہاں پاکستان میں اُردو صحافت کے حوالے سے گفتگو ہوئی وہیں بیرونی ممالک سے اہل دانش نے اُردو صحافت کے احوال سے ہمیں آگاہ کیا۔ ممتاز پاکستانی صحافی، مترجم اور کئی کتابوں کی مصنف بینا گوئندی جو کہ پاک امریکا پریس ایسوسی ایشن کی صدر بھی ہیں، نے امریکا میں اُردو صحافت اور وہاں سے نکلنے والے اخبارات و جرائد اور اب آن لائن اخبارات کے حوالے سے تفصیلاً آگاہ کیا۔ ممتاز پاکستانی شاعر، ادیب، کالم نگار اشفاق حسین نے کینیڈا میں اُردو صحافت کی ابتدا اور اب تک کی صورت حال کے بارے میں تفصیلات بتائیں اور جرمنی سے ممتاز شاعر، ادیب شفیق مراد نے جرمنی میں اُردو صحافت کے حوالے سے تفصیلی روشنی ڈالی جبکہ عفت رؤف نے قازقستان میں صحافتی احوال بیان کیے۔

شمارے میں موجود دیگر مضامین میں ممتاز لغت نگار اور ادارے کے سابق سربراہ ڈاکٹر رؤف پاریکھ کا مضمون اُردو املا کا مجوزہ قرطاسِ اسلوب، ممتاز محقق، استاد، سفرنامہ نگار ڈاکٹر زاہد منیر عامر کا اٹلی کے اُردو اطالوی شعراء اور محمد یونس نوشاہی کا مضمون اُردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر محمد نوشہ گنج کے حوالے سے مضامین قابل ذکر ہیں جبکہ محقق، استاد سمیع اللہ حضروی کا مضمون کتبِ اُردو قواعد کا دوسرا حصہ بھی اہمیت کا حامل ہے، انھوں نے مضمون میں بڑی عرق ریزی سے پچھتر سال کے اُردو قواعد کو محفوظ کیا ہے۔ ڈاکٹر تہمینہ عباس نے پاکستان میں پچھتر برسوں میں اُردو افسانے کو اپنا موضوع بنایا ہے۔

—————— راشد حمید

ڈاکٹر رؤف پاریکھ، کراچی

اُردو املا کا مجوّزہ قرطاسِ اسلوب

قرطاسِ املا سے پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ قرطاسِ اسلوب یا اسٹائل شیٹ کیا ہے ؟ دنیا کی معروف اسلوبیاتی دستاویزات مثلاً شکاگو یونیورسٹی پریس یا اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس کے manual of style کو پیشِ نظر رکھا جائے تو اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ اسٹائل شیٹ (style sheet) یا اسٹائل مینول (style manual) یا قرطاسِ اسلوب ایسی دستاویز ہے جو ادارت وطباعت کا دستور العمل ہے۔ قرطاسِ اسلوب کسی ادارے کے تدوین و ترتیب و ادارت اور طباعت سے متعلق اصول و ضوابط کا مجموعہ ہوتا ہے جس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ کسی تحریر (خواہ وہ کتاب ہو یا کسی اخبار کا اداریہ یا کوئی مقالہ) میں ترتیب و تدوین (editing)، حوالے (reference)، ہجا (spelling)، املا (orthography)، رموزِ اوقاف (punctuation)، قواعد (grammar)، مخففات (abbreviations)، ابواب بندی (chapterisation)، کتابیات (bibliography)، حواشی (footnotes/endnotes)، پروف خوانی (proof-reading) اور اقتباسات (quotations) وغیرہ کے اندراج کا انداز یا طریقہ کیا ہوگا۔ نیز یہ کہ ناموں کو لکھنے کا انداز یا طریقہ کیا ہوگا، لفظوں کے ایک سے زیادہ رائج املا کے ضمن میں املائی ترجیحات کیا ہوں گی، متن میں اگر اعداد ہیں تو انھیں کیسے لکھا جائے گا۔ املا اور حوالوں وغیرہ کے علاوہ لکھائی، طباعت اور وضع قطع سے متعلق امور کے بھی اصول اور معیار پیش کیے جاتے ہیں کہ خط (font) کا انداز اور قامت یا طول یعنی سائز (size) کیا ہوگا، ہر صفحے پر کتنی سطور ہوں گی، نیا پیراگراف سطر میں کہاں سے شروع ہوگا، (اگر کتاب ہے تو) خالی صفحہ کہاں چھوڑا جائے گا، (اگر رسالہ ہے تو) ادارتی امور کی وضاحت اور اس سے متعلق افراد کے ناموں کی نشان دہی کہاں اور کیسے ہوگی، صفحے کا طبع شدہ منطقہ (printed area) کتنا ہوگا اور جلد ساز کی جلد بندی (binding) اور تراش خراش (cutting) کے بعد رسالے یا کتاب کا سائز کیا رہے گا۔

گویا اسٹائل شیٹ یا قرطاسِ اسلوب کسی ادارے کی مطبوعات میں علمی اور معنوی امور کے اندازِ پیش کش کے ساتھ اس کی ظاہری ہیئت یا صورت اور وضع (lay out) کا بھی تعین کرتا ہے۔ اس طرح ادارے کے علمی و دستاویزی و طباعتی اصول بھی طے ہو جاتے ہیں اور وہ یکساں (unified) اور معیاری (standardised) بھی رہتے ہیں جس کی پابندی ادارے میں متعین کیے گئے تمام عملے اور قلمی معاونین ر مصنفین کو بھی کرنی ہوتی ہے (اور اگر وہ اس کی پابندی نہ کریں تو مدیران اپنا حقِ ادارت استعمال کرتے ہیں) کیونکہ یہ اصول اور ضوابط ادارے کی سوچ اور پالیسیوں کی بھی عکاسی کرتے ہیں اور علمی و حوالہ جاتی امور کی ترجیحات بھی ظاہر کرتے ہیں۔

بالفاظِ دیگر قرطاسِ اسلوب یہ طے کرتا ہے کہ کسی
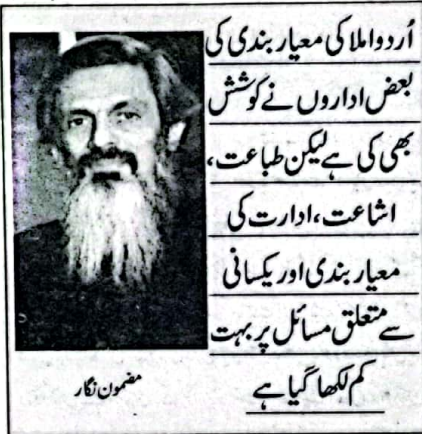
اُردو املا کی معیار بندی کی بعض اداروں نے کوشش بھی کی ہے لیکن طباعت، اشاعت، ادارت کی معیار بندی اور یکسانی سے متعلق مسائل پر بہت کم لکھا گیا ہے

مضمون نگار

ناشر، طباعتی ادارے یا اخبار یا رسالے کے تحت جو کچھ شائع ہوگا اس کو لکھنے، پیش کرنے اور چھاپنے کا طریقہ اور انداز کیا ہوگا۔ انگریزی میں تو یہ بھی طے کیا جاتا ہے کہ کسی عہدے مثلاً پرائم منسٹر کو لکھتے وقت پی (p) اور ایم (m) حرفِ کبیر (capital letter) ہوگا یا حرفِ صغیر (small letter)، جسے طباعت کی اصطلاح میں upper case اور lower case کہا جاتا ہے۔ نیز یہ کہ واوین (inverted commas)، قوسین (brackets)، چوکور خطوطِ وحدانی (square brackets)، علامتِ وقفہ (comma)، تفصیلیہ (colon)، نیم ختمہ (semicolon)، ختمہ (fullstop) وغیرہ کا استعمال متن میں اور حواشی و کتابیات میں کہاں ہوگا۔

لیکن اردو میں قرطاسِ کار کا ذکر شاذ و نادر ہی ملتا ہے، بس چند ایک کوششیں ہوئی ہیں لیکن وہ بھی تحقیق کے ضمن میں ہیں۔ اردو میں البتہ املائی مسائل پر تو خاصا اظہارِ خیال کیا گیا ہے اور اردو املا کی معیار بندی کی بعض اداروں نے کوشش بھی کی ہے لیکن طباعت، اشاعت، ادارت کی معیار بندی اور یکسانی سے متعلق مسائل پر بہت کم لکھا گیا ہے جبکہ مغرب میں اسٹائل شیٹ کی تاریخ اور اس کی اہمیت پر زور کو دیکھیں تو حیرت ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر شکاگو یونیورسٹی کے قرطاسِ اسلوب The Chicago Manual of Style کا شمار دنیا کی ان معروف ترین دستاویزات میں ہوتا ہے جو تحریر و طباعت میں اصول اور معیار کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ صحافت و طباعت کے ساتھ علمی تحقیق کی دنیا میں بھی اس کی حیثیت مسلّم ہے اور دنیا کی کئی جامعات اس ہدایت نامے (manual) کے پیش کردہ اصولوں پر عمل پیرا ہیں۔ اس کے اپنے دیباچے کے مطابق اس کی تاریخ ایک صدی سے زیادہ قدیم ہے اور ۱۹۰۶ء میں جس کام کا آغاز معمولی سی فہرست سے ہوا اب تک اس کے سترہ (۱۷) ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں جو نو سو سے ہزار صفحات تک پر مشتمل ہیں اور ہر دس بارہ سال کے بعد اس کا ترمیم و اضافہ شدہ ایڈیشن شائع کیا جاتا ہے۔ اس کا سترھواں ایڈیشن ۲۰۱۷ء میں شائع ہوا۔

انگریزی میں قرطاسِ اسلوب کے ضمن میں ایک اور کام معروف طباعتی و اشاعتی ادارے اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس کا ہے۔ انھوں نے اسے The Oxford Manual of Style کے نام سے شائع کیا۔ اس کا ایک ایڈیشن ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا اور اس کا ذیلی عنوان تھا: The Essential Handbook for All Writers, Editors and Publishers اس کا تازہ ایڈیشن ۲۰۱۶ء میں شائع ہوا ہے اور اس کا نام تھوڑا سا بدل کر New Oxford Style Manual کر دیا گیا ہے۔ شکاگو یونیورسٹی کے مینول یا ہدایت نامے کی طرح اس کا آغاز بھی ایک صفحے پر مبنی ایک معمولی سی فہرست سے ہوا تھا جس میں موٹی موٹی باتیں درج تھیں۔ پھر اس میں اضافے ہونے لگے اور یہ بھی بڑھتے بڑھتے ایک ہزار صفحات سے بھی تجاوز کر گئی۔ دراصل اس کا آغاز ہورَیس ہارٹ (Horace Hart) کی اس ایک صفحے کی فہرست سے ہوا تھا جو اس نے اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس میں طباعت کے لیے بنیادی قواعد و ضوابط کے طور پر تیار کی تھی جو Hart's Rules کے نام سے مشہور ہوئی اور ضخامت میں بڑھتی چلی گئی۔ ان دو مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مغرب کے علمی اور طباعتی و اشاعتی اداروں میں قواعدِ اسلوب تحریر و طباعت کو کب سے اور کتنی اہمیت دی جاتی ہے بلکہ بعض برطانوی و امریکی اخبارات اور اشاعتی و طباعتی اداروں

نے اپنے اپنے کتابچے تیار کر رکھے ہیں جن میں ادارے کی املائی اور ادارتی ترجیحات کے ضمن میں رہنما اصول درج ہیں۔

یہ اور ان کے علاوہ بھی مغرب میں رائج دیگر اسلوبی قرطاس علمی اور تحقیقی کاموں میں بھی رہنمائی کرتے ہیں اور طباعت کے بھی معیار متعین کرتے ہیں۔ مثلاً: AP, APS, AMA اور دیگر کئی جن کا ذکر سر دست ممکن نہیں اور نہ ان مذکورہ بالا رائج اسالیب کی تفصیل یہاں دی جاسکتی ہے۔ عرض یہ کرنا ہے کہ تحقیقی کاموں کی methodology یعنی طریق کار یا تحقیقی اصولیات (جسے فارسی والے روش شناسی اور عربی والے منہج کہتے ہیں اور جس کا غلط اردو ترجمہ رسمیات کیا گیا ہے۔ ترسیمیات اس کے لیے ایک بہتر لفظ ہوسکتا تھا) کے علاوہ اردو املا کے انتشار اور نزاع کو دیکھتے ہوئے اردو املا کے ایک قرطاسِ اسلوب کی بھی شدید ضرورت ہے۔ معذرت کہ یہاں بھی ایک انگریزی کتاب کا حوالہ دینا پڑے گا۔ اوکسفرڈ نے ایک کام New Oxford Dictionary for Writers and Editor کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ اس کا دوسرا اضافہ شدہ ایڈیشن ۲۰۱۴ء میں شائع ہوا اور اس میں تقریباً پچیس ہزار اندراجات ہیں جو الفاظ کے املا کے علاوہ افراد اور مقامات کے ناموں کے درست اور مستند ہجے بھی پیش کرتے ہیں۔ اردو میں بھی ایسی ہی ایک لغت کی ضرورت ہے کیونکہ اب اردو اخبارات میں معروف غیر ملکی ناموں اور مقامات کے بھی عجیب وغریب بلکہ مضحکہ خیز ہجے دیکھنے کو مل رہے ہیں مثلاً مراکش کے معروف شہر طنجہ کو بعض لوگ اردو میں تجنجیر لکھ رہے ہیں جو اس کے انگریزی ہجے Tangier کی بھونڈی اور غلط نقل ہے۔ اسی طرح معروف اور قدیم شہر سمرقند (س سے) کو اب بعض لوگ ثمرقند (ث سے) لکھنے لگے ہیں۔ حالانکہ طنجہ اور سمرقند جیسے نام صدیوں سے اردو، عربی اور فارسی میں اسی طرح لکھ جارہے ہیں۔ ایمن الظواہری کو اردو اخبارات عرصے تک ایمن الزواہری لکھتے رہے۔ چلیے غیر ملکی ناموں کو تو فی الحال رہنے دیجیے، اگر ہم اردو الفاظ کے املا ہی کو انتشار سے بچا سکیں تو بڑی بات ہوگی۔

اطہر فاروقی (معتمد، انجمن ترقی اردو ہند) کے دردمندانہ اور پُر خلوص اصرار پر یہاں معیاری اردو املا پر مبنی الفاظ و مرکبات کی ایک فہرست پیش کی جارہی ہے۔ اس میں دوسو (۲۰۰) کے قریب اردو الفاظ و مرکبات کا ''مجوزہ'' (اس لفظ پر زور دینا مقصود ہے) املا پیش کیا جارہا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ اختلافی مسائل کو یہاں نہ چھیڑا جائے اور اس املا کو پیش کیا جائے جس پر عمومی اتفاق ہے۔ مختلف فیہ یا متنازع فیہ امور پر الگ سے بحث کی جاسکتی ہے لیکن قرطاسِ کار میں یہ مناسب نہ ہوگا۔ یا پھر ان کی الگ سے ایک فہرست بنانی پڑے گی۔

لیکن بہر حال کچھ نہ کچھ ترجیحات قائم کرنا مجبوری تھی کیونکہ اردو میں املا کے مسائل و مباحث اتنے متنوع، پیچیدہ اور متضاد ہیں کہ سو فی صد متفقہ املا کے قرطاس کی فوری تیاری بہت مشکل ہے اور اگر ایسا کوئی قرطاس بن بھی جائے تو اس میں الفاظ کی تعداد بہت کم ہوگی۔ املا کے مباحث اتنے گنجلک اور پھیلے ہوئے ہیں کہ سب کا یہاں ذکر کرنا مشکل ہے اور اس کے لیے ایک الگ مضمون درکار ہوگا۔ اس قرطاس کی تیاری میں جن اصولوں کو مدنظر رکھا گیا ہے ان میں سے کچھ کے بارے میں مختصر اشارے ہی کیے جاسکتے ہیں اور ان میں سے کچھ یہ ہیں (متعلقہ کتب کے حوالے متن ہی میں قوسین میں دے دیے گئے ہیں):

۱۔ لفظ کی اصلیت

لفظ کی اصلیت اور اشتقاق کا خیال رکھتے ہوئے اس کا املا اصل سے قریب رکھنا چاہیے، اس طرح (خاص کر عربی الفاظ میں) اس کے مصدر اور مشتق کا علم ہو جاتا ہے اور دیگر مشتق یا متعلقہ نیز مشابہ الفاظ کے املا اور مفہوم کو سمجھنے میں آسانی ہوجاتی ہے۔

۲۔ اُردو کے تصرفات

لیکن یہ بات بھی درست ہے کہ اردو والوں نے زبان میں بہت تصرفات کیے ہیں اور یہ تصرفات صوتیاتی بھی ہیں، صرفی ونحوی بھی اور لغوی و معنوی بھی۔ اردو میں عربی، فارسی، ترکی، انگریزی بلکہ سنسکرت / پراکرت / ہندی کے الفاظ میں بھی تغیر تبدل اور تصرف کو روا رکھا گیا ہے اور ایسے نام نہاد ''عربی فارسی'' الفاظ بھی اردو میں رائج ہیں جن کا عربی اور فارسی میں کوئی وجود نہیں ہے، مثال کے طور پر ذہنیت، مکانیت، مدمّغ، مرغّن، مجرّب۔ اردو کے تصرف کے اس مزاج کا لحاظ کرنا پڑے گا اور ہم نے بھی یہاں کیا ہے۔

۳۔ غلط العام فصیح کا اصول

غلط العام فصیح کا اصول علمائے زبان ولغت نے تسلیم کیا ہے اور اگر کسی لفظ کا بظاہر غلط املا پڑھے لکھے لوگوں نے دیدہ و دانستہ، یہ جانتے ہوئے کہ ماخذ زبان (مثلاً عربی یا فارسی) میں اس کا املا یا مفہوم مختلف ہے اور اردو کے استعمال کو ترجیح دیتے ہوئے لکھا ہے تو اسے درست مانا جائے گا۔ گیان چند جین کے بقول ''غلط العام فصیح'' کا اصول صرف قواعد میں نہیں املا میں بھی صحیح مان لیجیے (لسانی مطالعے، ص ۲۳۲)۔ ہم نے بھی اس اصول کو یہاں مدنظر رکھا ہے۔ البتہ ہر غلط لفظ اور عوامی املا یا بازاری تلفظ کو یہاں شامل نہیں کیا گیا اور غلط العوام اور غلط العام کا فرق بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۴۔ الف اور ہائے مختفی کا مسئلہ

عبدالستار صدیقی (مقالات صدیقی، ص ۵۔۴) اور رشید حسن خاں (اردو املا، ص ۸۱ و بعدہٗ) اور ان جیسے بعض دیگر جید ماہرین اصرار کرتے ہیں کہ اردو میں سنسکرت یا پراکرت یا ہندی کے جو الفاظ رائج ہیں ان کے آخر میں ہائے مختفی کے بجائے الف لکھنا چاہیے۔ مثلاً: اڈا، انڈا، باڑا، پیسا، گھونسلا، بھروسا، مہینا، وغیرہ کیونکہ ہندی میں اور اردو میں ہائے مختفی کا وجود نہیں ہے۔ لیکن بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اردو میں رائج بعض سنسکرت الاصل یا پراکرت الاصل یا ہندی الاصل الفاظ کے آخر میں الف کے بجائے ہائے مختفی لکھنے کا جواز موجود ہے، مثلاً شمس الرحمن فاروقی نے لکھا ہے کہ اردو میں ہندی کے الفاظ کے املا کے مسئلے پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہندی میں ہائے مختفی نہیں ہے اس لیے ''ہندی'' لفظوں کو ہائے مختفی سے نہیں لکھنا چاہیے اور پھر سوال اٹھایا ہے کہ یہاں ہندی سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے مراد جدید ہندی ہے جو ناگری میں لکھی جاتی ہے تو ناگری ''رسم الخط میں تو ہائے مختفی کے حامل فارسی عربی الفاظ مثلاً پردہ، چہرہ، دایہ، سکہ، وغیرہ لکھنے کا کوئی طریقہ بھی نہیں ہے'' (لغاتِ روزمرہ، ص ۲۲۵)۔ نیز یہ کہ ''ناگری رسم الخط کی جدید ہندی میں آخری ہائے ہوز اور آخری الف میں فرق کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے'' (ایضاً)۔ ان کے خیال میں اردو میں ہائے مختفی موجود ہے اور مختلف الفاظ کے املا میں الف اور ہائے مختفی لکھنے کے معاملے میں اختلاف ہے۔ پھر انھوں نے لکھا ہے کہ بعض الفاظ سے اردو میں ہائے مختفی تقریباً ختم ہوگئی ہے اور اس کی جگہ الف نے لے لی ہے اور کچھ الفاظ کے آخر میں کبھی الف اور کبھی ہائے مختفی لکھی جاتی ہے، یعنی ان کے دو املا رائج ہیں۔ البتہ بقول ان کے بعض الفاظ مثلاً مالوہ اور روپیہ میں ہائے مختفی کوئی تین سو سال سے لکھی جارہی ہے اور اس کے املا میں تبدیلی خواہ مخواہ ''چمڑے کا سکہ'' چلانے کے مترادف ہے (ایضاً، ۲۲۹)۔ فاروقی صاحب نے اصرار کیا کہ ''بزعمِ خود مصلحانِ املائے اردو'' کا یہ کہنا غلط ہے کہ اردو یا ہندی میں ہائے مختفی نہیں ہے اور پھر فاروقی صاحب نے پرانی لغات سے ان الفاظ کو ہائے مختفی سے لکھے جانے کا ثبوت پیش کیا ہے (لغاتِ روزمرہ، ص ۲۳۱۔۲۲۳)۔

رشید حسن خاں بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بعض الفاظ بالخصوص ناموں میں ہائے مختفی لکھی جائے گی، مثلاً آگرہ، پٹنہ، کلکتہ، امروہہ وغیرہ (اردو املا، ص ۱۰۵) یہ بات عبدالستار صدیقی صاحب نے بھی لکھی ہے اور کہا کہ ان شہروں کے ناموں میں ہائے مختفی آسکتی ہے کیونکہ یہ نام ''ہمیشہ اسی طرح لکھے جاتے ہیں'' (ص ۴)۔ یہاں یہ سوال بھی ذہن میں آتا ہے کہ اگر اس قانون کو

ناموں کے ضمن میں مان لیا گیا تو پھر دیگر الفاظ کے بارے میں بھی کہا جا سکتا ہے"ہمیشہ اسی طرح لکھے جاتے ہیں"۔

اسی طرح رشید صاحب اعتراف کرتے ہیں کہ بعض الفاظ ایسے ہیں"جن میں آخری آواز میں واضح طور پر قصر پایا جاتا ہے" اور اگر ان الفاظ کو الف سے لکھا جائے تو "محسوس ہوگا کہ تلفظ کا حق ادا نہیں ہوا" (اردو املا، ص ۱۰۶) جیسے: ستیہ، بھارتیہ، مدھیہ، راجیہ، ساہتیہ، راشٹریہ وغیرہ (اردو املا، ص ۱۰۶)۔ لیکن رشید صاحب ان کو استثنائی صورت قرار دیتے ہیں۔ لیکن ہم نے سرِ دست اس بحث کو یہاں قرطاس میں نہیں چھیڑا اور ایسے الفاظ فی الحال اس فہرست میں شامل نہیں ہیں۔ البتہ ایسے چند الفاظ بطور نمونہ یہاں شامل کیے گئے ہیں جن میں الف اور ہائے مختفی کے استعمال سے مفہوم میں فرق پڑ جاتا ہے، مثلاً چارا اور چارہ۔

ایک دل چسپ بات اس ضمن میں یہ ہے کہ جوشِ اصلاح میں خاکہ کو بھی خاکا لکھنے کی ہدایت کی گئی اور وجہ یہ بتائی گئی کہ یہ فارسی میں وجود نہیں رکھتا اور اردو والوں نے خاک سے بنالیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خاکہ نہ صرف یہ کہ فارسی میں وجود رکھتا ہے بلکہ محمد حسین آزاد نے فارسی قواعد پر اپنی کتاب جامع القواعد میں ایسے الفاظ کی مثال میں خاکہ بھی درج کیا ہے جو فارسی میں نسبت کے لیے"ہ" کے اضافے سے بنائے جاتے ہیں ۔آزاد کا کہنا ہے کہ یہ ہائے وصلی ہے اور نسبت کے لیے بڑھاتے ہیں، پھر مثال دی ہے"لالہ، سبزہ، سفیدہ۔۔۔خاکہ" وغیرہ (ص ۲۱۳)۔ آزاد کے مطابق فارسی میں"ہ" مشابہت کے لیے بھی آتی ہے، جیسے آفتابہ، چرخہ، دہانہ، گوشہ، دندانہ، چشمہ (ایضاً)۔ کیا ان سب کے آخر میں بھی الف لکھنے کی نصیحت یا وصیت کی جا سکتی ہے؟ وضع اصطلاحات میں وحید الدین سلیم نے ایسے فارسی الفاظ خاصی تعداد میں دیے ہیں جن کے آخر میں"ہ" ہے (ص ۱۵۰۔ ۱۴۹)۔ بہرحال یہ مسئلہ ہنوز غور طلب ہے۔

۵۔ ہمزہ کا استعمال

ایک اختلاف ہمزہ کے استعمال پر ہے اور رشید حسن خاں کا کہنا ہے کہ جب یائے مجہول (ے) بطور حرفِ اضافت آئے تو اس پر ہمزہ نہیں لکھنا چاہیے، مثلاً بابائے اردو، سوئے چمن، تمنائے وصل، نوائے غالب، بوئے گل، جائے استاد وغیرہ میں ہمزہ نہیں لکھنا چاہیے (اردو املا، ص ۴۰۰ وبعدہ)۔ اسی طرح بعض اہل علم مثلاً عبدالستار صدیقی چائے، گائے، تاؤ، ناؤ جیسے الفاظ پر ہمزہ لکھنے کے بوجوہ مخالف ہیں (مقالات، ص ۱۲)۔ لیکن بعض اہل علم مثلاً ابو محمد سحر نے ان الفاظ پر ہمزہ لکھنے کی حمایت کی ہے (اردو املا اور اس کی اصلاح، ص ۶۷۔ ۵۷)۔ اس ضمن میں سحر صاحب کا ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ"ہندی الفاظ کو ان کی قیاسی اصل کی بنا پر اردو میں لکھنے کا اصول بڑی سختی سے بنایا جاتا ہے لیکن جب عربی الفاظ کا معاملہ آتا ہے تو اصل سے قطع نظر کر کے ہمزہ اور"یٰ" کو اردو املا سے خارج کرنے کا قاعدہ بنایا جاتا ہے" (ایضاً، ص ۵۲)۔

ہمزہ ہی کے ضمن میں عرض ہے کہ بعض عربی الفاظ کے املا میں آخری حرف ہمزہ ہے۔ لیکن اردو میں رائج بہت سے عربی الفاظ کے املا سے اور تلفظ سے بھی یہ ہمزہ اُڑ چکا ہے اور اب عام طور پر اسے لکھا نہیں جاتا، مثلاً "فُعلاء" کے وزن پر بنائے گئے عربی الفاظ کا املا اب اردو میں یہ ہے: ادبا، شعرا، علما، طلبا، وزرا، وکلا، غربا، امرا وغیرہ۔ یعنی ہمزہ کے بغیر۔ ہماری رائے (جو ضروری نہیں کہ ناقص ہی ہو) میں اسے ترجیح دینی چاہیے۔ اگرچہ ہمزہ کے ساتھ بھی ان الفاظ کا املا درست ماننا چاہیے۔

۶۔ الف مقصورہ (یٰ)

الف مقصورہ (یٰ) کے ضمن میں رشید حسن خاں صاحب نے اعلیٰ، ادنیٰ، حتیٰ وغیرہ کو تو الف سے یعنی اعلا، ادنا، حتا وغیرہ لکھنے کی ہدایت کی اور کہا کہ انجمن ترقی اردو کی اصلاحِ رسم الخط کمیٹی نے ۱۹۴۴ء میں اس کی منظوری دی تھی (اردو املا، ص ۵۰، ۴۹)۔ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ عیسیٰ، موسیٰ، یحییٰ، مصطفیٰ، مجتبیٰ کا املا بھی"کسی تکلف کے بغیر" اس طرح ہوگا کہ ان کے آخر میں الف مقصورہ کے بجائے الف لکھا جائے گا (یعنی عیسا، موسا وغیرہ) البتہ اتنا کرم کیا کہ"پھر بھی اگر کچھ لوگ کسی وجہ سے عیسیٰ، موسیٰ، یحییٰ لکھنے پر اصرار کریں تو اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے" (اردو املا، ص ۵۱۔ ۵۰)۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس"کرم فرمائی" اور"رعایت" کی وجہ اور غرض و غایت کیا تھی اور اگر اس طرح کی مستثنیات نکالنی تھیں تو پھر اس طرح کے قاعدے اور اصول وضع کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ دراصل رشید صاحب بعض امور میں عبدالستار صدیقی کا اتباع کرتے تھے۔

عبدالستار صدیقی صاحب کی علمیت، مختلف زبانوں پر ان کے عبور اور الفاظ کی اصل اور اشتقاق پر ان کی عمیق نظر کا کوئی کافر ہی انکار کر سکتا ہے لیکن ابو محمد سحر صاحب کا یہ تجزیہ درست معلوم ہوتا ہے کہ عبدالستار صدیقی صاحب کے پیشِ نظر اردو املا کی اصلاح کے خیالات کا منشا و مقصد یہ تھا کہ اردو طباعت میں ٹائپ کے بھرپور استعمال کو رواج دیا جائے اور ان کا خیال تھا کہ اردو رسم الخط ٹائپ کے لیے موزوں نہ تھا اس لیے اس میں تبدیلیاں اور آسانیاں ضروری تھیں اور اس مقصد کے حصول کے لیے اردو املا میں بھی تبدیلیاں ناگزیر تھیں (اردو املا اور اس کی اصلاح، ص ۱۲)۔ رشید حسن خاں صاحب نے صدیقی صاحب کی بعض اصلاحی تجاویز کی پیروی کی۔ ٹائپ کے دور میں اردو کی ترقی یقیناً طباعت کی آسانیوں اور ٹائپ کی اصلاح و ترقی میں مضمر تھی۔ لیکن اب ٹائپ کا دور نہیں اور نہ اردو چھپائی میں وہ مفروضہ یا حقیقی مشکلات ہیں۔ اب کمپیوٹر کی وجہ سے اردو املا اور رسم الخط کے مشکل ہونے کے بہت سے مفروضے دم توڑ چکے ہیں اور صدیقی صاحب اور رشید صاحب کے لیے تمام تر احترامات کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے کہ اب ان کی کئی اصلاحات غیر متعلق ہو چکی ہیں۔ کمپیوٹر کی وجہ سے اب الف مقصورہ لکھنا اور چھاپنا بہت آسان ہے۔ چنانچہ الف مقصورہ کو کم از کم طباعت کی آسانی کے نام پر تو اردو املا سے دیس نکالا نہیں دیا جا سکتا۔

گوپی چند نارنگ اور ان کے رفقا نے الف مقصورہ سے لکھے جانے والے چند الفاظ کو بوجوہ چھوڑ کر باقی الفاظ مثلاً ادنیٰ، اعلیٰ، وغیرہ میں الف مقصورہ لکھنے کی اجازت دے دی (املا نامہ، ص ۵۰)۔ راقم کی ذاتی رائے میں الف مقصورہ کا رواج اردو میں صدیوں سے ہے اور اسے بلا وجہ تبدیل کرنے سے سوائے انتشار کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔

لہٰذا یہاں ہماری اس مجوزہ فہرست میں ادنیٰ، اعلیٰ جیسے چند ہی الفاظ بطور مثال شامل کیے گئے ہیں، ممکن ہے انجمن ترقی اردو ہند کو اس پر اعتراض ہو کیونکہ انجمن ادنا اور اعلا لکھنے کی قائل ہے۔ سو یہ ان کی صوابدید ہے، وہ جیسے چاہیں لکھیں لیکن اردو والوں کو سوچنا چاہیے کہ پھر نور الہدیٰ، خیر الوریٰ، عید الاضحیٰ، بدرالدجیٰ، خدیجۃ الکبریٰ، اور من و سلویٰ جیسی تراکیب کا کیا ہوگا۔ نیز اردو میں رائج بعض عربی الفاظ کے اسمِ تفضیل اور جمع کا کیا ہوگا، مثلاً اسمِ تفضیل صغریٰ کو اگر صغرا لکھا جائے تو صغرا (اصغر کی تانیث صغریٰ) اور صغرا (صغیر کی جمع صغرا) میں کیسے فرق کیا جا سکے گا۔ یوں دیکھا جائے تو اردو میں عام طور پر"ع" کو اس کے درست مخرج سے نہیں بولا جاتا تو کیوں نہ آسانی کے خیال سے"ع" کو بھی اردو املا سے خارج کر دیا جائے اور"اعلیٰ" کو "آلا" لکھا جائے؟ تو پھر"ث" اور"ص" کو بھی اردو سے دیس نکالا دیا جائے کیونکہ"س" کافی ہے اور اردو والے ان تینوں حروف کا تلفظ"س" ہی کی طرح کرتے ہیں۔ اسی طرح کیا"ز"،"ذ"، "ض" اور"ظ" میں سے بھی ایک کو باقی رکھا جائے کیونکہ اردو میں ان سب کا تلفظ ایک سا ہے۔ اس طرح مزید آسانی ہو جائے گی۔ چلیے صاحب چھٹی ہوئی، اردو کا قضیہ ہی جڑ سے کٹ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۷۔ رواج اور چلن کی اہمیت

ایک اہم نکتہ جو املا کے موضوع پر لکھی گئی کتب اور مقالات کے مطالعے سے بتکرار سامنے آیا یہ ہے کہ زبان میں رواج اور چلن کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ انگریزی میں املا کے قوانین تو خیر

عجیب ہیں ہی لیکن رائج ہونے کی بنا پر انھیں قائم رکھا گیا ہے۔ مثلاً کبھی gh (جی ایچ) کو f (ایف) پڑھا جاتا ہے اور کبھی ch (سی ایچ) کا تلفظ k (کے) کی طرح کیا جاتا ہے لیکن کوئی نہیں کہتا کہ laugh اور chemistry جیسے الفاظ کا املا بدل دیا جائے۔ انگریزی میں دخیل کئی فرانسیسی الفاظ کا املا وہی ہے جو اصل زبان یعنی فرانسیسی میں ہے گو ان میں سے بعض کے فرانسیسی اور انگریزی تلفظ میں بہت فرق ہے۔ امریکیوں نے کئی انگریزی الفاظ کا املا بدلنے کی کوشش کی اور گیان چند نے لکھا ہے کہ ویبسٹر (Webster) کی لغت'' کے تیسرے ایڈیشن میں مرتبین نے یہ جسارت کی کہ روایتی ہجوں اور تلفظ کی بجائے مروجہ بول چال کا تلفظ، املا اور استعمال درج کر دیا۔ اس پر زبان کے محافظوں کی طرف سے ایک غلغلہ بپا ہوا کہ وہ زبان کو مسخ کر رہے ہیں'' (عام لسانیات، ص ۵۵۲)۔ یہ ہے رواج اور چلن کی اہمیت۔ لیکن امریکی انگریزی میں بھی کوشش کے باوجود محدود تعداد میں الفاظ کے ہجے بدلے جا سکے اور مثلاً humour اور neighbour جیسے الفاظ میں ''او یو'' (ou) کے بجائے صرف او (o) رہ گیا اور بس، بلکہ وہ بھی صرف امریکی انگریزی کی حد تک۔ برطانوی انگریزی میں ایسے الفاظ کا املا اب بھی وہی کیا جاتا ہے جو صدیوں سے رائج ہے۔

دنیا میں شاید ہی کوئی زبان ایسی ہو جس کے قوانین املا اس کے ہر لفظ کے تلفظ کو ٹھیک ٹھیک ظاہر کر سکیں اور اسی لیے'' جیسا بولو ویسا لکھو'' کا اصول ہر جگہ اور ہر بار لاگو نہیں ہو سکتا۔ بقول خلیق نقوی جس طرح بولو اسی طرح لکھو کے ''اصول کی پوری پوری پابندی میں جو قباحتیں اردو میں پیش آ سکتی ہیں انھیں آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا'' (اردو املا کے مسائل، مشمولہ اردو نامہ، کراچی، پہلا شمارہ، اگست ۱۹۶۰ء، ص ۱۷)۔ اس کے بعد انھوں نے انگریزی کے بعض ایسے الفاظ کی مثالیں دی ہیں جن میں کوئی حرف یا تو غیر ملفوظی (silent) ہے یا اس کا تلفظ کچھ اور کیا جاتا ہے۔ مثلاً کیا انگریزی میں thatch, pslam, psychology کا املا بدلنے کی بات کبھی کسی نے کی؟ نہیں، کیونکہ یہ املا صدیوں سے رائج ہے اور اس میں تبدیلی انتشار کا باعث ہوگی۔

۸۔ اُردو کے لیے سند اردو ہے

یہ درست ہے کہ زبان اور لغت میں سند ضروری ہوتی ہے اور کسی لفظ کا مفہوم اور اس کا املا اس کے استعمال سے طے ہوتا ہے۔ لیکن لغت میں بھی سند اسی زبان سے لی جاتی ہے، مثلاً اردو لغت بورڈ کی بائیس جلدی لغت میں ہر لفظ کی سند اردو سے دی گئی ہے (کچھ اندراجات کو چھوڑ کر جن کی سند دست یاب نہ ہو سکی)۔ اردو کے لیے فارسی یا عربی سے سند لینا اصولاً غلط ہے۔ اردو میں اردو کی سند چاہیے نہ یہ کہ فارسی کے اصول زبردستی اردو پر مڑھے جائیں۔

کئی امور میں رشید حسن خاں نے فارسی املا کے اصولوں کی مثال دی ہے تو عرض ہے کہ جب فارسی لکھیں گے تو فارسی کے اصولوں کی پیروی ضرور کریں گے، فی الحال تو اردو لکھ رہے ہیں اس لیے اردو کی پیروی کی جائے گی۔ رشید صاحب کی اصلاح املا کے اصولوں میں سب سے بڑا خود شکن یہی نکتہ یہی ہے کہ وہ ایک طرف تو اردو میں مستعمل عربی الفاظ کا املا بدلنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف فارسی کے املا کو پتھر پر لکیر اور اردو املا کے لیے بنیادی ہدایت نامہ سمجھتے ہیں۔ بقول حفیظ الرحمٰن واصف ''تعجب ہے کہ اردوئے معلّٰی کا بھارتیہ کرن بھی کیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ احمد بہمن یار کے حوالے دے کر ایرانی رجحانات سے اپنے من گھڑت قاعدوں کو مستند بنانے کی بھی کوشش کی جا رہی ہے'' (ادبی بھول بھلیاں، ص ۶۲)۔

۱۰۔ ایک ہی لفظ کے رائج مختلف املا

انگریزی میں بھی بعض الفاظ کے دو املا رائج ہیں۔ اردو میں بھی بعض الفاظ دو طرح لکھے جاتے ہیں اور بعض صورتوں میں دونوں املا درست ہیں۔ کبھی یہ دو رنگی تلفظ کی بھی پیداوار ہوتی ہے اور کسی ایک علاقے کے اہل زباں ایک طرح اور دوسرے علاقے کے اہل زباں دوسری طرح بولتے ہیں، مثلاً گھاس اور گھانس (نون غنے کے ساتھ)۔ اسی طرح چاول کا تلفظ چانول (یعنی چاں+ول، نون غنے کے ساتھ) بعض علاقوں میں عام ہے۔ اسی لیے بعض لغات میں بھی گھاس اور چاول کے دو املا درج ہیں۔ ان دونوں کو درست ماننا چاہیے۔ بات یہ ہے کہ کسی لفظ کا کوئی ایک تلفظ اور اس کا ایک املا زیادہ رائج ہوتا ہے اور اس سے دوسرا تلفظ اور دوسرا املا غلط نہیں ہو جاتا۔

۱۱۔ الفاظ کو ملا کر یا توڑ کر لکھنا

الفاظ کو ملا کر لکھنے سے بھی املا میں لکھی ہوئی صورت بدلنے سے بظاہر فرق آ جاتا ہے، جیسے خوبصورت/خوب صورت یا دلچسپ/دل چسپ۔ اسی طرح کیونکہ/کیوں کہ اور چونکہ/چوں کہ۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو غلط اور دوسرے کو صحیح نہیں کہا جا سکتا کیونکہ بنیادی طور پر املا دونوں کا ایک ہی ہے، بس لکھنے کے طریقے میں فرق ہے۔ ہاں ترجیح قائم کرنے کی سوچ کے تحت الگ الگ لکھنے کو فوقیت دی جا سکتی ہے اور اس میں عملی مسائل بھی پیش نظر رہنے چاہییں، مثلاً تدریس کے عملی مسائل۔ اب طالب علموں کو اردو پڑھانا مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا ہے اور ہمیں نئی نسل کے مسائل اور ضروریات کو دیکھتے ہوئے بعض مرکبات کو الگ الگ لکھنے کو ترجیح دینی چاہیے، کم از کم درسی و نصابی کتب کی حد تک۔ مثلاً کسمپرسی کو بچے کس مُپرسی پڑھنے کے بجائے کسم پرسی پڑھ لیتے ہیں۔ لیکن بلکہ کو توڑ کر ''بل کہ'' لکھنے پر بعض حضرات منقبض ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں بھی کچھ طے کیا جانا ضروری ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ مصر ہوتے ہیں کہ بائے جارہ کو ''بہ'' کی شکل میں لکھا جائے، مثلاً بحال کو بہ حال لکھا جائے۔ اس ضمن میں عربی اور فارسی میں ''ب'' کے استعمال کو مد نظر رکھنا ضروری ہے جس پر ادارۂ فروغ قومی زبان نے اپنی سفارشاتِ املا ۲۰۲۲ء میں روشنی ڈالی ہے (ص ۶۰-۵۹)۔ لیکن ''ب'' کو ہر بار توڑ کر لکھنے پر اصرار کرنے والوں کو سوچنا چاہیے کہ کیا بالکل کو ''بہ ال کل'' لکھا جائے گا؟ عرض کرنے کا مقصود یہ ہے کہ ہر بار ''ب'' کو توڑ کر لکھنا مناسب نہیں ہوتا اور عربی میں ب کبھی مکسور ہوتا ہے اور فارسی میں مفتوح۔ ان امور پر بھی نظر رکھنی ضروری ہے۔

الفاظ کی فہرست سے پہلے عرض ہے کہ مذکورہ بالا نکات میں سے بعض باہم یقیناً متضاد ہیں لیکن کیا کیا جائے، ہجائی اور املائی اصولوں میں اگر منطق اور اصول کی سو فی صد کارفرمائی ہوتی یا ہو سکتی اور ہجا کے قواعد (spelling rules) اتنے ہی منطقی ہوتے تو جارج برنارڈ شا کو یہ نہ کہنا پڑتا کہ انگریزی کے املا کے اصولوں کے مطابق fish کو ghoti لکھا جا سکتا ہے ۲ (اس کی وضاحت حاشیے میں ملاحظہ کیجیے)۔

اس فہرست یا قرطاس میں شامل الفاظ کا املا محض تجویز کے زمرے میں ہے، نہ کوئی ادعا ہے، نہ اصرار اور نہ یہ تجاویز حرفِ آخر ہو سکتی ہیں۔ انھیں اس درخواست کے ساتھ اہل علم و نظر کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے کہ اس پر غور فرمائیں اور ضروری سمجھیں تو اصلاح و ترمیم بھی فرمائیں تاکہ باہمی مشاورت سے اردو املا کا ایک حتمی قرطاس تیار کیا جا سکے۔

اب مجوزہ املا پیش خدمت ہے:

درست املا	وضاحت
اَتائی	غیر تربیت یافتہ معالج یا اناڑی کے مفہوم میں، اسے عطائی لکھنا غلط ہے یہ غیر عربی لفظ ہے۔
ادبا	عربی املا ادباء ہے یعنی اس کے آخر میں ہمزہ بھی ہے لیکن اردو میں ہمزہ اب نہیں رہا۔
ادنیٰ	ادنا لکھا جا رہا ہے مگر اس کو ہر جگہ پذیرائی حاصل نہیں۔
ارکان	انگریزی لفظ ممبر (member) کی جمع ممبران نہیں بن سکتی۔ ارکان لکھنا چاہیے۔
ازدحام	عربی لفظ ہے۔ اسے اژدہام یا ازدہام لکھنا غلط ہے۔

أسامی: اسم کی جمع اسما اور جمع الجمع اسامی ہے نہ کہ آسامی۔

اِستثنا: استثنا کے آخر میں الف ہے۔ عربی میں ہمزہ بھی ہے لیکن اردو میں بالعموم ہمزہ کے بغیر۔

اِستعفا: آخر میں الف ہے، عربی میں اس کے آخر میں ہمزہ بھی ہے کیونکہ استفعال کے وزن پر ہے

اَش اَش: عش عش درست نہیں ہے۔ اردو والوں نے اس کی اصل ''عیش'' غلط طور پر فرض کر لی ہے۔

اعلیٰ: اعلا لکھا جا رہا ہے مگر اس کو قبول عام حاصل نہیں۔ پاکستان میں اعلیٰ ہی رائج ہے۔

اَفزا: فارسی ہے۔ افزاء لکھنا غلط ہے۔ ہمزہ کے بغیر ہی درست ہے، جیسے حوصلہ افزا، روح افزا۔

السلام علیکم: ''اسلام وعلیکم'' غلط ہے۔ السلام میں الف کے بعد لام ہے۔ علیکم سے پہلے واو نہیں ہے۔

امروہہ: آخر میں ہائے مختفی چاہیے۔

انا البحر: دوسرا الف اور تیسرا الف دونوں غیر ملفوظی ہیں۔

انا الحق: یہاں بھی دوسرے اور تیسرے الف کو صرف لکھنا ہے پڑھنا نہیں ہے۔

اِن شاء اللہ: یہ تین الفاظ کا مرکب ہے اِن، شا اور اللہ۔ انشاء اللہ نہیں لکھنا چاہیے۔ انشا الگ لفظ ہے۔

انکسار: انکساری درست نہیں۔ ''ی'' کا اضافہ غیر ضروری ہے۔

ان کو: ''ان'' اور ''کو'' دو الگ الگ الفاظ ہیں، انھیں ملا کر (یعنی انکو) نہیں لکھنا چاہیے۔

انھیں: اس میں دو چشمی ھ ہے۔ اسے ''انہیں'' لکھنا درست نہیں۔

اَہالیان: اہل کی جمع اہالی اور جمع الجمع اہالیان ہے، اسے اہلیان نہیں لکھنا چاہیے۔

آذر: آگ یا ایرانی تقویم کے مہینے کے مفہوم میں، اسے زے سے آزر نہیں لکھنا چاہیے۔

آذری: آذر سے متعلق یا منسوب یا آتش پرست کے مفہوم میں یہاں زے نہیں لکھنا چاہیے۔

آزر: بت تراش کے مفہوم میں یہاں ذال نہیں لکھنا چاہیے۔

آزری: آزر سے متعلق و منسوب کے معنی میں یہاں ذال نہیں لکھا جائے گا۔

آگرہ: آخر میں ہائے مختفی ہے۔

آؤ: امر، ہمزہ لکھا جائے گا۔ لیکن ہمزہ آخر میں نہیں ہے (درست املا: آ و)۔

آیئے: امر (تعظیمی)، ہمزہ لکھا جائے گا لیکن ہمزہ آخر میں نہیں ہے (درست املا: آ ی ے)۔

بارہ: آخر میں ''ہ'' ہے جو ہائے ملفوظی ہے۔ الف لکھنا غلط ہے۔

بارھواں/بارھویں: دو چشمی ہ (ھ) چاہیے تا کہ ہائیہ یا ہکاری آواز (aspirated sound) ظاہر ہو۔

بالاتفاق: ب کے نیچے زیر پڑھا جائے گا، ب کے بعد الف بھی لکھا جائے گا لیکن پڑھا نہیں جائے گا۔

بالاقساط: ب کے نیچے زیر ہے اور ب کے بعد الف بھی لکھا جائے گا۔ لیکن پہلا الف غیر ملفوظی ہے۔

بالآخر: بعض لوگ ''بلا آخر'' لکھنے اور بولنے لگے ہیں جو غلط ہے۔ نیز پہلا الف غیر ملفوظی ہے۔

بالترتیب: ب کے نیچے زیر ہے اور الف اور لام غیر ملفوظی ہیں۔ ت مشدد۔

بالخیر: ب کے نیچے زیر پڑھا جائے گا اور ب کے بعد الف لکھا جائے گا گو الف غیر ملفوظی ہے۔

بَالفاظِ دیگر: ب پر زبر ہے اور الف پر بھی۔

بالکل: بعض لوگ بلکل لکھنے لگے ہیں جو بالکل غلط ہے۔ ب کے نیچے زیر ہے۔ الف غیر ملفوظی۔

باللہ: ب کے نیچے زیر اور الف غیر ملفوظی۔ معنی ہیں اللہ کی قسم۔

بالمقابل: پہلا الف غیر ملفوظی ہے اور ب کے نیچے زیر ہے۔

بالواسطہ: ب کے نیچے زیر اور پہلا الف غیر ملفوظی۔

بایں ریش و فش: ب پر زبر پڑھا جائے گا۔ یائے معروف ہے (ب + ایں)

بایں ہمہ: ب پر زبر اور یائے معروف ہے۔ (ب + ایں)

بآسانی: ب پر زبر ہے۔ اور اسے باآسانی لکھنا غلط ہے۔

بَحفاظت: ب پر زبر ہے۔ لیکن باحفاظت درست نہیں ہے۔ یہاں ''با'' نہیں چاہیے۔

بحمدِ اللہ: ب اور دال کے نیچے زیر ہے اور الف بھی لکھا جائے گا۔ لیکن الف پڑھا نہیں جائے گا۔

بخدا: ب پر زبر ہے، لیکن بعض لوگ اسے باخدا لکھتے یا بولتے ہیں جو بالکل الگ مفہوم میں ہے۔

براہِ مہربانی: برائے مہربانی غلط ہے۔ براہ یعنی by way of۔

برخاست: برخواست غلط ہے۔ یہ برخاستن (یعنی اٹھنا) سے ہے۔ اس میں واو نہیں ہے۔

برخاستگی: برخواستگی غلط ہے۔ واو نہیں ہے۔

بشرطے کہ: اسے ملا کر بشرطیکہ بھی لکھا جاتا ہے لیکن اس طرح بعض لوگ ''بشرط یہ کہ'' پڑھتے ہیں۔

بشرہ: چہرے کی ظاہری حالت۔ محرّک حالت میں بشرے لکھتے ہیں، مثلاً چہرے، بشرے سے۔

بشریٰ: آخر میں الف مقصورہ ہے جسے الف بشکل ''یا'' (ی) بھی کہتے ہیں۔ معنی ہیں: خوشخبری۔

بعینہٖ: ب کے نیچے زیر پڑھا جائے گا اور ''ہ'' کے نیچے کھڑا زیر۔

بفضلہٖ: ب کے نیچے زیر ہے اور ''ہ'' کے نیچے کھڑا زیر۔

بقول شخصے: ب پر زبر ہے اور شخصے میں ''ے'' بطور یائے تنکیر استعمال ہوئی ہے۔

بلحاظ: ب پر زبر ہے۔ بالحاظ غلط ہے، جیسے: بلحاظ عہدہ۔

بمشکل: ب پر زبر ہے اور بامشکل غلط ہے۔ یہاں ''با'' نہیں چاہیے۔

بہاءالدین: اس میں واو نہیں ہے اور اسے بہاؤالدین لکھنا غلط ہے۔

بیدار: بے دار اس لیے غلط ہے کہ بے سابقہ ہے اور دار لاحقہ۔ یہ پہلے بید آر تھا۔ اب بیدار ہے۔

بیزار: بیدار اور بیزار میں لاحقہ کسی زمانے میں ''آر'' تھا جو مرکب ہو کر ''ار'' رہ گیا۔ بے زار غلط۔

بےمحابا: م پر پیش اور آخر میں الف۔ معنی ہیں بے دھڑک۔ اسے بے محابہ لکھنا غلط ہے۔

بے نیل مرام: بے نیل ''و'' مرام سے مفہوم خبط ہو جاتا ہے۔ واو اضافی ہے۔

پائے تخت: پائے تخت سے مراد ہے دارالحکومت۔ پایۂ تخت کا مطلب ہوگا تخت کا پاؤں۔

پائل/پایل: پایل میں ''ی'' پر زبر ہے لیکن پلیٹس کی لغت کے مطابق ایک تلفظ پائل بھی ہے۔

پٹنہ: آخر میں ہائے مختفی ہے۔

پذیر: پذیر میں ذال ہے، اسے زے سے پزیر لکھنا غلط ہے۔

پذیرائی: پذیرائی میں ذال چاہیے، زے سے درست نہیں۔

پروا: پرواہ لکھنا غلط ہے۔ اس کے آخر میں ''ہ'' نہیں ہے۔

پس منظر: پس کے ''س'' کے نیچے اضافت کا زیر نہیں چاہیے۔ یہ منظرِ پس کی مقلوب صورت ہے۔

تعویذ: عربی لفظ ہے، ذال ہے۔ اس لیے تعویز یعنی آخر میں زے لکھنا غلط ہے۔

تماشا: عربی لفظ ہے لیکن اردو میں تماشہ نہیں تماشا لکھا جاتا ہے (عربی میں تماشی ہے، یعنی چلنا)۔

تمھارا تمہارا غلط املا ہے، اس میں مھ ہے جو دوچشمی سے لکھنا چاہیے (درست املا: ت مھ ارا)۔

تمھیں کہنی والی ''ہ'' سے تمہیں غلط ہے، اس میں مھ کی آواز ہے (درست املا: ت مھ ے ں)۔

تنازُع اس کو تنازعہ لکھنا غلط ہے۔

توتا طوئے عربی الفاظ میں آتی ہے مگر توتا مقامی لفظ ہے اور اسے طوطا نہیں لکھنا چاہیے۔

توتی (بواوِ معروف) ایک پرندہ لیکن یہ توتا کی مونث نہیں ہے بلکہ مذکر کے طور پر آتا ہے۔ دیکھیے: طوطی۔

توتی (بواوِ مجہول) توتا کی تانیث۔

تیئیس پہلے یائے مجہول ہے، پھر ہمزہ اور پھر یائے معروف۔ تیس لکھنا اور بولنا غلط ہے۔

ٹھہرنا بعض کلاسیکی متون میں ٹھیرنا بھی ملتا ہے، لیکن ٹہرنا غلط ہے۔

ثناءاللہ ثنا کے بعد یہاں ہمزہ لکھنا چاہیے۔

جائیے ہمزہ لکھا جائے گا لیکن الف کے بعد۔ (درست املا: ج اءی ے)

جرأت ہمزہ ضروری ہے۔

جنھیں جنہیں غلط املا ہے۔ یہاں دوچشمی ھ درکار ہے (درست املا: ج نھ ے ں)

چارا گھاس کے مفہوم میں چارہ (ہ سے) نہیں لکھنا چاہیے۔

چارہ علاج یا تدبیر کے معنوں میں چارا (الف سے) نہیں لکھنا چاہیے۔

چاہیے چاہیئے غلط ہے۔ یہاں ہمزہ کا کوئی کام نہیں (درست املا: چ اہ ی ے)

چاہییں چاہیئں غلط ہے، ہمزہ غیر ضروری ہے۔ دو ''ی'' ہیں۔ (درست املا: چ اہ ی ی ں)

چنبیلی نون غنے کی آواز ہے، اس لیے چمبیلی نہیں لکھ سکتے۔ تلفظ میں بھی ''م'' نہیں بولنا چاہیے۔

چولھا چولہا لکھنا غلط ہے کیونکہ اس میں '' لھ'' ہے اس لیے دوچشمی ھ لکھنی چاہیے۔ (چ ولھ ا)

چیخ پکار چیخ و پکار نہیں لکھنا چاہیے۔ واو اضافی ہے۔

حامی حمایت کرنے والا، لیکن ہاں کہنا کے مفہوم'' حامی بھرنا'' غلط ہے، دیکھیے: ہامی۔

حیرانی حیرانگی غلط ہے۔

خاصا زیادہ یا اچھا یا کافی کے مفہوم میں۔ اس کے آخر میں الف ہے۔

خاصہ شاہانہ یا شاہی کھانا کے مفہوم میں۔ آخر میں ہائے مختفی ہے۔

خاصّہ مزاج یا عادت یا خاصیت کے مفہوم میں ہے۔ آخر میں ہائے مختفی ہے اور ص مشدد۔

خاکہ خاکا لکھنے کی تلقین کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے، فارسی میں ''ہ'' نسبت کے لیے ہے۔

خدوخال عورتوں کے لیے مستعمل ہے۔ خد یعنی رخسار۔

خط وخال خط یعنی داڑھی۔ خط مَردوں کا ہوتا ہے، عورتوں کے لیے نہیں لکھنا چاہیے۔

خط کتابت خط و کتابت غلط ہے۔ واو اضافی ہے۔

درستی درستگی درست نہیں ہے۔ یہاں گاف غیر ضروری ہے۔

دست کاری ملا کر یعنی دستکاری بھی درست ہے، لیکن بچے دس اور تکاری کو الگ الگ پڑھتے ہیں۔

دست گیر ملا کر یعنی دستگیر لکھنا درست ہے لیکن اسے طالب علم دس+تگیر پڑھتے ہیں۔

دُکان اس میں واو غیر ضروری ہے، اسے دوکان نہیں لکھنا چاہیے۔

دولھا کہنی والی ہ اس میں نہیں لکھنی چاہیے۔ اس میں'' لھ'' کی آواز ہے۔ دوچشمی ھ چاہیے۔

دوم دوسرا یا دوسری کے معنوں میں دوئم یا دوئم غلط ہے۔

دیجیے امرِ تعظیمی۔ ہمزہ نہیں چاہیے، دیجئے لکھنا غلط ہے۔ (درست املا: دی ج ی ے)۔

دیے دیئے لکھنا غلط ہے۔ اس میں ہمزہ نہیں ہے۔

ڈھاکہ اصول یہ ہے کہ مقامات کے ناموں میں ہائے مختفی لکھی جاسکتی ہے۔ ڈھاکا جدت ہے۔

ذکاءاللہ ذال سے ہے اور ہمزہ بھی چاہیے۔

ذکی ذہین یا تیز فہم کے مفہوم میں ذال سے ہے۔ نیز دیکھیے: زکی۔

ذمے دار ذمہ دار نہیں لکھنا چاہیے۔ ذمے یہاں جمع نہیں ہے بلکہ اسم کی محرف حالت ہے۔

ذمے داری ذمہ داری نہیں لکھنا چاہیے۔ ذمے یہاں ذمہ کی محرف حالت ہے۔ جمع نہیں ہے۔

رجحان ''ر۔ج۔ح'' مادّہ ہے۔ رحجان (رح ج ان) لکھنا غلط ہے۔ (درست املا: رج ح ان)

زخّار یہ ذال سے نہیں ہے۔ زے سے ہے اور خے پر تشدید ہے۔ معنی ہیں: موجیں مارتا ہوا۔

زکی پاک کے مفہوم میں زے سے ہے۔

زکریا اس میں بھی ذال نہیں ہے، زے ہے۔ بلکہ ذال لکھنے سے ذم کا پہلو پیدا ہو جاتا ہے۔

سرھانا دوچشمی ہ (ھ) لکھنی چاہیے تاکہ ہائیہ یا ہکاری آواز ظاہر ہو۔ سرہانا درست املا نہیں ہے۔

سنبھالنا نون غنہ ہے، اس لیے'' سمبھالنا'' لکھنا اور بولنا دونوں غلط ہیں۔

سولہ آخر میں ہائے ملفوظی ہے۔

سولھواں لھ کی آواز ہے، چنانچہ دوچشمی ھ چاہیے۔

سوم تیسرا یا تیسری کے مفہوم میں سوئم یا سویم غلط ہے، بلکہ سویم تیجے کے مفہوم میں ہے۔

سوءِ اتفاق سُوء عربی کا لفظ ہے۔''سُوئے'' لکھنے سے فارسی کے ''سُو'' کا التباس ہوتا ہے۔

سوءِ ظن سوئے ظن غلط ہے۔''سُوئے'' فارسی ہے۔ یہ عربی کا سُوء بمعنی ''بُرا'' یا ''برائی'' ہے۔

شطحیات غیر شرعی کلمات جو جوش یا مستی میں زبان سے نکلیں۔ شطحی کی جمع۔ صوفیوں کی اصطلاح۔

صوفیہ صوفی کی جمع صوفیہ ہے۔ اسے بعض لوگ صوفیاء لکھتے ہیں۔

ضبطی ضبطگی غلط ہے۔

ضیاءالدین اس میں واو نہیں ہے اس لیے ضیاؤالدین لکھنا غلط ہے۔ لیکن ہمزہ چاہیے۔

طلَبا عربی میں طلیب کی جمع ہے اور فُعَلاء کے وزن پر طلَباء ہے۔ لیکن اس کے آخر میں اب اردو میں ہمزہ نہیں لکھا جاتا (درست املا: طُ لَ ب ا)۔

طلَبہ عربی میں فَعلہ کے وزن پر طالب کی جمع ہے۔ اردو میں طالب علم کی جمع کے طور پر مستعمل ہے (درست املا: ط لَ ب ہ)۔ کبھی وضاحت کے لیے طلَبہ و طالبات بھی کہہ دیتے ہیں۔

طبیعیات (Physics) اسے طبیعات لکھنا غلط ہے، اس میں دو ''ی'' ہیں (درست املا: ط ب ی ع ی ات)۔

طُوطی یہ بواوِ معروف بروزن جُوتی ہے اور توتا کی مونث نہیں ہے۔ نیز دیکھیے: توتی۔

طُوطی بولنا چونکہ مذکر ہے لہٰذا طوطی بولتا ہے۔ یہ توتا کی تانیث نہیں ہے اور بواوِ معروف ہے۔

عاشور/عاشورا اس کے آخر میں ''ہ'' یعنی عاشورہ لکھنا غلط ہے۔

عبداللطیف دو لام ہیں۔

علاءالدین اس میں واو نہیں ہے اور اسے علاؤالدین لکھنا غلط ہے۔ لیکن ہمزہ ضروری ہے۔

علیٰ ہٰذا القیاس الف مقصورہ، ذال، نیز دو الف۔

غرضے کہ اسے غرضیکہ بھی لکھا جاتا ہے لیکن بعض لوگ اسے غلط طور پر "غرض یہ کہ" پڑھ لیتے ہیں۔

غیظ وغضب درست املا غیظ ہے اور اسے غیض نہیں لکھنا چاہیے۔

فرمایئے ہمزہ(ء) الف کے بعد ہے، آخر میں نہیں ہے (ف رم ا ء ی ے)

فی الحال ی اور الف دونوں غیر ملفوظی ہیں۔

قرأت ہمزہ ضروری ہے۔

قُرۃ العین قُرۃ میں الف (یعنی قراۃ) لکھنا غلط ہے۔ قرأت الگ لفظ ہے۔

کَس مپُرسی بہتر ہے کہ ملا کر کسمپرسی نہ لکھا جائے، ملا کر لکھنے سے بچے اسے کسم پرسی پڑھتے ہیں۔

کلھاڑی اسے کہنی والی "ہ" سے یعنی کلہاڑی لکھنا غلط ہے۔ اس میں "لھ" ہے۔ ھ لکھنی چاہیے۔

کمھار کمہار درست نہیں کیونکہ اس میں لھ کی آواز ہے۔ دوچشمی ھ چاہیے۔

کولھو اسے کولہو لکھنا غلط ہے کیونکہ اس میں لھ کی آواز ہے۔ دوچشمی ھ چاہیے۔

کیجیے ہمزہ نہیں چاہیے۔ "کیجئے" لکھنا غلط ہے (درست املا: ک ی ج ی ے)۔

کیے کئے غلط ہے۔ ہمزہ نہیں چاہیے (درست املا: ک ی ے)۔

کھایئے ہمزہ(ء) الف کے بعد ہے۔ آخر میں نہیں ہے (درست املا: کھ ا ء ی ے)۔

کھویئے ہمزہ(ء) واو کے بعد ہے۔ آخر میں نہیں ہے (درست املا: کھ و ء ی ے)۔

گذشتہ ذال ہے۔ زے سے یعنی گزشتہ درست نہیں۔

گزارش زے ہے۔ اس میں ذال (یعنی گذارش) نہیں ہے۔

گیارہ آخر میں الف نہیں ہے۔ (گنتی میں بارہ سے اٹھارہ تک ہائے ملفوظی ہے، "ہ" چاہیے)

گیارھواں رگیارھویں دوچشمی ہ (ھ) چاہیے تاکہ ہائیہ آواز (aspirated sound) ظاہر ہو۔

گورکھ پور ملا کر گورکھپور بھی لکھا جاتا ہے لیکن پھر بعض لوگ گورکو الگ اور کھپور کو الگ پڑھتے ہیں۔

گورکھ پوری گورکھپوری بھی لکھا جاتا ہے لیکن گور کو الگ اور کھپوری کو الگ پڑھے جانے کا امکان ہے۔

لاہور کچھ لوگ لاھور لکھتے ہیں۔ اس میں دوچشمی ھ کی ضرورت نہیں ہے۔

لذیذ دوبار ذال ہے۔ زے نہیں ہے۔

لوگو! ندائی حالت میں (یعنی پکارتے ہوئے) لوگوں (نون غنے کے ساتھ) لکھنا غلط ہے۔

لوگوں لوگ کی جمع اور مغیرہ حالت، جب پکار نہ رہے ہوں تو نون غنہ لکھنا چاہیے۔

لہٰذا لہاذا نہیں لکھنا چاہیے۔

لیجیے امرِ تعظیمی۔ ہمزہ نہیں چاہیے۔ "لیجئے" لکھنا غلط ہے (درست املا: ل ی ج ی ے)۔

لیے اس کے املا میں ہمزہ نہیں ہے۔ لئے غلط ہے (درست املا: ل ی ے)۔

ماخَذ واحد ہے۔ مَفعَل کے وزن پر اسمِ ظرف ہے۔ واحد کے مفہوم میں مآخِذ نہیں لکھنا چاہیے۔

مآخِذ یہ جمع ہے ماخَذ کی مَفاعِل کے وزن پر۔ اسے واحد کے مفہوم میں نہیں لکھنا چاہیے۔

ماشاءاللہ ماشاءاللہ میں "شا" کے بعد ہمزہ(ء) لکھنا ضروری ہے۔

مبدء اس میں ہمزہ ہے۔

مبدءِ فیض مبدائے فیض یا مبدۂ فیض غلط ہے۔

مُتنازع فیہ اسے متنازعہ نہیں لکھنا چاہیے۔

مٹاپا اسے موٹاپا نہیں لکھنا چاہیے۔ "م" پر پیش ہے۔

مسالا مصالح جمع ہے مصلحت کی، اسے مصالحہ بھی نہیں لکھنا چاہیے۔

مستثنٰی درست املا: م س ت ث ن یٰ۔ لیکن اِستثنا کے آخر میں الف چاہیے۔

مستعفی لیکن اِستعفا کے آخر میں الف ہے۔

مصرع مصرعہ غلط ہے۔

مع معہ یا بمع یا بمعہ، یہ سب غلط ہیں۔

معما معمہ غلط ہے۔

معیار اسے میعار (م ی ع ا ر) لکھنا غلط ہے۔ (درست املا: م ع ی ا ر)۔

مکاتب مکتب (اسکول) کی جمع ہے۔ مَفاعِل کے وزن پر ہے۔ اسے مکاتیب نہیں لکھنا چاہیے۔

مکاتیب مکتوب یعنی خط کی جمع ہے۔ مفاعیل کے وزن پر ہے۔ اسے مکاتب نہیں لکھنا چاہیے۔

مکتبِ فکر مکتبۂ فکر غلط ہے۔ مکتبہ عربی میں لائبریری کو کہتے ہیں، یہاں اسکول کا مفہوم چاہیے۔

منبر مسجد میں خطاب کا مقام۔ اسے ممبر لکھنا بالکل غلط ہے۔

مؤثر ہمزہ چاہیے۔

مؤذن ہمزہ چاہیے۔

مولانا پہلے مولیٰنا بھی لکھا جاتا تھا اور یہ غلط تو نہیں ہے مگر اب مولانا کا رواج عام ہو گیا ہے۔

مین میکھ مین مینخ غلط ہے۔ مین میں یائے معروف ہے اور میکھ میں یائے مجہول۔

نا یہ سابقہ ہے اسے حرفِ نفی "نہ" کی جگہ نہیں لکھنا چاہیے۔

ناتا ناطہ غلط ہے۔ یہ عربی لفظ نہیں ہے۔ مرکبات میں بھی ت چاہیے، مثلاً: رشتہ ناتا۔

نتیجۃً لوگ نتیجتاً بھی لکھتے ہیں حالانکہ عربی لفظ کے آخر میں "ۃ" ہو تو اس پر تنوین آتی ہے۔ لیکن نتیجتاً اتنا رائج ہے کہ اسے بھی درست ماننا پڑے گا۔

نسبۃً لوگ نسبتاً بھی لکھتے ہیں، اصولاً تنوین تائے مدوّرہ پر آتی ہے۔ الف ضروری نہیں۔ نسبتاً بھی اتنا رائج ہے کہ اسے بھی درست ماننا پڑے گا۔

نذیر معنی ہیں: جو کسی کو شفقت کی وجہ سے (نقصان سے بچانے کے لیے) ڈرائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ناموں میں سے ایک نام۔ زے نہیں ذال ہے، جیسے: نذیر احمد۔

نظیر معنی ہیں: مثال۔ نام بھی ہے، جیسے بے نظیر بھٹو، نظیر اکبرآبادی۔

نقضِ امن ص سے نقصِ امن غلط ہے۔ نقض (ض) دراصل ٹوٹنے کے مفہوم میں ہے۔

نقطہ باریک نشان (dot) کے مفہوم میں نکتہ لکھنا غلط ہے۔

نقطۂ نظر point of view کے مفہوم میں نکتہ نظر لکھنا غلط ہے۔

نکتہ باریک بات یا عقل کی بات کے معنوں میں نقطہ نہیں لکھ سکتے۔

نکتہ چینی تنقید یا تنقیص کے مفہوم میں ہے۔ یہاں نقطہ نہیں لکھ سکتے۔

ننھا نھ کی آواز کو ظاہر کرنے کے لیے دوچشمی ھ لازم ہے۔ ننہا لکھنا غلط ہوگا۔

ننھیال اس میں بھی نھ ہے، ننہیال لکھنا غلط ہے۔

نہ حرفِ نفی۔ بعض لوگ نہ اور نا میں امتیاز نہیں کرتے۔ نا ایک سابقہ ہے، جیسے نادان۔

نہ کہ اسے "ناکہ" نہیں لکھنا چاہیے۔ نا ایک سابقہ ہے۔

نہ ہو نہو قدیم اور متروک ہے، ہاں قدیم متون بالخصوص

قدیم شعری متون میں لکھنا مجبوری ہے۔

نیل مرام — نیل و مرام درست نہیں۔ یہاں واو اضافی ہے۔ نیز دیکھیے: بے نیل مرام۔

ہٰذا — اسے ہاذا نہیں لکھ سکتے۔ اور اسی لیے لہاذا بھی غلط ہے۔ ہٰذا اور لہٰذا درست ہیں۔

ہامی — ہاں کے مفہوم میں حامی (حمایت کرنے والا) ہرگز نہیں لکھ سکتے۔

ہامی بھرنا — ہاں کہنا کے مفہوم میں حامی بھرنا لکھنا بالکل غلط ہے۔

ہراسانی — ہراسگی غلط ہے۔ ہراسان رہراساں سے ہراسانی بنے گا نہ کہ ہراسگی۔

ہندستان رہندوستان — بعض لوگ ھ سے لکھ دیتے ہیں یعنی ھندوستان، یہاں دو چشمی ھ کا کوئی کام نہیں۔

حواشی

۱۔ مثلاً مرحوم ڈاکٹر عطش درانی صاحب نے اردو میں قرطاسِ تحقیق یا تحقیق کے قرطاسِ کار کے عنوان سے کچھ اصول اپنے مقالات میں پیش کیے جو بعد ازاں ان کی کتابوں میں بھی شامل ہوئے۔ مثلاً ان کی ایک کتاب جدید رسمیاتِ تحقیق (لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۵ء) میں ایک باب ''حوالہ و کتابیات نگاری'' شامل ہے۔ ''قرطاسِ تحقیق کا طرزِ ہیئت'' کے عنوان سے ایک باب ان کی دوسری کتاب اصول ادبی تحقیق: تکنیکی امور (لاہور: نذیر سنز، ۲۰۱۱ء) ہے (اگرچہ ان میں اور ان کی دیگر کتابوں میں اسی موضوع پر شامل مواد میں خاصی یکسانی اور تکرار ہے)۔ معین الدین عقیل نے اپنی کتابوں پاکستان میں اردو تحقیق (اسلام آباد :مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء) اور رسمیاتِ مقالہ نگاری (کراچی: پاکستان اسٹڈی سنٹر، ۲۰۰۹ء) میں اس ضمن میں کچھ اصول پیش کیے ہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر عظمیٰ فرمان نے اس موضوع پر مقالہ لکھا جو تحقیق (سندھ یونیورسٹی، جام شورو، کے شمارہ سترہ (۱۷) جنوری۔ جون ۲۰۰۹ء) میں شائع ہوا۔ نیز گیان چند جین نے تحقیق کا فن (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۴ء) میں اس ضمن میں اہم نکات بیان کیے ہیں۔ رشید حسن خاں کا اردو املا میں علامات کے استعمال پر ایک مختصر لیکن عمدہ مضمون انجمن ترقی اردو پاکستان کے سہ ماہی جریدے اردو کے ۱۹۸۵ء کے شمارہ ایک (۱) جلد اکسٹھ (۶۱) میں شائع ہوا تھا۔

۲۔ جارج برنارڈ شا (George Bernard Shaw) کا کہنا تھا کہ انگریزی میں ghoti لکھ کر fish پڑھا جا سکتا ہے کیونکہ انگریزی میں gh کبھی f کی آواز بھی دیتا ہے، جیسے laugh یا enough میں۔ انگریزی میں o کبھی i کی آواز بھی دے سکتا ہے جیسے women لکھتے ہیں اور اسے ویمن پڑھا جاتا ہے۔ اسی طرح ti کبھی sh کی آواز دیتا ہے جیسے nation میں۔ اس لیے ghoti لکھ کر fish پڑھنا انگریزی کے قوانین ہجا کے تحت ممکن اور درست ہے (بحوالہ ماریو پے (Mario Pei)، The Story of Language (نیو یارک: نیو امریکن لائبریری، ۱۹۶۶ء) ص ۳۲۰۔

☆☆☆☆

فہرستِ مآخذ

۱۔ آزاد، محمد حسین، جامع القواعد، لاہور: رائے صاحب ایم گلاب سنگھ اینڈ سنز، ۱۹۰۷ء (تیرھواں ایڈیشن)۔

۲۔ پے، ماریو (Pei, Mario)، The Story of Language، نیو یارک: نیو امریکن لائبریری، ۱۹۶۶ء۔

۳۔ جین، گیان چند، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۴ء۔

۴۔ جین، گیان چند، لسانی مطالعے، دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۹۱ء ((تیسرا ایڈیشن)۔

۵۔ جین، گیان چند، عام لسانیات، دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۸۵ء۔

۶۔ خاں، رشید حسن، اردو املا، دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۹۸ء) (دوسرا ایڈیشن)۔

۷۔ خاں، رشید حسن، اردو املا کے چند اہم مسائل، مشمولہ اردو، سہ ماہی، انجمن ترقی اردو، کراچی، شمارہ ۱، جلد ۶۱، ۱۹۸۵ء۔

۸۔ درانی، عطش، جدید رسمیاتِ تحقیق، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۵ء۔

۹۔ درانی، عطش، اصول ادبی تحقیق: تکنیکی امور، لاہور: نذیر سنز، ۲۰۱۱ء۔

۱۰۔ سحر ابو محمد، اردو املا اور اس کی اصلاح، بھوپال، مکتبۂ ادب، ۲۰۰۴ء (دوسری اشاعت)۔

۱۱۔ سلیم، وحید الدین، وضعِ اصطلاحات، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۵ء (اشاعتِ ثالث)

۱۲۔ صدیقی، عبدالستار، مقالاتِ صدیقی (مرتبہ مسلم صدیقی)، لکھنو: اتر پردیش اردو اکیڈمی، ۱۹۸۳ء۔

۱۳۔ عقیل، معین الدین، پاکستان میں اردو تحقیق، اسلام آباد :مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء۔

۱۴۔ عقیل، معین الدین، رسمیاتِ مقالہ نگاری، کراچی: پاکستان اسٹڈی سنٹر، کراچی یونیورسٹی، ۲۰۰۹ء۔

۱۵۔ فاروقی، الفاتِ روزمرہ، کراچی: آج، ۲۰۰۳ء۔

۱۶۔ فرمان، عظمیٰ، اردو کی ادبی تحقیق اور مقالہ نگاری کے مسائل، مشمولہ تحقیق، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، شمارہ سترہ (۱۷)، جنوری۔ جون ۲۰۰۹ء۔

۱۷۔ نقوی، خلیق، اردو املا کے مسائل، مشمولہ اردو نامہ، کراچی، شمارہ ایک، اگست ۱۹۶۰ء۔

۱۸۔ نارنگ، گوپی چند (مرتب)، املا نامہ، دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۹۰ء (دوسرا ایڈیشن)۔

۱۹۔ واصف، حفیظ الرحمٰن، ادبی بھول بھلیاں، دہلی، ناشر: مصنف، ۱۹۷۹ء۔

اس قرطاسِ املا کی تیاری میں مذکورۂ بالا مآخذ کے علاوہ مندرجۂ ذیل کتابوں رمقالات سے بھی مدد لی گئی ہے:

۱۔ پاریکھ، رؤف رحمید، انجم و دیگر مرتبین، سفارشاتِ اردو املا ۲۰۲۲ء، اسلام آباد: ادارۂ فروغ قومی زبان (سابقہ مقتدرہ قومی زبان)، ۲۰۲۲ء۔

۲۔ پاریکھ، رؤف، صحتِ زباں، اسلام آباد: ادارۂ فروغ قومی زبان، ۲۰۲۱ء۔

۳۔ خاں، غلام مصطفیٰ، جامع القواعد (حصۂ دوم)، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۷۱ء۔

۴۔ خاں، غلام مصطفیٰ، ہمارا تلفظ، حیدر آباد (سندھ): پیراماؤنٹ پریس، ۱۹۹۹ء۔

۵۔ دانش، احسان، لغات الاصلاح، لاہور: لاہور: مکتبۂ دانش، ۱۹۵۳ء۔

۶۔ دہلوی، سید احمد، فرہنگِ آصفیہ، (مبنی بر چہار جلد)، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۷۷ء۔

۷۔ راہی، اعجاز (مرتب)، سفارشاتِ املا و رموزِ اوقاف، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء۔

۸۔ سحر، ابو محمد، زبان و لغت، بھوپال: مکتبۂ ادب، ۱۹۸۳ء۔

۹۔ عبداللطیف، مولوی، المفرد والمرکب، حیدر آباد (دکن): مکتبۂ ابراہیمیہ، ۱۳۳۵ ہجری۔

۱۰۔ مختار احمد، مولانا سید اور ذہین، مولانا، قاموس الاغلاط، حیدر آباد (دکن): مکتبۂ ابراہیمیہ، سن ندارد۔

۱۱۔ ملک، قیوم، اردو میں عربی الفاظ کا تلفظ، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۹ء (اشاعتِ اول)۔

۱۲۔ ہاشمی، رفیع الدین، صحتِ املا کے اصول، کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، ۲۰۱۶ء۔

☆☆☆☆

ڈاکٹر زاہد منیر عامر، ڈائریکٹر ادارۂ تالیف و ترجمہ، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

اُردو کے کچھ اطالوی شعرا

میلان پہنچ کر جب ٹیورن یونی ورسٹی کا شعبہ اردو یاد آیا تو تلازمۂ خیال مجھے صدیوں پیچھے تک لے گیا۔ بہ قول منیب الرحمٰن ''ذہن کے گوشے میں یادوں کی مہک پھیل گئی + جیسے اک پھول چنبیلی کا کھلا رات گئے''۔۔۔ چلیں اپنے سفر کی حکایت سناتے سناتے کچھ بیان اطالیہ کے اردو شعرا کا بھی ہو جائے۔ آخر اردو کی کہانی بھی تو ہماری اپنی ہی کہانی ہے۔ وہ زمانہ جب فرانسیسی ''سونے کی چڑیا'' پر اپنے دندانِ آز تیز کرنے کے لیے ہندوستان آ پہنچے تھے۔ ان کی فوج میں یہاں وہاں سے بہت سے طالع آزماؤں نے بسیرا کر لیا تھا۔ چوں چوں کے اس مربعے میں اطالوی بھی تھے۔ ان اطالویوں میں ایک صاحب مائیکل فیلوز (General Michael Filose) بھی تھے۔ مائیکل فیلوز، اٹلی چھوڑ کر اچھے دنوں کی تلاش میں بالکل اسی طرح ہندوستان آیا جس طرح آج ہمارے نوجوان اچھے مستقبل کی تلاش میں یورپ کا رخ کرتے ہیں۔ یہ زمانہ تھا جب اہل یورپ، برصغیر کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انھیں یہاں کا رہن سہن، یہاں کی زبان، یہاں کی سادگی، لطافت، شیرینی، فنون لطیفہ سے دلچسپی اور تہذیب متاثر کرتی۔ وہ اپنا وطن چھوڑ چھاڑ کر یہاں آنا پسند کرتے تھے۔ یہاں آ کر بسیرا کرنے والوں میں کچھ تو یہاں کی زبان اور تہذیب سے ایسے متاثر ہوتے کہ اپنی زبان کی جگہ یہاں کی زبان سیکھنے کو کمال سمجھتے اور اسی کی تحصیل میں عمریں گزار دیتے۔ وہ ایسا کیوں نہ کرتے۔ آخر یہ ایک ترقی یافتہ قوم کی زبان تھی۔ اس زبان کے شائقین میں وہ بھی تھے جو ترکِ وطن کر کے ہندوستان آ گئے اور وہ بھی تھے جو اپنے ہی اوطان میں رہتے ہوئے اس کے عشق میں گرفتار ہوئے۔ اسباب، تہذیبی ہوں یا سیاسی یا مذہبی، اردو سے متاثر ہونے والوں کی بڑی تعداد اپنے ملکوں میں رہتے ہوئے اس زبانِ شیریں میں مکالمے کی خواہش کیا کرتی تھی یہاں تک کہ اردو کے یورپی شائقین اس امید پر یورپ کے ریلوے سٹیشنوں کے چکر لگایا کرتے کہ شاید ہندوستان سے آنے والا کوئی مسافر مل جائے جس سے مکالمہ کر کے اردو گفتاری کا لطف اٹھایا جا سکے۔ ان لوگوں نے اردو صرف ونحو، لغت نگاری، فزکس، فارمیسی، زراعت، قانون، اقلیدس، اکنامکس، نفسیات، ہیئت اور طب وغیرہ میں ایسے نقوش ثبت کیے جو مستقبل میں ان موضوعات پر بڑے کاموں کی اساس قرار پائے۔

مائیکل فیلوز ۱۷۷۰ء میں ترک وطن کر کے کلکتہ پہنچا۔ فرانسیسی فوج میں شمولیت نے اسے دنیوی ترقی کی راہ دکھائی لیکن اردو اور برصغیر سے محبت خود اس کی ہستی سے بڑھ کر اس کے پورے خانوادے میں سرایت کرتی چلی گئی جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ خود ہی نہیں اس کے خاندان کی آنے والی نسلیں بھی اردو میں شاعری کرتی رہیں۔

اس کا بیٹا بپٹسٹ (Colonel John Baptists Filose)، جان کا بیٹا جولین فیلوز متخلص بہ طالب (Major Julian Filose) اس کا بیٹا فلورنس فیلوز (Lt Col Sir Filorence Filose) متخلص بہ مطلوب، سب اردو کے شاعر تھے۔ اس اطالوی خاندان کا دوسرا شاعر جان بپٹسٹ ہندوستان ہی میں پیدا ہوا۔ اس نے مرہٹہ فوج میں خدمات انجام دیں۔ اس کے تحت تین بٹالین فوج تھی۔ وہ کرنل کے عہدے سے سندھیا کی فوج کے کمانڈر انچیف کے منصب تک پہنچا اور پینتیس سال تک مرہٹہ فوج میں خدمات انجام دینے کے بعد ۱۸۴۶ء میں راہیِ ملکِ عدم ہوا۔ اعتمادالدولہ کرنل جان بپٹسٹ فیلوز صاحب بہادر برق جنگ متخلص بہ جان کے بارے میں رام بابو سکسینہ نے لکھا کہ:

He was a great soldier and a Persian Scholar اور اس کا فارسی کلام بھی نقل کیا ہے:

جان بعجز و نیاز می دارد
از بزرگان وسیله می آرد
تو غفور الرحیم و من بدکار
هرچه بهتر بود بر آنم دار
از سر مصرعه حرف نام اخیر
تو علیمی گناه من بپذیر

جان کا بیٹا جولین فیلوز (۱۷۹۷ء۔۱۸۴۰ء) بھی مرہٹہ فوج میں شامل ہو کر میجر کے عہدے تک پہنچا۔ اسے عام طور سے بابا جان کہا جاتا ہے۔ اس کا تخلص 'طالب' تھا۔ طالب کا نمونہ کلام دیکھیے:

ہر رنگ و گل میں تیری قدرت کھلی ہوئی ہے
تصویر تیری یہ ہے خود کیوں چھپا ہوا ہے
تو شکل اپنی جب سے مجھ کو دکھا چکا ہے
ہے دن کو آہ و نالہ شب، گریہ و بکا ہے
کیا کیا کروں بیاں میں سوزِ دروں کی حالت
سینہ ہے سارا بریاں، دل بھی جلا چکا ہے
فرہاد و قیس و وامق پہنچے بہ منزلِ عشق
ڈھونڈا ہے جس نے جس کو آخر وہ پا چکا ہے

....

طالب کا ذکر ہو تو مطلوب کا ذکر بھی آ ہی جاتا ہے۔ یہاں صورت حال کچھ یوں ہے کہ باپ طالب ہے تو بیٹا مطلوب۔ فلورنس فیلوز کا تخلص مطلوب (۱۸۲۹ء۔۔۔۲۰ر اکتوبر ۱۹۱۲ء) تھا۔ وہ طالب کی پانچویں اولاد تھا اور اپنے آبا کی طرح فوج سے وابستہ رہا۔ مہاراجہ سندھیا کا اے ڈی سی بنا، اردو شاعری میں کافی درک تھا یہاں تک کہ اس نے اپنا پورا دیوان مرتب کیا جو ۱۸۶۹ء میں نظامی پریس، کانپور سے شائع بھی ہوا۔ کلام سے ظاہر ہے کہ اس نے برکت علی نحیف ابن سید وزیر علی سے مشورۂ سخن کیا:

مطلوب شعرگوئی سے گر تجھ کو عشق ہے
برکت علی نحیف کو اپنا مشیر جان

برکت علی کے والد سید وزیر علی، مرزا غالب کے شاگرد تھے۔

اتہام آیا ہے ہم پہ بوسے کا
اتنا کیوں ہم کو منہ لگا بیٹھے
پارۂ دل کیا ہے خاکستر
ہم بناتے ہیں کیمیا بیٹھے

....

عکس رخ چمکا رہا ہے آئینہ در آئینہ
کیا یہ برجستہ ہوا ہے آئینہ در آئینہ

....

ابروئے یار پہ ہے زلف پریشاں مطلوب
چادر کعبہ یہ اوڑھے ہوئے حجاج ہے آج

نمونۂ کلام کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ مطلوب نے اپنا رنگ نکال لیا تھا مثال کے طور پر یہ اشعار دیکھیے:

لو میرزا صاحب یہ رہی آن ہماری
کس شان سے نکلی ہے مغل جان ہماری
کیا معنی گناہوں سے نہ محفوظ رہیں ہم
ہیں حضرت مریم جو نگہبان ہماری

....

رخ سے ہوا تیرے دلِ مطلوب منور
قائم ہوا خورشید سے مہتاب میں شعلہ

اردو ادب کے اوّلین مورخ ڈاکٹر رام بابو سکسینہ نے اپنی کتاب European & Indo-European Poets of Urdu & Persian میں اطالوی شعرا کے اس خاندان کا پورا شجرۂ نسب فراہم کر دیا ہے۔ ہم نے اپنے سفرنامہ اطالیہ کی مناسبت سے اردو کے اطالوی شعر کا ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں اردو زبان و ادب نے یورپ میں صرف اطالویوں کو متاثر کیا۔ ایسا نہیں اردو شعر و ادب کی تاریخ میں اطالوی ہی نہیں برطانوی، پرتگیزی، جرمن، فرانسیسی، امریکی اور سکینڈے نیوین ممالک کے باشندوں کا تخلیق کردہ اردو سرمایہ بھی موجود ہے جو مختلف یورپی ممالک کے باشندوں میں پھیلنے والی اردو کی خوشبو کا پتا دیتا ہے۔

☆☆☆☆

مسز سبین یونس، اسلام آباد

ملکی تعمیر و ترقی میں زبان کا کردار

کسی بھی ملک کی تعمیر و ترقی میں زبان کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے۔ بظاہر یہ دعویٰ بڑا عجیب معلوم ہوتا ہے لیکن ملکی تعمیر و ترقی کے مختلف عوامل کا بنظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو اِس دعوے کی حقانیت پوری طرح ثابت ہو جاتی ہے۔

اِس امر سے اختلاف نہیں کیا جاسکتا کہ ملکی ترقی کا انحصار تعلیمی ترقی پر ہے اور تعلیمی ترقی میں بنیادی عنصر معلومات کا عام فہم انداز میں طلبہ تک پہنچانا ہے۔ تعلیم کے اس عمل کا اہم پہلو "زبان" ہے۔ تعلیم دینے کی زبان جتنی مانوس اور روز مرہ بول چال کے قریب ہوگی طلبہ اتنی ہی سمجھ سے اور مؤثر انداز میں تعلیم حاصل کر سکیں گے۔

ترقی یافتہ اقوام کی ترقی کا راز اُن کا اپنی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانا ہے کیونکہ علم کے تصورات کو بنیادی تعلیم میں طلبہ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ جن کو وہ بخوبی سمجھ لیتے ہیں اُن کی ذہنی قوتیں بیدار ہوتی ہیں اور وہ تعلیم مکمل کرنے تک تحقیق و جستجو کے نئے سفر کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔

ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے نظامِ تعلیم کا جائزہ لیا جائے تو ایک قدر مشترک نظر آتی ہے کہ ترقی یافتہ ممالک اپنے نظریات، اقدار اور روایات کو پیشِ نظر رکھ کر اپنا نظامِ تعلیم تشکیل دیتے ہیں اور اپنی زبان میں ہی تعلیم کو اپنے افراد تک پہنچاتے ہیں۔ ترقی پذیر ممالک بعینہٖ وہی نظامِ تعلیم اور وہی زبان اپنانے کی کوشش کرتے ہیں جو کسی طرح سے اُن کے نظریات، اقدار اور زبان کے ہم آہنگ نہیں ہوسکتی۔ نتیجتاً وہ ترقی کی دوڑ میں ترقی یافتہ ممالک سے بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔

مغرب کا مشرق پر غلبہ ایک تاریخی حقیقت ہے اس غلبے کی وجہ سے مشرقی ممالک میں تعلیم، اقتصادیات اور دیگر معاملات میں تنزل رونما ہوا کیونکہ مشرقی ممالک کی اپنی اقدار اور روایات قائم نہ رہیں۔ مغربی ممالک کا اپنا تشخص، اپنی زبانیں، اپنی روایات و اقدار اور اپنے مذاہب ہیں جبکہ مشرقی ممالک میں مغرب اپنا اثر و رسوخ، اپنی روایات، اپنی زبان اور اپنی اقدار ٹھونسنے کی کوشش میں عرصے سے مصروف ہے۔ جس کے باعث مشرقی ممالک اپنا تشخص کھو بیٹھے ہیں۔

تاریک مغرب نے علم کی روشنی مشرق سے حاصل کی۔ مشرقی علوم کو اپنی زبانوں میں ترجمہ کیا اور ترقی کی طرف تیزی سے قدم بڑھانے کے ساتھ ساتھ مشرقی ممالک کو تعلیم سے محروم رکھنے اور ترقی سے روکنے کے عمل کو جارحانہ انداز میں جاری رکھا۔ جس کی وجہ سے آج ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک الگ الگ خانوں میں بٹے نظر آتے ہیں۔ ترقی یافتہ اقوام ترقی پذیر ممالک پر احسانِ عظیم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں اور ان ممالک کو اعلیٰ تعلیم اور ٹیکنالوجی کی بھیک دے کر انھیں ذہنی، جسمانی اور نفسیاتی طور پر اپنا دستِ نگر بنا رہی ہیں تا کہ اُن پر اپنا غلبہ اور تسلط برقرار رکھ سکیں۔ اور اس سلسلے میں زبان ہی اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

مضمون نگار
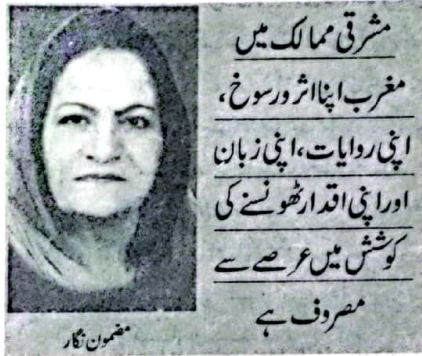
زبان کے کردار کے بارے میں علامہ ابنِ خلدون کے نظریات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

"جب ایک قوم دوسری قوم کو مغلوب کرتی ہے تو یہ غلبہ صرف سیاسی اور ظاہری نہیں ہوتا بلکہ فتح مند قوم اپنی زبان کے ذریعے اپنے خیالات، تمدنی روایات اور اخلاقی قدروں کو محکوم قوم کے دلوں اور دماغوں میں ٹھونستی ہے۔ اس طرح اخلاق، تہذیب اور مذہب میں بھی محکوم قوم کے افراد حاکم قوم کے خیالات کے سامنے سپر ڈال دیتے ہیں۔"

پہلی تعلیمی کانفرنس میں قائداعظم نے اُردو زبان کی ترویج و ترقی پر زور دیا، اُس کے بعد بھی مختلف حوالوں سے اُردو زبان کی تدریس میں اہمیت کو تسلیم کیا گیا

درحقیقت مذہب کے بعد زبان ہی ایک ایسا آلہ ہے جس کے ذریعے فاتح قوم محکوم قوم کو اپنے تہذیبی رنگ میں رنگنے کی کوشش کرتی ہے اور مغربی اقوام اس حقیقت سے آشنا ہیں۔

انگریز وزیرِ اعظم ڈسرائیلی کی مثال اس سلسلے میں پیش کی جاسکتی ہے۔ جس نے ۱۸۸۰ء میں برلن کانفرنس کے موقع پر روایتی طرز سے ہٹ کر بین الاقوامی فرانسیسی زبان کی بجائے انگریزی زبان میں تقریر شروع کی۔ جب اُسے روایتی طریقہ سے انحراف پر ٹوکا گیا تو اُس نے معنی خیز الفاظ میں جواباً کہا کہ وہ غیر ملکی زبان میں تقریر کرنے کو قومی توہین کے مترادف سمجھتا ہے۔ اگر کانفرنس کا کوئی ممبر اُس کے خیالات سے آگاہ ہونا چاہتا ہے تو وہ انگریزی زبان سیکھے یا کسی مترجم کی خدمات حاصل کرے۔

یہ خیالات اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں کہ اپنی قومی زبان میں خیالات اخذ کرنے اور اُن کا اظہار کرنے سے جو اعتماد کی قوت پیدا ہوتی ہے وہ قوموں کی ترقی کے لیے بے حد ضروری ہے۔ وہ قومی غیرت جو اقوام کے لیے ترقی کا زینہ سمجھی جاتی ہے دوسروں کی زبان بولنے سے یکسر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ وہ باریک سانحہ ہے جسے تیسری دنیا کی غیر ترقی یافتہ اقوام فراموش کیے ہوئے ہیں۔ اسی لیے وہ ترقی کے اس دور میں تعلیم، سیاست، معاشرت اور معیشت میں اقوامِ عالم سے بہت پیچھے ہیں۔

برصغیر میں انگریزی تسلط سے پہلے فارسی، سرکاری زبان تھی۔ تمام علوم فارسی اور عربی زبان میں اپنے عروج تک پہنچے ہوئے تھے۔ اُردو کو ایک نئی زبان کی حیثیت سے ترقی دینے کی کوششیں جاری تھیں جو فارسی، عربی، ترکی اور برصغیر کی علاقائی زبانوں کا مرکب تھی۔ چونکہ یہ زبان تمام اسلامی ممالک کی زبانوں کا امتزاج تھی اس لیے مسلمانوں کی ایسی مشترکہ زبان کی حیثیت رکھتی تھی جس میں مسلمانوں کے باہمی اشتراکِ عمل سے مضبوط اور پائیدار اسلامی قوت کو فروغ دیا جا سکتا تھا اور اس کے ذریعے متحدہ اسلامی ریاستوں کی ترقی کو تمام دنیا کے لیے قابلِ تقلید اور بے مثال بنایا جاسکتا تھا۔

لیکن برصغیر میں انگریزی راج قائم ہوتے ہی فارسی اور عربی زبان کو بیک جنبشِ قلم سرکاری اور تعلیمی میدان سے خارج کر دیا گیا اور اُردو زبان کو اسلامی تعلیمات اور فارسی اور عربی میں موجود تحقیقی اور تجرباتی علوم کے فروغ کے لیے استعمال کرنے کی بجائے مافوق الفطرت کہانیوں اور عشق و محبت کی داستانوں کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ برصغیر کے مسلمان عربی اور فارسی کے علماء کو انگریزی زبان نہ جاننے کے باعث ان پڑھ اور جاہل قرار دے دیا گیا اور یوں مسلمانوں کی ذہنی اور علمی ترقی کے تمام راستے مسدود کر دیے گئے۔ سرسید

اہل یورپ نے مسلمانوں کے علمی ترقی کے دور میں مسلمانوں کے علوم سے استفادہ کیا اس کے لیے انھوں نے اپنے بچوں کو عربی، ترکی اور فارسی زبانیں سیکھنے پر نہیں لگایا بلکہ اپنی زبان میں ترجمہ کر کے اسلامی علوم، اپنے سکولوں اور جامعات میں پڑھائے اور اپنے افراد کے قومی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے اُن کے اندر تحقیق اور ترقی کے جذبہ کو ابھارا۔

احمد خان نے علی گڑھ تحریک کے ذریعے مسلمانوں کو انگریزی زبان سے روشناس کروانے کی کوشش کی جس کا مقصد مسلمان نوجوانوں کو ملک کی سیاست اور معیشت میں حصہ لینے کے قابل بنانا تھا۔ یہ وقتی مصلحت کا تقاضا تھا لیکن اس کے نتیجے میں مسلمان تعلیم یافتہ طبقہ انگریزی تعلیم سے عملی اور ذہنی طور پر اس قدر مغلوب ہو گیا کہ مسلمانوں پر انگریزوں کے غلبے کو بغیر کسی طاقت کے استعمال کے ایسا دوام حاصل ہو گیا جو آزادی کے بعد ۷۶ سال گزرنے پر بھی اُسی مضبوطی سے قائم ہے۔

اِن دور رس نتائج کا اندازہ اس وقت کے علماء کو بھی ہو گیا تھا۔ شبلی نعمانی طلبۂ علی گڑھ کی ذہنی پستی پر شکوہ کناں تھے۔ سید سلمان ندوی نے اپنے رسالہ "معارف" میں انگریزی تعلیم کے مسلمانوں پر اثرات پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ فضل الدین احمد کے مطابق علی گڑھ کا تمام تعلیم یافتہ طبقہ مذہب اور اسلامی روایات سے بالکل بے گانہ نظر آتا تھا۔ وہ تمدنی اور لسانی لحاظ سے مغرب کی کورانہ تقلید کا بُری طرح شکار ہو چکا تھا۔

قیامِ پاکستان کے بعد قائداعظم ملک اور قوم کو ترقی کی جس ڈگر پر ڈالنا چاہتے تھے اس کے لیے ضروری تھا کہ عوام کے اندر خود اعتمادی، دین سے محبت اور اپنی روایات اور اقدار کی پاسداری کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ اس کے لیے نظامِ تعلیم کو انھی خطوط پر مزین کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ پہلی تعلیمی کانفرنس میں قائداعظم نے اُردو زبان کی ترویج و ترقی پر زور دیا۔ اُس کے بعد بھی مختلف حوالوں سے اُردو زبان کی تدریس میں اہمیت کو تسلیم کیا گیا۔ لیکن سرکاری ملازمتوں، اعلیٰ تعلیم کے لیے داخلوں کے لیے Test اور (انٹرویوز) انگریزی زبان میں ہونے کی وجہ سے ایک مخصوص طبقہ جو انگریزی سکولوں کی پیداوار ہے اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ پاکستان کی ستر فیصد آبادی جو دیہاتوں میں آباد ہے اور اُن کے بچے سرکاری سکولوں میں زیرِ تعلیم ہیں۔ اُن کے لیے انگریزی زبان میں مہارت حاصل کر کے اعلیٰ معیار کی ملازمتیں حاصل کرنا ایک دشوار امر ہے۔ مستقبل کی اس مایوسی کے پیشِ نظر ابتدا سے ہی تعلیم کا تناسب کم ہونے لگتا ہے اور اس حقیقت سے عوام کے ساتھ ساتھ تعلیمی پالیسی ساز بھی آگاہ ہیں کہ پاکستان میں شرح خواندگی میں کمی، تعلیمی معیار کی تنزلی اور طلبہ کی تعلیم سے بیزاری کا بنیادی سبب پاکستان میں تدریسی زبان کا مسئلہ ہے۔

ثانوی سطح پر انگریزی زبان میں فیل ہونے والے طلبہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ غیر ملکی زبان میں ناکامی طلبہ کے اندر جو بے اعتمادی پیدا کرتی ہے۔ اُس کا اثر اُن کے مستقبل پر ہی بہت بُرا پڑتا ہے کیونکہ اساتذہ اور ہر شعبے میں اعلیٰ عہدوں پر فائز لوگ انگریزی زبان کے سحر میں مبتلا ہیں۔ جس کے باعث وہ ملک کے ۷۰ فیصد عوام کو انگریزی پر عبور نہ ہونے کے باعث قابلِ نفرت اور حقیر سمجھتے ہیں۔ اس رجحان کا خاتمہ بہت

جب ایک قوم دوسری قوم کو مغلوب کرتی ہے تو یہ غلبہ صرف سیاسی اور ظاہری نہیں ہوتا بلکہ فتح مند قوم اپنی زبان کے ذریعے اپنے خیالات، تمدنی روایات اور اخلاقی قدروں کو محکوم قوم کے دلوں اور دماغوں میں ٹھونستی ہے

ضروری ہے ورنہ ترقی کے لیے کی گئی ہر کوشش بیکار ہے۔

تعلیمی ماہرین اور بااختیار افراد ملک میں دو طرح کے ذریعۂ تعلیم کے باعث ۷۰ فیصد عوام کے ملکی تعمیر و ترقی میں حصہ نہ لینے کے اثرات کے نتائج سے باخبر ہونے کے باوجود کوئی مثبت قدم نہیں اٹھا سکتے۔ ملک کے ۳۰ فیصد افراد کے انگریزی ذریعۂ تعلیم اپنانے اور ترقی یافتہ ممالک کی سائنس و ٹیکنالوجی کی ایجادات سے فائدہ اٹھا لینے سے کوئی ملک ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل نہیں ہو سکتا۔ ملکی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان میں سو فیصد افراد جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے علم اور افادیت سے براہ راست مستفید ہوں اور اُن میں سے زیادہ ذہنی اور علمی استعداد رکھنے والے جدید علوم میں تحقیق و جستجو کی نئی راہیں تلاش کریں۔

اس کے لیے ترقی یافتہ ممالک کے طریقۂ کار سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اِن ممالک میں ذریعۂ تعلیم ملکی زبان ہے۔ ہر جدید علم کو ملکی زبان میں ترجمہ کر کے تعلیم کا حصہ بنا دیا جاتا ہے۔ طلبہ کو غیر ملکی زبان کا ترجمہ کرنے کی مشقت میں نہیں ڈالا جاتا۔ عام آدمی جدید ٹیکنالوجی اور جدید علوم سے استفادہ کرتا ہے۔ اور ملکی معیشت کی مضبوطی میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ اور ماہرین تحقیقی عمل میں مصروف رہتے ہیں۔ اور نئے علوم کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں اس کے لیے صرف انگریزی زبان ہی نہیں بلکہ جس بھی ملک میں جدید علوم متعارف ہوا اُس کی زبان کو اپنی زبان میں ترجمہ کرنے کو اوّلیت دیتے ہیں۔

جیسے اہل یورپ نے مسلمانوں کے علمی ترقی کے دور میں مسلمانوں کے علوم سے استفادہ کیا اس کے لیے انھوں نے اپنے بچوں کو عربی، ترکی اور فارسی زبانیں سیکھنے پر نہیں لگایا بلکہ اپنی زبان میں ترجمہ کر کے اسلامی علوم، اپنے سکولوں اور جامعات میں پڑھائے اور اپنے افراد کے قومی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے اُن کے اندر تحقیق اور ترقی کے جذبہ کو ابھارا۔

پاکستان میں بھی قومی ترقی اور بقا کے لیے انقلابی اقدامات کی ضرورت ہے۔ ہمیں اب اسی حکمتِ عملی کو اپنانا چاہیے۔

جدید علوم سائنس اور ٹیکنالوجی کو اپنے ملک کے تمام افراد کے لیے آسان بنایا جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ حکومت، ادارے اور افراد جدید سے جدید تعلیم کو فوراً اُردو زبان میں ترجمہ کرنے کا کام ہنگامی بنیادوں پر شروع کریں۔ ملک میں ایک طرح کے نظامِ تعلیم کو رائج کیا جائے۔ نجی اور سرکاری تعلیمی اداروں میں بلا تخصیص شہری اور دیہاتی ایک ہی طرح کا نصاب پڑھایا جائے۔ فی الوقت انگریزی مضمون کے علاوہ حساب اور سائنسی مضامین انگریزی زبان میں اور اُردو مضمون کے علاوہ اسلامیات اور معاشرتی علوم وغیرہ کے مضامین اُردو زبان میں تمام ملک کے سکولوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔

اُردو اُس وقت تک قومی زبان کا درجہ اختیار نہیں کر سکتی جب تک اسے زبانِ اوّل کے طور پر استعمال نہ کیا جائے اور ملازمتوں کے حصول کے لیے اُردو کو ترجیح نہ دی جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اُردو کو قومی اور سرکاری زبان قرار دیا جائے۔ ملازمتوں کے لیے انگریزی زبان کو معیار نہ بنایا جائے بلکہ ذہنی قابلیت کے ساتھ مثبت اندازِ فکر اور تحقیق و جستجو کے رویوں کو معیار بنایا جائے۔

ان اقدامات سے قوم کے افراد میں بنیادی تشخص اور نظریات کو استحکام دیا جا سکے گا اور ایسے بااعتماد افراد تیار کیے جا سکیں گے جو علم کی ترقی اور تحقیق میں نمایاں کردار ادا کر سکیں گے اور ملک اور قوم کی ترقی اور خوشحالی کے ضامن بنیں گے۔

☆☆☆☆

محمد یونس نوشاہی، حافظ آباد

حاجی سیّد محمد نوشہ گنج بخش

پنجاب میں اُردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر

دنیائے تصوف میں سلسلۂ نوشاہیہ محتاجِ تعارف نہیں۔ اس سلسلے سے وابستہ صوفیائے کرام نے دین اسلام کی سربلندی اور ترویج و اشاعت کے لیے بیش بہا خدمات انجام دی ہیں نہ صرف روحانی اور وجدانی لحاظ سے بلکہ علمی، ادبی اور تحقیقی میدان میں زریں نقوش مرتسم کیے ہیں۔ مجدد سلسلہ نوشاہیہ حضرت سید شرافت نوشاہی کی معرکتہ الآرا کتابیں بالخصوص شریف التواریخ کی آٹھ ہزار صفحات کو محیط تین جلدیں اور گیارہ صد صفحات پر مشتمل تذکرہ شعرائے نوشاہیہ اس پر شاہد عادل ہیں۔ روحانی اور وجدانی اعتبار سے سلسلہ نوشاہیہ نے انسان سازی کا جو حسین کردار ادا کیا ہے وہ انتہائی بے مثال ہے یہی وجہ ہے کہ آج نہ صرف پاکستان میں بلکہ دنیا کے کونے کونے میں اس سلسلے کے لوگ دین اسلام اور انسانیت کی خدمت میں شب و روز مصروف عمل ہیں۔

حاجی محمد القابات نوشہ، گنج بخش، بھورے والا خطابات، وارث الانبیا، غالب الاولیا، مجدد اکبر، آپ خاندان ذیشان علوی عباسی کے چشم و چراغ ہیں آپ یکم رمضان المبارک ۹۵۹ھ بمطابق ۱۵۵۲ء بمقام گھگانوالی شریف حال تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہاء الدین میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا اسم گرامی حضرت سید ابو اسماعیل علاء الدین حسین غازی اور والدہ ماجدہ کا نام حضرت بی بی جیونی تھا، جو حضرت عبداللہ مفتی ہیلالی، ضلع منڈی بہاء الدین کی صاحبزادی تھیں اور عارفہ کاملہ تھیں۔ آپ کے والد محترم تو اکثر حج کے سفر میں رہتے تھے انھوں نے پیدل چل کر سات حج کیے اس لیے آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت تو اپنی والدہ محترمہ کی آغوش شفقت میں ہوئی اس کے بعد چچا محترم شاہ رحیم الدین علوی نے آپ کی تربیت فرمائی پھر موضع جاگو تارڑ میں حضرت حافظ قائم الدین اور حافظ بڈھا صاحب سے دینی علوم و فنون حاصل کیے اور تمام علوم معقول و منقول سے بہرہ مند ہوئے۔ تکمیل علوم کے ساتھ ساتھ اگرچہ آپ عبادت و ریاضت میں ہر وقت مشغول رہتے تھے لیکن علم معرفت جو اسرار و حقائق صدریہ سے ہے اور جس کا حصول شیخ کامل کے وسیلے کے بغیر ممکن نہیں اس کے لیے بے تاب رہنے لگے۔ چنانچہ ایک روز ملا کریم الدین جو کالوی سے حضرت سخی شاہ سلیمان نوری کے روحانی تصرفات اور باطنی کمالات اور فیوض و برکات کا تذکرہ سن کر دل میں شوق موجزن ہوا کہ شاہ سلیمان نوری کی زیارت سے مشرف ہوا جائے۔

بدانید حاجی سلیماں شدہ
سلیماں ز حاجی یکی جاں شدہ

حضرت نوشہ گنج بخش سے جو سلسلۂ تصوف جاری ہوا وہ آپ کی نسبت سے نوشاہی کہلاتا ہے۔ آپ کے دست

> حضرت نوشہ گنج بخش کا دیوان "گنج الاسرار" زبان کے لحاظ سے تین حصوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے، پہلا حصہ قدیم ہندی زبان پر مشتمل ہے، جس کو محققین اُردو کی قدیم ترین صورت بتاتے ہیں، دوسرا حصہ زبانِ اردو پر مشتمل ہے جبکہ تیسرا حصہ خالص پنجابی زبان پر مشتمل ہے

حق پرست پر لاکھوں کی تعداد میں لوگ بیعت ہوئے، جو آپ کی روحانی و باطنی تعلیمات سے بہرہ ور ہو کر بارگاہ رب العزت میں مقبول و منظور ہوئے لیکن ان میں جو لوگ درجۂ کمال کو پہنچے ان میں سے خواص یاروں کو سلسلہ نوشاہیہ میں مندرجہ ذیل تین اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ بائیس (۲۲) صوبے (خلفائے اکبر)، باون (۵۲) بانوا (خلفائے اصغر)، بہتر (۷۲) امراء (صاحب مجاز) تصوف و عرفان اور اصول و قواعد درویش و فقر سے متعلق نظم و نثر میں آپ نے متعدد کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ جن میں سے چند ایک زیورِ طبع سے آراستہ ہو سکیں۔ ان کی درج ذیل کتابیں فارسی، اُردو اور پنجابی زبان میں ہیں۔ تفسیر سورۃ نازعات (فارسی مخطوطہ)، گنج شریف (اُردو)، گنج شریف (پنجابی)، گنج الاسرار (منظوم وظائف قادری نوشاہی)، چہار بہار (فارسی) مرتبہ محمد ہاشم تھرپالوی، ذخائر الجواہر فی بصائر الزواہر (اُردو) لطائف الاشارات (اُردو) جواہر المکنون (اُردو)، کلمات طیبات (فارسی)، مکتوبات نوشہ (فارسی) مقالات نوشہ اور مواعظ نوشہ پیر۔ آپ کے دو صاحبزادے سید محمد برخوردار بحر العشق، حضرت سید محمد ہاشم دریا ولی اور ایک دختر حضرت سیدہ سائرہ خاتون تھیں۔ حضرت نوشہ گنج بخش نے ۱۰۵ قمری سال عمر پائی بروز سوموار آٹھ (۸) ربیع الاوّل ۱۰۶۴ھ بمطابق ۲۶ جنوری ۱۶۵۴ء وصال فرمایا۔ آپ کا مزار پرانوار رنمل شریف منڈی بہاء الدین میں مرجع خلائق ہے۔ حضرت قبلہ نوشہ صاحب کے بارے میں اُردو ادب کے تذکرہ نگاروں اور تاریخ نویسوں نے بڑی تنگ دلی سے کام لیا ہے۔ بعض نے سرسری ذکر کیا اور بعض نے تو نظر انداز کر دیا حالانکہ شعر و ادب میں حضور نوشہ کا مقام بہت بلند ہے۔ افسوس کہ اہل قلم نے اس جانب توجہ نہیں کی۔ یہ حقیقت ہے کہ اُردو زبان کی ابتدا سب سے پہلے پنجاب میں ہوئی اور اس کے موسس اوّل شیخ الاسلام حضرت سید حافظ شاہ حاجی محمد نوشہ گنج بخش مجدد اکبری قادری قدس سرہ ہیں۔ موصوف قادر الکلام شاعر تھے آپ کی شاعری کا بنیادی موضوع صوفیانہ تھا۔ آپ نے فارسی، اُردو اور پنجابی میں شاعری کی اور اپنی شاعری کے ذریعے لوگوں کی اصلاح کا فریضہ انجام دیا۔ ان کی تصانیف ایک عرصہ تک پردۂ اخفا میں رہیں مگر ان میں سے زمزالعباد ۱۹۶۴ء میں پنجابی نثری وعظ نوشہ کے نام سے ۱۹۶۸ء اور ۱۹۷۳ء میں اُردو شاعری انتخاب گنج شریف، ۱۹۷۵ء میں ملفوظات چہار بہار فارسی اور ۱۹۷۹ء میں پنجابی شاعری گنج شریف منظر عام پر آ چکی ہیں۔ ممدوح گرامی اسلام شاہ سوری کے زمانے میں پیدا ہوئے اور شاہ جہان بادشاہ کے عہد میں انتقال فرما گئے۔ تمام زندگی تبلیغ اسلام اور ارتقائے روحانیت اور افشائے فیضان میں صرف ہوئی۔ باطنی علوم تو درکنار آپ علم ظاہری میں بھی باکمال تھے۔ اُردو پنجابی ادب کی خدمت عہد مغلیہ میں جس قدر آپ سے ظہور میں آئی کم ہی کسی سے واقع ہوئی ہوگی۔ اسلام اور دین حنیف کی ترویج آپ کا نصب العین تھا۔ آپ نے لاکھوں کفار کو مسلمان کیا اور لاتعداد مشتاقین کو مرتبہ ولایت سے سرفراز فرمایا۔ اس کے ساتھ لاشعوری طور پر آپ سے ادب کی جو خدمت ہوئی وہ آپ کا ناقابل فراموش زریں کارنامہ ہے۔

پنجاب میں اُردو زبان میں نظم سب سے پہلے آپ ہی نے لکھی ہے۔ ولی دکنی جن کو اُردو کا باوا آدم کہا جاتا ہے، تاریخی لحاظ سے حضرت نوشہ عالیجاہ سے پندرہ سال بعد ۱۰۷۹ھ میں پیدا ہوتے ہیں اور بعمر اٹھہتر (۷۸) سال وفات پاتے ہیں، اس لیے اُردو شاعری میں بلا مبالغہ اوّلیت کا مقام حضرت نوشہ کو حاصل ہے۔ حضرت نوشہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ چند اشعار اُردو میں کہہ دیے ہوں جو اُردو کی بنیاد رکھنے

ڈاکٹر سید عبداللہ نے تو زبان کی پختگی کے لحاظ سے گنج شریف کو محمد قلی قطب شاہ کے دیوان سے بھی اقدم خیال کیا ہے اس طرح حضرت نوشہ عالی جاہ پنجاب میں اُردو کے سب سے پہلے صاحب دیوان شاعر قرار پاتے ہیں

کے لیے کافی سمجھے جائیں بلکہ انھوں نے ہزاروں کی تعداد میں اشعار کہے اور ہر موضوع پر کچھ نہ کچھ لکھا دینی، مذہبی، اقتصادی، تمدنی، تبلیغی اور صوفیانہ غرضیکہ ہر مسئلے پر سیر حاصل گفتگو کی اور کئی ایک اشعار کہے۔(۱) ان سے پہلے اُردو میں کسی شاعر کا نہ تو اس قدر زیادہ کلام ہے اور نہ ہی اتنی زیادہ گیرائی اور گہرائی کہیں نظر آتی ہے، اس اعتبار سے نوشہ صاحب کو بلاشبہ پہلا صاحبِ دیوان شاعر قرار دیا جاسکتا ہے۔ سلسلہ نوشاہیہ کے عظیم محقق و مصنف حضرت علامہ پیر سید شریف احمد شرافت نوشاہی علیہ الرحمۃ نے اپنی محنت شاقہ سے حضرت نوشہ عالی جاہ کے پنجابی اور ہندی آمیز اُردو کلام کو قلمی مخطوطوں اور بیاضوں سے تلاش کیا اور انھیں مرتب و مدون کر کے ''گنج شریف'' اور ''گنج الاسرار'' کے نام سے شائع کروایا، تاریخی اعتبار سے مثنوی گنج الاسرار کو پنجاب کی قدیم ترین اُردو تصنیف اور گنج الاسرار کو پہلا دیوان ہونے کا اعزاز حاصل ہے بلکہ ڈاکٹر سید عبداللہ نے تو زبان کی پختگی کے لحاظ سے گنج شریف کو محمد قلی قطب شاہ کے دیوان سے بھی اقدم خیال کیا ہے اس طرح حضرت نوشہ عالی جاہ پنجاب میں اُردو کے سب سے پہلے صاحب دیوان شاعر قرار پاتے ہیں اس کی تائید میں محققین کی آراء ملاحظہ فرمائیں:

خواجہ عبدالرشید لکھتے ہیں حاجی محمد جو گنج بخش کے نام سے مشہور ہیں ان کا تخلص نوشہ تھا، وہ شاعر تھے فارسی میں شعر لکھتے تھے۔ (۲)، عبدالغفور قریشی لکھتے ہیں: ''آپ نے ایک مختصر رسالہ منظوم گنج الاسرار لکھیا جس وچ اشغال اذکار ہندی زبان وچ درج فرمائے یاد رہے کہ آپ دے ویلے پنجابی نوں ہندی آکھیا جاندا سی۔ (۳) پھر لکھتے ہیں حضرت نوشہ گنج بخش دی تصنیف کلیات نوشہ وچ ایک سو چھبیس رسالے شامل نیں۔ ایس دے شعراں دی گنتی چار ہزار اے تے ۴۰۹ صفحے نیں۔ نمونہ کلام:

نوشہ دین نہ چھڈیئے چھڈیئے دیہہ پران (۴)

پروفیسر احمد حسین قریشی رقم طراز ہیں:

''دیوان اُردو، دیوان پنجابی ایک اُردو مثنوی ''گنج الاسرار'' مواعظ نوشہ پیر پنجابی نثر ان کی تصنیفات ہیں۔''(۵)

پروفیسر محمد اقبال مجددی لکھتے ہیں کہ:

''کلیات نوشہ (اُردو نظم) میں ۴۷۶ صفحات ہیں اس میں آپ کے چھہتر رسائل بترتیب حروف تہجی جمع کیے ہیں۔ اشعار کی کل تعداد دو ہزار چار ہے۔ کلیات نوشہ (پنجابی نظم) اس کلیات میں ایک سو چھبیس رسالے بترتیب حروف تہجی جمع کیے ہیں۔ جس میں اشعار کی کل تعداد چار ہزار ہے۔ گنج الاسرار میں۔''(۶)

ڈاکٹر جمیل جالبی تحریر کرتے ہیں:

''حاجی محمد نوشہ گنج بخش گیارہویں صدی ہجری کے صوفی بزرگ ہیں وہ سلسلہ نوشاہیہ کے بانی ہیں۔ انھوں نے شاہ جہاں کے زمانے میں وفات پائی۔ آپ کا اُردو میں گنج الاسرار کے نام سے ایک رسالہ ہے جس میں

پنجاب میں اُردو زبان میں نظم سب سے پہلے آپ ہی نے لکھی ہے، ولی دکنی جن کو اُردو کا باوا آدم کہا جاتا ہے، تاریخی لحاظ سے حضرت نوشہ عالیجاہ سے پندرہ سال بعد میں پیدا ہوتے ہیں اور بعمر اٹھہتر (۷۸) سال وفات پاتے ہیں، اس لیے اُردو شاعری میں بلا مبالغہ اوّلیت کا مقام حضرت نوشہ کو حاصل ہے

تصوف کی تعلیمات بیان کی ہیں۔ یہ رسالہ ۱۱۶۴ اشعار پر مشتمل ہے۔ شروع کے اشعار یہ ہیں:

جس ذات کا اللہ ناؤں
اس کا تجھے بتاؤں تھاؤں
کم ایک سے تین ہزار
اتنے نام دھرے کرتار
اتنے ہووں جس کے ناؤں
کیونکر چھپتا اس کا تھاؤں
حق ہے باقی عالم فانی
فانی کی ناں رہی نشانی''(۷)

اُردو زبان کے ایک نامور محقق اور استاد شعبہ اُردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ڈاکٹر محمد انصار اللہ رقم طراز ہیں:

''ہندوی یا قدیم اُردو شاعری میں شعر گوئی کی یہ روایت ملک گیر تھی سلسلہ نوشاہیہ کے بانی سید حاجی محمد نوشہ گنج بخش قادری کے اُردو کلام کا مجموعہ انتخاب گنج شریف کے نام سے ۱۳۹۵ھ، ۱۹۷۵ء میں چھپ کر شائع ہوا ہے۔ حضرت نوشہ پاکستانی پنجاب کے ضلع گجرات میں ۹۵۹ھ / ۱۵۵۲ء میں پیدا ہوئے اور سو برس سے زائد عمر پاکر ۱۰۶۴ھ / ۱۶۵۶ء میں راہی ملک بقا ہوئے۔ وہ فارسی، پنجابی اور اُردو میں شعر کہتے تھے۔ مرتب نے گنج شریف کو دیوان کہا ہے۔ یہ بھی ذکر کیا کہ اس میں غزل بھی ہے۔ راقم کو اس مجموعے میں لفظ غزل صنف سخن کے معنی میں کہیں نظر نہیں آیا۔ ابتداً اس میں ایک منظوم مکالمہ سوال کبیر اور جواب نوشہ صاحب شامل ہے۔ جو اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت نوشہ کبیر سے نہایت متاثر تھے۔ انھوں نے بھی کبیر کی طرح دوہے وغیرہ لکھے ہیں۔ ان کے مجموعے میں مختلف عنوانات سے شعروں کے ایسے کئی مجموعے ملتے ہیں جن پر غزل کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ مثلاً ایک مناجات یہ ہے:

تو صاحب بے انت بے حاجت بے نیاز داتا کرتار
ہم بندے کیا کریں بڑائی ظاہر باطن تیرا بسار

اس مناجات میں تمام شعروں کے دو تین مصرعے ہم قافیہ ہیں یعنی تمام شعر مطلع کی صورت میں ہیں، آخری شعر مطلع کی صورت میں اور اس میں شاعر نے اپنا تخلص نظم کیا۔ اس میں ایک شعر بھی ایسا نہیں ہے جس کے پہلے مصرع میں قافیہ نہ ہو۔ حضرت نوشہ کے کلام کا ایک نمونہ:

گرب، موہ، لوبھ، تیاگ، سیل گرنتھ کو لاگ
بے فرمان حکم زور ظالمی کا مول ہے

مرتب نے اس کلام کو کبت کہا ہے اس میں غزل کی تمام خصوصیات موجود ہیں ردیف بھی ہے، قافیہ بھی اور مطلع بھی ہے البتہ مقطع کوئی نہیں۔ حضرت نوشہ نے اپنی شاعری کے لیے فارسی کے اوزان بحور اختیار نہیں کیے ہیں۔ ان کا سارا کلام ہندوستانی اوزان میں ہے۔ ان کے مجموعے میں موجود کلام پر فارسی شاعری کی مختلف اصناف کے ناموں کا اطلاق ہو سکتا ہے لیکن یہ بات توجہ طلب ہے کہ ہر نظم کے لیے ہندوستانی شاعری کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ حضرت نوشہ کے تمام کلام میں غزل کی ابتدائی صورت ضرور نظر آتی ہے۔ (۸)

ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں: گیارھویں صدی ہجری میں مثنوی، غزل اور مخمس بھی نظر آنے لگے ہیں۔ ہم واضح طور پر محسوس کرنے لگے ہیں کہ فارسی تہذیب ہندوستانی تہذیب پر غالب آگئی ہے۔ اب ہندوی اصناف سخن اور بحور ٹکسالی سے باہر ہو رہے ہیں اور فارسی اصناف و بحور ان کی جگہ لے رہے ہیں۔

اکبری دورِ حکومت میں موجود زبانوں پر اُردو کے آثار واضح طور پر نمایاں تھے جو اس دور میں واضح الفاظ میں بولی جاتی تھی، اس انداز سے اس زبان کی قدامت کو ایک صدی دور قدیم کا تصور کیا جا سکتا ہے، جس سے اُردو کی ابتدائی جائے پیدائش پنجاب کو کہتے ہیں

حاجی محمد نوشہ گنج بخش کی مثنوی ''گنج الاسرار'' شاہ مراد خانپوری، رحمان بابا کا کلام اور عبدالحکیم عطا ٹھٹھوی کی غزلیں اسی تہذیبی اثر کی واضح مثالیں ہیں۔(۹) پروفیسر احمد حسین زمیندار کالج گجرات، گنج شریف کے بارے میں تحریر کرتے ہیں: اس مجموعے کے مطالعے سے تین چار نہایت اہم نکات واضح ہوتے ہیں۔ جن کی جانب قارئین کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں حضرت نوشہ گنج بخش کا یہ دیوان زبان کے لحاظ سے تین حصوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک حصہ قدیم ہندی زبان پر مشتمل ہے، جس کو محققین اُردو کی قدیم ترین صورت بتاتے ہیں۔ یہ حصہ فارسی و عربی اثرات سے بالکل مبرا ہے۔ سنسکرت پرانی پراکتوں کے الفاظ بے تکلفی سے نمایاں ہیں جس سے قدیم خطہ پاک و ہند کی زبان کا پرتو نمایاں ہوتا ہے۔ دوسرا حصہ زبان اُردو پر مشتمل ہے۔ جس میں فارسی عربی زبان کی آمیزش ہے اور موجودہ زبان اُردو کے بہت قریب ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ اکبری دور حکومت میں موجود زبانوں پر اُردو کے آثار واضح طور پر نمایاں تھے۔ جو اس دور میں واضح الفاظ میں بولی جاتی تھی۔ اس انداز سے اس زبان کی قدامت کو ایک صدی دور قدیم کا تصور کیا جا سکتا ہے، جس سے اُردو کی ابتدائی جائے پیدائش پنجاب کو کہنے میں آسانیاں واضح ہوتی ہیں۔ تیسرا حصہ خالص پنجابی پر مشتمل ہے اور یہ پنجابی زبان میں موجودہ پنجابی کے اس قدر قریب ہے کہ گمان ہوتا ہے کہ ۹۵۹ھ سے کہیں پہلے پنجاب میں پنجابی زبان کی ابتدا ہو چکی تھی اس سلسلے میں پنجابی زبان کی قدامت کے لیے ایک نیا باب کھلے گا جو ہماری موجودہ اُردو شاعری کا جو فارسی زبان و شعر و سخن کے زیرِ سایہ پھلی پھولی۔ مضمون کے لحاظ سے حضرت نوشہ کے ہاں عشق مجاز کی بجائے عشق حقیقی مرکز ہے ان کی شاعری مذہبی، صوفیانہ اور اخلاقی شاعری ہے۔ موضوع اگرچہ معروف ہیں مگر قدیم اُردو میں ان کی ادائیگی ایک خاصے کی چیز ہے ان چیزوں کے مدِ نظر حاجی محمد نوشہ گنج بخش کا دیوان اُردو زبان میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔(۱۰)

آخر میں نوشہ عالی جاہ کا کلام نذرِ قارئین ہے:

فارسی کلام

منادی ست در کوچہ میفروش
کہ امروز در ہر کہ پابند ہوش
گریبانش گرند و دامن کنند
کشاکش بدیواں مستاں برند(۱۱)

اُردو کلام

ایدھر خوف اودھر رجا
بیچ بیچ تسلیم رضا
اِدھر اور بسیں اودھر اور
بیچ بیچ ہمارا ٹھور(۱۲)

پنجابی کلام

نوشہ جھوٹ نہ بولیے کریئے سچ کلام
برکت ناہیں جھوٹیاں ہووں بے آرام
جی جی کس نوں آکھیے کوئی نہ جیوے نت
قائم دائم رب نوں نوشہ کرے چت(۱۳)

مآخذ

۱۔ ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، جولائی ۱۹۷۲ء
۲۔ عبدالرشید خواجہ، تذکرہ شعرائے پنجاب، ص ۳۷۸
۳۔ عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب دی کہانی ص، ۲۲۳
۴۔ پنجابی ادب دی کہانی، ص ۲۲۳، ۲۲۴
۵۔ پروفیسر احمد حسین قریشی، پنجابی ادب دی مختصر تاریخ، ص ۸
۶۔ سید ابوالکمال برق نوشاہی، نوشہ گنج بخش، ص ۶۵ تا ۶۷
۷۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، مضمون پنجاب اور اُردو، ماہنامہ اخبار اُردو اسلام آباد، مارچ اپریل ۲۰۰۴ء
۸۔ سید شریف احمد شرافت نوشاہی، تذکرہ شعرائے نوشاہیہ، ص ۲۰ تا ۲۲
۹۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، پاکستان کی قدیم اُردو شاعری، لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۱۲، ۱۳
۱۰۔ انتخاب گنج شریف، بختاں چند
۱۱۔ کشکول نوشاہی، قلمی نسخہ بحوالہ بیاض ص ۳۰
۱۲۔ رسالہ خوف و رجا مندرجہ گنج شریف (اُردو)، ص ۱۴۵
۱۳۔ ہتھیار تو پردان، مندرجہ گنج شریف (پنجابی)
۱۴۔ انتخاب گنج شریف، تصنیف حضرت سید حاجی محمد نوشہ گنج بخش قادری قدس سرہٗ دار المورخین، لاہور، ص ۷۵، ۱۵۱، ۱۵۲
۱۵۔ ایضاً

☆☆☆☆

رباب عائشہ، اسلام آباد

اُردو صحافت کے پچھتر سال

اُردو بول چال اور تحریر میں اغلاط

۱۹۶۶ء میں جب میں نے صحافت میں قدم رکھا اس وقت ہمیں خاص ہدایت اور تربیت دی گئی کہ زبان کی شائستگی اور اس کی صحت کا خاص خیال رکھیں۔ کسی مضمون یا مراسلے اور خبر میں کوئی رکیک، غیر شائستہ جملہ نظر نہ آئے۔ جملوں میں واحد جمع، تذکیر و تانیث پر پوری توجہ دی جائے۔ اخبارات اور ریڈیو کے پروگراموں میں جو زبان لکھی اور بولی جاتی تھی اس پر بہت محنت کی جاتی۔ تصور یہ تھا کہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے ہی تو عوام کو تعلیم اور تربیت دی جاتی ہے اگر ان اداروں میں ہی غلط اُردو لکھی یا بولی جائے گی تو نوجوان نسل کیا سیکھے گی؟ یہ وہ وقت تھا جب استاد طالب علموں سے کہتے تھے اگر اپنی اُردو درست کرنی ہے تو جنگ اور نوائے وقت باقاعدگی سے پڑھا کرو۔ ریڈیو پاکستان نے زیڈ اے بخاری کی نگرانی میں اپنی نشریات شروع کی تھیں بخاری صاحب لہجے اور تلفظ پر خاص توجہ دیتے تھے۔ کوئی بھی فنکار جب کوئی پروگرام کرنے لگتا تو کئی کئی بار مشق کروائی جاتی، خاص طور سے نئے آنے والوں کو تو پہلے کئی کئی دن تربیت دی جاتی پھر وہ مائیک کے سامنے بیٹھ کر بولنے کے قابل سمجھے جاتے۔ جب ٹیلی ویژن شروع ہوا تو اسلم اظہر نے بھی اس روایت کو جاری رکھا کہ ٹیلی ویژن کے ڈراموں، خبروں اور دیگر پروگراموں میں درست شین قاف کے ساتھ اُردو بولی جائے۔ واحد جمع، مؤنث مذکر کا خیال رکھا جائے، تلفظ اور لہجے پر پوری توجہ دی جائے۔

اب اُردو جیسی میٹھی، وسیع اور خوبصورت زبان کے ساتھ جو ہو رہا ہے۔ اسے دیکھ کر دلی تکلیف ہوتی ہے۔ زبان پر توجہ دیے بغیر غلط بولنا اور غلط لکھنا ہماری عادت بن چکی ہے۔ اُردو لکھتے وقت ایسی غلطیاں ہو رہی ہیں کہ دل بہت دکھتا ہے۔ مگر اس بارے میں کوئی سوچتا ہی نہیں۔ بعض اوقات پڑھے لکھے افراد بھی ایسی غلطی کرتے ہیں کہ لفظ کے معنی ہی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ جیسے لکھتے وقت لوگ نظر اور نذر میں فرق نہیں کرتے۔ میں نے کئی کتابوں کے پہلے صفحے پر مصنف یا شاعر کے قلم سے لکھا دیکھا فلاں دوست کی نظر، جبکہ نظر کا مطلب بینائی ہے۔ یہاں ''نذر'' ذال سے لکھا جانا چاہیے۔ ہم آواز الفاظ کو لکھتے ہوئے بھی بہت غلطیاں کی جا رہی ہیں۔ مثلاً

میں نے اصرار کیا پیسے لے لو مگر میرا دوست نہیں مانا، یہاں اکثر اصرار کو ص کی جگہ س سے لکھا جا رہا ہے یعنی ''اسرار'' یوں پورے جملے کا مفہوم ہی تبدیل ہو جاتا ہے۔ اکثر صدا اور سدا میں فرق نہیں کیا جاتا ص سے صدا آواز کے معنی میں آتا ہے جبکہ س سے سدا ہمیشہ کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے سدا خوش رہو۔

سورت اور صورت کا فرق ملحوظ نہیں رکھا جاتا س سے سورت، قرآن پاک کی سورت کے لیے استعمال ہوگا۔ ص سے صورت، شکل کے معنی میں آتا ہے۔ مثلاً اس کی صورت پیاری ہے۔

> ذرائع ابلاغ کے ذریعے ہی تو عوام کو تعلیم اور تربیت دی جاتی ہے اگر ان اداروں میں ہی غلط اُردو لکھی یا بولی جائے گی تو نوجوان نسل کیا سیکھے گی؟ پہلے وقتوں میں استاد طالب علموں سے کہتے تھے اگر اپنی اُردو درست کرنی ہے تو جنگ اور نوائے وقت باقاعدگی سے پڑھا کرو.

سہی، صحیح

اس کا لکھا ہوا ایک بھی جملہ صحیح نہیں۔ یہاں اکثر صحیح کو ''سہی'' لکھ دیا جاتا ہے۔

وہ الفاظ جو الف کی آواز دیتے ہیں ان میں کسی میں ہ کی آواز آتی ہے اور کسی میں الف کی۔ انھیں لکھتے ہوئے غلطی کی جائے تو ان کا مفہوم ہی بدل جاتا ہے جیسے دانہ، دانا جیسے چڑیوں کو دانہ ڈال دو۔ یہاں دانہ ہ سے لکھا جائے گا۔

توقیر دانا شخص ہے (یہاں دانا، الف سے لکھا جائے گا)

اُردو کے مرکب الفاظ کو جوڑ کر لکھنے کا دستور بھی عام ہو گیا ہے۔ اس سے ان الفاظ کو پڑھنا دشوار ہوتا ہے اور ان کی شکل بگڑ جاتی ہے۔ جیسے کیوں کہ، چوں کہ، جب کہ، حالاں کہ، کے لیے، اس کو، آپ کو، ان کو، ان کی، گم نام، گم شدہ، کام یاب، صحت یاب، خوش گوار، خوش شکل، خوف ناک، دہشت ناک، الم ناک، عقل مند، دانش مند، صحت مند، شان دار، جان دار، ان مول، ان مٹ، بے وقوف، بے جان، بے شرم، بے کار، بے ہودہ۔

اکثر لوگ دکان اور دکاندار لکھتے وقت دوکان لکھتے ہیں۔ جب کہ اس میں و کا استعمال نہیں ہوتا ''د'' کے اوپر پیش ہی دو کی آواز دیتی ہے۔ اس لیے صرف دکان لکھنا چاہیے سوچ بچار اور چیخ پکار میں ''و'' کا اضافہ بھی دیکھنے میں آ رہا ہے۔

سوچ و بچار اور چیخ و پکار، غلط ہے۔ سوچ بچار اور چیخ پکار لکھنا چاہیے۔

اُردو میں فارسی کے علاوہ عربی کے بھی بہت سے الفاظ اور تراکیب ہیں ان کے املا کا خاص خیال رکھنا چاہیے کچھ الفاظ میں الف ساکن ہوتا ہے، جیسے بالکل، بالخصوص جبکہ کسی لفظ پر کھڑی زبر ہوتی ہے جیسے رحمٰن بعض جگہ ل ساکن ہوتا ہے جیسے السلام علیکم ایک لفظ ہے مسالا اسے ہر جگہ مصالحہ لکھا جا رہا ہے۔ مسالا پیسنے سے ہے۔ مسالا پیس کر باریک کر دینا ہے۔ مگر بازار سے ملنے والے مسالوں کے ڈبے پر مصالحہ ہی لکھا ملتا ہے۔

واحد جمع اور تذکیر و تانیث کا تو بالکل خیال نہیں رکھا جا رہا لکھنے کے علاوہ بولنے میں بھی واحد کو جمع اور جمع کو واحد بنا دیا جاتا ہے۔ ٹیلی ویژن پر اناؤنسر اور اینکر پرسن تو اتر سے غلط اُردو بولتے ہیں حتیٰ کہ خبروں میں بھی یہ ہی انداز نظر آتا ہے۔

کانوں کو بہت برا لگتا ہے جب کو کہتا ہے۔

عوام تالیاں بجا رہی تھی۔ عوام جمع ہے اس لیے اسے عوام تالیاں بجا رہے تھے لکھا اور بولا جانا چاہیے۔

دوا کو بگاڑ کر دوائی بنا دیا گیا۔ جس سے سنو یہ ہی کہتا ہے میں دوائی لینے جا رہا ہوں۔ کئی بار بتانے کی کوشش کی یہ دوائی نہیں دوا ہے مگر کوئی سمجھنا ہی نہیں چاہتا۔

بول چال میں عام کہا جاتا ہے۔ ٹی وی لگا دو۔ پنکھا لگا دو۔

ٹی وی اور پنکھا تو پہلے ہی لگے ہوتے ہیں اگر یہ کہہ دیا جائے ٹی وی چلا دو پنکھا چلا دو تو کتنا بھلا لگے۔

ایک عام جملہ ہے پلیٹ میں سالن ڈال دو، یا ڈونگے میں دال ڈال دوں۔ کیا مضائقہ ہے اگر پلیٹ میں سالن نکال دو، کہا جائے، ڈال تو یوں لگتا ہے جیسے بلی کو کھانا ڈال دو یا چڑیا کو دانہ ڈال دو۔

مستقبل کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے۔ کر دینا ہے، بہت بولا جا رہا ہے۔

جیسے میں نے دو دن میں مضمون لکھ دینا ہے۔

اسے کہنا چاہیے میں دو دن میں مضمون لکھ دوں گا۔

وزیراعظم نے صدر کے ساتھ ملاقات کی۔

جب میں نے صحافت میں قدم رکھا اس وقت ہمیں خاص ہدایت اور تربیت دی گئی کہ زبان کی شائستگی اور اس کی صحت کا خاص خیال رکھیں، کسی مضمون یا مراسلے اور خبر میں کوئی رکیک، غیر شائستہ جملہ نظر نہ آئے

وزیر اعظم نے صدر سے ملاقات کی۔
(یہاں ساتھ کی ضرورت نہیں ہے۔ ساتھ زائد ہے)
اکثر کہا جاتا ہے۔ مجھے پتا ہے۔ یہ غلط ہے۔
مجھے معلوم ہے، یا میرے علم میں ہے۔
ان کی بڑی مشہوری ہوئی۔ شہرت ہوئی۔
میں نے جانا ہے۔ مجھے جانا ہے
اکثر بولا جا رہا ہے۔
بہت دیر سے ملاقات نہیں ہوئی۔
بہت دن سے ملاقات نہیں ہوئی۔
ٹی وی پروگراموں میں اکثر اپنا کی جگہ میرا بولا جاتا ہے۔ جیسے میں میرے گھر میں میرے ابو کے پاس بیٹھا تھا۔
یہاں میں اپنے گھر میں اپنے ابو ہونا چاہیے۔
ایسے انگریزی الفاظ جو ایس سے شروع ہوتے ہیں لیکن شروع میں ایس کی آواز آتی ہے انھیں الف سے ہی لکھا جانا چاہیے۔
جیسے اسکول، اسٹیشن، اسٹاف
جمع الفاظ کو مزید جمع بنانے کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ جیسے میں کن الفاظوں میں شکریہ ادا کروں۔
میں کن الفاظ میں شکریہ ادا کروں ہی کافی ہے۔
آپ جاؤ گے۔ آپ کھانا کھاؤ گے۔ آپ جمع ہے۔
آپ جائیں گے۔ آپ کھانا کھائیں گے۔ (ہونا چاہیے)
پھولوں کا گلدستہ
گلدستہ ہی کافی ہے
اس کا ناک موٹا ہے
اس کی ناک موٹی ہے۔
میں بہت اچھا انگریزی بولتا ہوں
میں بہت اچھی انگریزی بولتا ہوں
یہ تازی سبزی ہے
تازہ سبزی ہے
ایک جملہ عام بولا جا رہا ہے
ان کی بڑی مشہوری ہوئی۔ یہ غلط ہے
ان کی بڑی شہرت ہوئی۔ بولنا چاہیے
ایک اور جملہ ہے۔
میری شمیم سے بہت دیر سے ملاقات نہیں ہوئی۔
(غلط ہے)
اس کو ایسے بولنا چاہیے۔
میری شمیم سے بہت عرصہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔
یا

بہت دن سے ملاقات نہیں ہوئی۔
جمع بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ جو الفاظ کسی دوسری زبان سے لیے جاتے ہیں ان کی جمع اس زبان کے قاعدے کے مطابق نہیں بنائی جاتی ہے بلکہ جس زبان میں انھیں شامل کیا جاتا ہے اس زبان کا قاعدہ استعمال ہوتا ہے یعنی انگریزی کے جو الفاظ اُردو میں شامل ہوں گے ان کی جمع اُردو کے قاعدے کے مطابق بنانی چاہیے۔
گلاب کا پھول کی جگہ صرف گلاب کہنا چاہیے۔
یہ بات مجھے سمجھ نہیں آئی۔ (غلط)
یہ بات مجھے سمجھ میں نہیں آئی یا میری سمجھ میں نہیں آئی۔ (درست)
مذکر مؤنث کا خیال رکھنا چاہیے۔
دہی کھٹی ہے۔ نہیں ہوتا۔ دہی کھٹا ہے۔ (درست) مذکر ہے
میری قلم خوبصورت ہے (غلط)
میرا قلم خوبصورت ہے۔ (درست) مذکر ہے
عوام مذکر اور جمع ہے۔ اسے مؤنث اور واحد بولا جا رہا ہے۔
عوام تالیاں بجا رہی تھی۔ (غلط)
عوام تالیاں بجا رہے تھے۔ (درست)
جلسے میں ہزاروں عوام تھی۔ (غلط)
جلسے میں ہزاروں عوام تھے۔ (درست)
''لے کر'' کو غلط جگہ استعمال کیا جا رہا ہے۔
ٹی وی اینکر اکثر کہتے ہیں پاکستان کی خارجہ پالیسی کو لے کر آپ کا کیا خیال ہے۔ (یہ غلط ہے)
پاکستان کی خارجہ پالیسی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے (یہ کہنا چاہیے)
یہ میرا ماننا ہے کہ ملک کے حالات ٹھیک ہو جائیں گے (غلط)
اس کو یوں کہنا چاہیے۔
میرا خیال ہے یا میری سوچ ہے کہ پاکستان کے حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔
آپ کھانا کھاؤ گے، آپ جاؤ گے (غلط)
آپ کھانا کھائیں گے، آپ جائیں گے (درست)
میں واپس فون کروں گا۔ (غلط)

میں پھر فون کروں گا۔ (درست)
اکثر لوگ فضول کے ساتھ ''بے'' لگا دیتے ہیں۔
تم سے تو بات کرنا بے فضول ہے (غلط)
تم سے بات کرنا فضول ہے (کافی ہے)
بھائی کی ٹیلی فون آیا (غلط)
بھائی کا ٹیلی فون آیا (درست)
آج کی اخبار لاؤ (غلط)
آج کا اخبار لاؤ۔ (درست)

☆☆☆☆

اُردو صحافت کے پچھتر سال

محمد شعیب مرزا، لاہور

سب سے پہلے میں ادارۂ فروغِ قومی زبان کے ڈائریکٹر جنرل اور کانفرنس انتظامیہ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ اس اہم موضوع پر کانفرنس کا انعقاد کیا اور شکر گزار ہوں کہ مجھے بھی اظہار خیال کا موقع فراہم کیا گیا۔ صحافت کی تاریخ بہت پُرانی ہے البتہ اس کی شکلیں بدلتی رہی ہیں۔ برصغیر میں ۱۸۵۷ء سے قبل بھی کئی اخبارات شائع ہوتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کے اخبارات و جرائد اور صحافی شدید متاثر ہوئے اور انگریزوں کے ظلم وستم کا نشانہ بنے کیونکہ انگریزوں کی حکومت کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے میں مزاحمتی صحافت کا بھی حصہ تھا۔ یوں کئی اخبار پابندیوں کا شکار اور صحافی پابند سلاسل ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں نے خود کو سنبھالا تو نئے اخبارات کا اجرا کیا۔ ۱۸۵۹ء میں مدراس سے جاری ہونے والا اخبار ''شمس الاخبار'' مسلمانوں کے لیے امید کی نئی کرن لے کر نکلا تھا۔ اس کے بعد کئی اخبار منظر عام پر آئے۔ ۱۹۰۲ء میں لاہور سے مولوی انشاء اللہ خان نے ''وطن'' اخبار جاری کیا۔ ۱۹۰۳ء میں مولانا حسرت موہانی نے علی گڑھ سے ''اُردوئے معلیٰ''، جنوری ۱۹۱۱ء میں مولانا محمد علی جوہر نے کلکتہ سے انگریزی اخبار ''کامریڈ'' اور ۱۹۱۳ء میں ''ہمدرد'' کے نام سے اُردو روزنامہ جاری کیا۔ ۱۹۱۲ء میں مولانا ابوالکلام آزاد نے کلکتہ سے ''الہلال'' جاری کیا۔ مولانا نے مختلف ادوار میں ''البلاغ'' پیغام اور نئی روشنی'' کے نام سے اخبار نکالے۔ ۱۹۱۹ء میں سید حبیب نے لاہور سے روزنامہ ''سیاست'' اپریل ۱۹۲۸ء میں غلام رسول مہر اور عبدالمجید سالک نے لاہور سے روزنامہ ''انقلاب'' جاری کیا۔ ۱۹۳۴ء میں لاہور سے روزنامہ ''احسان'' جاری کیا گیا۔ ۱۹۳۴ء میں ''شہباز'' اور ۱۹۳۸ء میں ''منشور'' جاری ہوا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو حمید نظامی نے پندرہ روزہ نوائے وقت کا اجرا کیا۔ اسے مسلم لیگ کی ترجمانی کا اعزاز بھی حاصل رہا۔ ۱۵ نومبر ۱۹۴۰ء کو اسے ہفت روزہ اور قائداعظم محمد علی جناح کی خواہش پر ۲۲ جولائی ۱۹۴۴ء کو اسے روزنامہ کر دیا گیا۔ حمید نظامی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر بھی تھے اور انھیں قائداعظمؒ کی مکمل رہنمائی بھی حاصل تھی۔ نوائے وقت نے نظریۂ پاکستان کے فروغ کے لیے نمایاں کام کیا اور پاکستان کے مخالف حلقوں کے سامنے ڈٹا رہا۔ حمید نظامی کی ۲۴ فروری ۱۹۶۲ء کو وفات کے بعد ان کے بھائی مجید نظامی نے لندن سے واپس آ کر نوائے وقت کی ادارت سنبھالی اور انگریزی اخبار ''دی نیشن'' ہفت روزہ فیملی میگزین ہفت روزہ ندائے ملت اور بچوں کے لیے ماہنامہ ''پھول'' کے علاوہ ''وقت'' کے نام سے نیوز چینل بھی شروع کیا۔ ''وقت'' چینل چند سال کے تعطل کے بعد دوبارہ شروع کیا جا رہا ہے۔ مجید نظامی کی وفات کے بعد ان کی صاحبزادی رمیزہ مجید نظامی اب نوائے وقت گروپ کو چلا رہی ہیں۔

میرا تعلق چونکہ بچوں کے رسالے سے ہے اور گزشتہ بیس سال سے ماہنامہ ''پھول'' کی ادارت کا فریضہ انجام دے رہا ہوں۔ ''پاکستان چلڈرن میگزین سوسائٹی'' کا صدر ہوں اور ''پاکستان ینگ رائٹرز فورم'' کے مرکزی صدر کی حیثیت سے بھی بچوں کے ادب کے لیے کام کر چکا ہوں۔ جب کہ اکادمی ادبیات اطفال کے چیئرمین کے طور پر چھے قومی کانفرنسیں کروانے کے علاوہ بچوں کے لیے کئی کتابیں شائع کر چکا ہوں تو میں گزشتہ پچھتر سال میں بچوں کے رسائل کا مختصر جائزہ پیش کروں گا۔

۱۹۰۹ء میں سید امتیاز علی تاج کے والد سید ممتاز علی نے لاہور سے ''پھول'' کا اجراء کیا۔ ''پھول'' ۱۹۵۷ء تک شائع ہوتا رہا مگر سید امتیاز علی تاج کے انتقال کے بعد یہ رسالہ بند ہو گیا۔ اس کے بعد نومبر ۱۹۹۰ء میں مجید نظامی نے نوائے وقت گروپ کے تحت اس کی دوبارہ اشاعت کا آغاز کیا اور تب سے اب تک ہر ماہ باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔ یہ بچوں کا واحد رسالہ تھا جو کرونا وبا کے دوران بھی باقاعدہ چھپ کر ملک بھر میں تقسیم ہوتا رہا اور اس کی اشاعت میں ایک ماہ کا تعطل بھی نہیں آیا۔

۱۹۲۴ء میں ادارہ فیروز سنز کے تحت ''تعلیم و تربیت'' کا اجراء کیا گیا۔ یہ پہلے اساتذہ کے لیے شائع ہوتا تھا لیکن ۱۹۴۰ء کے بعد سے بچوں کے لیے شائع ہو رہا ہے۔ ۱۹۵۷ء میں حکیم محمد سعید نے ''ہمدرد نونہال'' جاری کیا۔ یہ تینوں رسائل چونکہ بڑے اداروں کے تحت شائع ہو رہے ہیں اس لیے تعداد اشاعت اور معیار کے حوالے سے نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ جنگ گروپ کے تحت ''بھائی جان'' اور احمد فوڈز انڈسٹری کے زیر اہتمام ماہنامہ ''آنکھ مچولی'' بھی معیاری رسائل تھے مگر بوجوہ بند کر دیے گئے۔

پاکستان میں ہر دور میں تقریباً ۳۰ سے ۴۰ بچوں کے رسائل شائع ہوتے رہے ہیں۔ سن ۲۰۰۲ء میں پھول، ہمدرد نونہال اور تعلیم و تربیت کے علاوہ یہ رسائل شائع ہو رہے تھے۔ ماہنامہ آنکھ مچولی کراچی، ماہنامہ ''انوکھی کہانیاں'' کراچی، سہ ماہی ''اُجالا'' اسلام آباد، ماہنامہ بزم قرآن، لاہور'' ماہنامہ بزم قرآن، کراچی، دو ماہی بزم قرآن پشاور، ماہنامہ بچوں کا باغ لاہور، ماہنامہ بچوں کی دنیا لاہور، ماہنامہ بھائی جان حیدرآباد، ماہنامہ پیغام ڈائجسٹ لاہور، ماہنامہ پیغام ڈائجسٹ راولپنڈی، ماہنامہ تعلیمی ڈائجسٹ لاہور، ماہنامہ ٹوٹ بٹوٹ کراچی، ماہنامہ جگنو، لاہور، ماہنامہ چائلڈ اسٹار کراچی، ماہنامہ چلڈرن ٹائمز کراچی، ماہنامہ چندا کراچی، ماہنامہ چھوٹی دنیا لاہور، ماہنامہ ذہین لاہور، ماہنامہ رنگارنگ لاہور، ماہنامہ ساتھی کراچی، ماہنامہ شاہین ڈائجسٹ پشاور، ماہنامہ کوثر لاہور، ماہنامہ کھیل کھیل میں کراچی، ماہنامہ مجاہد راولپنڈی، ماہنامہ معصوم اسلام آباد، ماہنامہ نٹ کھٹ حیدرآباد، ماہنامہ نشان منزل کراچی، ماہنامہ نور لاہور۔

اس کے بعد کے عرصے میں ماہنامہ روشنی راولپنڈی، ماہنامہ زادالفردوس گوجرانوالہ، ماہنامہ بچوں کا گوگو کراچی، ماہنامہ امید خیبر پختونخوا، ماہنامہ مسلمان بہاولپور، ماہنامہ بچوں کا پرستان لاہور، ماہنامہ جنون لاہور، ماہنامہ کرن کرن روشنی ملتان، ماہنامہ سنترہ کراچی، ماہنامہ سم سم کراچی، ماہنامہ ذوق شوق کراچی، ماہنامہ جگمگ تارے کراچی، ماہنامہ پکھیرو لاہور، یہ بچوں کا واحد رسالہ ہے جو پنجابی زبان میں شائع ہوتا ہے۔ بچوں کا گلستان خانیوال، ماہنامہ اقراء لاہور، ماہنامہ ارقم لاہور، ماہنامہ تعلیم الاطفال لاہور، بزم گل کراچی، پیغام اقبال راولپنڈی، ماہنامہ روشنی لاہور، ماہنامہ گلبل ملتان بھی اشاعت پذیر ہوئے۔

ان میں سے کئی رسائل مالی مشکلات کا شکار ہو کر بند ہو چکے ہیں۔ بچوں کے ادب کی خدمت کے جذبے سے سرشار اب تک کئی افراد انفرادی طور پر بچوں کے رسالے کی اشاعت کا آغاز کر کے اپنی ہمت اور استطاعت کے مطابق چلاتے رہے لیکن بڑھتی ہوئی مہنگائی، سرکاری اور نجی سطح پر عدم پذیرائی، کاغذ اور دیگر پرنٹنگ میٹریل کی تیزی سے بڑھتی ہوئی قیمتوں اور اشتہارات نہ ملنے کی وجہ سے ان میں سے بہت سے رسائل ماضی کا قصہ بن چکے ہیں۔

ہماری حکومتِ پاکستان خاص طور پر وزارت اطلاعات و نشریات اور قومی ورثہ و ثقافت ڈویژن اور صوبائی حکومتوں سے گزارش ہے کہ نئی نسل کی تعلیم و تربیت اور کردار سازی میں مصروف عمل ان رسائل کی سرپرستی کی جائے۔ ان رسائل کو سرکاری اشتہارات فراہم کیے جائیں، تعلیمی اداروں اور پبلک لائبریریوں کے لیے ان رسائل کو خریدا جائے تاکہ یہ دم توڑتے رسائل اپنا وجود برقرار رکھ کر نئی نسل کی تربیت کا فریضہ بخوبی انجام دیتے رہیں، اور قیام پاکستان کی سوویں سالگرہ کے موقع پر نہ صرف یہ رسائل تسلسل سے شائع ہو رہے ہوں بلکہ ان کی اشاعت اور تعداد میں کئی گنا اضافہ ہو چکا ہو۔ ادارۂ فروغِ قومی زبان کے زیر اہتمام منعقدہ دوسری بین الاقوامی اردو صحافت کانفرنس میں پڑھا گیا۔

☆......☆......☆

ڈاکٹر رقیہ عباسی، اسلام آباد

SHOUKAT HUSSAIN
ASSISTANT PROFESSOR
Government Ghazali College &
P.G.C. Latifabad, Hyderabad.

دوسری اُردو صحافت کانفرنس

ادارۂ فروغِ قومی زبان اسلام آباد کے زیرِ اہتمام دوسری ایک روزہ "بین الاقوامی اُردو صحافت کانفرنس" اُردو صحافت کے پچھتر سال کے عنوان سے منعقد ہوئی۔ یہ کانفرنس میرے لیے زیادہ دلچسپی کا باعث اس لیے بھی تھی کہ یہ میرے اپنے شعبے کے متعلق تھی۔ اُردو سے میرا شروع سے قلبی لگاؤ ہے اسی لیے جب میں پی ایچ ڈی کی جانب بڑھی تو اُردو کا انتخاب کیا۔

اُردو ہماری قومی زبان ہونے کے باوجود ملک کے دیگر شعبوں اور اداروں کی طرح مسائل کا شکار ہے۔ ملک کی اعلیٰ ترین عدالت اُردو زبان کو سرکاری طور پر نافذ کرنے کا فیصلہ دے چکی ہے لیکن اس پر عمل درآمد نہیں کیا جارہا یا یوں کہیے کہ کرنے نہیں دیا جارہا، کیونکہ شاید ملک کے فیصلہ سازوں کے مفادات انگریزی سے وابستہ ہیں۔ خیر ادارۂ فروغِ قومی زبان کے زیرِ اہتمام اُردو کے فروغ کے لیے سرگرمیاں جاری رہتی ہیں اور اگر میں کہوں کہ ادارۂ فروغِ قومی زبان کی یہ کانفرنس اپنے مقاصد کے حصول کے لیے بہترین کاوش ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

پاکستان میں اُردو صحافت کی پچھتر سال کو محیط ایک بھرپور اور متنوع تاریخ ہے۔ اس نے رائے عامہ کی تشکیل، سماجی بیداری کو فروغ دینے اور ادبی اظہار کے لیے ایک مضبوط پلیٹ فارم مہیا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اُردو صحافت نے انیسویں صدی کے اوائل میں اس وقت جنم لیا جب اُردو برصغیر پاک و ہند میں ابلاغ اور اظہار کی ایک بڑی زبان کے طور پر ابھرنا شروع ہوئی۔ "جام جہاں نما" ۱۸۲۲ اور "صحیفۂ رام پور" ۱۸۵۵ کے اشاعتی آغاز نے اُردو بولنے والی آبادی تک خبروں کی ترسیل، ادبی کاموں کے فروغ اور سماجی اور سیاسی خدمات کو اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ سرسید احمد خان کی ادارت میں چھپنے والے "تہذیب الاخلاق" (۱۸۷۰) نے سماجی اور تعلیمی اصلاحات پر زور دیا۔ اسی دور میں "زمیندار"، "ہمدرد" اور "کامریڈ" جیسے اخبارات نے مسلم قومیت کے تصور کو اجاگر کرنے، مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ ریاست کے قیام کے مطالبے اور مسلمانوں کے حقوق کی وکالت کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ۱۹۴۷ میں تقسیم کے وقت برصغیر پاک و ہند میں مجموعی طور پر ۴۱۵ اُردو اخبارات تھے جن میں روزنامے، ہفتہ وار، پندرہ روزے اور ماہانہ رسالے بھی شامل تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ان میں سے ۳۴۵ ہندوستان میں رہ گئے جبکہ ۷۰ کے قریب اخبارات کے مالکان ہجرت کر کے پاکستان آگئے۔ پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی اُردو زبان کو قومی زبان کا درجہ دے دیا گیا جس کے نتیجے میں ایک متحرک اُردو ذرائع ابلاغ نے جنم لیا جو عوام کی امنگوں، جدوجہد اور کامیابیوں کی عکاسی کرنے کے لیے اہم اور متحرک قوت کے طور پر کام کررہا ہے۔

پاکستان میں اُردو صحافت کے ابتدائی سال ایک نئے ملک کے قیام اور قومی تشخص کی تشکیل کے چیلنجوں سے عبارت ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد ابتدائی مشکلات کے باوجود، اُردو صحافت تیزی سے ترقی کرتے ہوئے ملک وقوم کی تعمیر میں ایک لازمی ذریعہ بنی۔ اُردو کے ممتاز اخبارات جیسے کہ جنگ، نوائے وقت، زمیندار اور دیگر اخبارات کے قیام نے نوزائیدہ قوم کی امیدوں اور امنگوں کے اظہار کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کیا۔

پاکستان میں اُردو صحافت کئی ایک خصوصیات کی حامل ہے جنھوں نے اس کی شناخت کو تشکیل دیا اور معاشرے میں اس کے کردار کو متعین کیا۔ ان خصوصیات میں لسانی تنوع، سماجی و سیاسی مشغولیت، ادبی شراکت داری، علاقائی تغیرات اور عوام کے ساتھ گہرا تعلق شامل ہے۔ اُردو صحافت نے پاکستان کے عوام کے درمیان اتحاد اور مشترکہ مقصد کے احساس کو فروغ دیتے ہوئے مختلف خطوں اور برادریوں کے درمیان ایک پل کا بھی کام کیا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد، اُردو صحافت بدلتے ہوئے سماجی و سیاسی منظرنامے کے مطابق ارتقا کرتی اور جدید دور کے تقاضوں کے سانچوں میں ڈھلتی رہی۔ اس دور میں نئے اخبارات کا اجرا، اُردو رسائل کی ترویج اور اُردو صحافت کے ذرائع کے طور پر ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی ترقی اہم سنگ میل ہیں۔ صحافت سے وابستہ ممتاز شخصیات مولانا ظفر علی خان، عبدالحمید سالک، مولانا چراغ حسن حسرت وغیرہ نے اپنی بصیرت افروز تحریروں اور معاشرتی مسائل کے تنقیدی تجزیوں کے ذریعے اُردو صحافت میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

اُردو صحافت کی ترقی کے لیے اظہار رائے کی آزادی بہت ضروری ہے۔ پاکستان کا آئین اس بنیادی حق کی ضمانت دیتا ہے، اُردو صحافت کو ہر دور میں سنسرشپ، صحافیوں کے تحفظ کو لاحق خطرات اور مختلف اداروں کے دباؤ جیسے مسائل کا سامنا رہا ہے۔ ان چیلنجوں نے اُردو صحافت کی آزادی اور معروضیت کو متاثر کیا ہے اور آزادی صحافت کے تحفظ کے لیے مسلسل کوششوں کی ضرورت کو اجاگر کیا ہے۔

پاکستان میں اُردو صحافت نے جمہوریت کی ترقی اور بقا کے لیے کلیدی کردار ادا کیا۔ اقتدار میں رہنے والوں کو جوابدہ ٹھہرایا ہے، بدعنوانیوں کو بے نقاب کیا ہے اور جمہوری اقدار کے بارے میں عوامی بیداری کو بڑھایا ہے۔ پریس نے متنوع آوازوں کو ایک پلیٹ فارم مہیا کرنے اور باخبر عوامی گفتگو کو فروغ دینے، جمہوری اداروں کی ترقی اور مضبوطی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

اس وقت پاکستان میں اُردو صحافت کو جن مشکلات کا سامنا ہے، ان میں مالی رکاوٹیں، تکنیکی ترقی، قارئین کی گرتی ہوئی تعداد اور سماجی ذرائع ابلاغ کی ویب گاہوں کا عروج شامل ہیں۔ ان مشکلات پر قابو پانے کے لیے جدت، موافقت اور اعلیٰ صحافتی معیارات کو برقرار رکھنے کے عزم کی بھی ضرورت ہے۔

تکنیکی ترقی نے پاکستان میں اُردو صحافت پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ انٹرنیٹ، ڈیجیٹل پلیٹ فارم اور سماجی ذرائع ابلاغ کی آمد نے خبروں کو پھیلانے اور استعمال کرنے کے طریقے کو تبدیل کر دیا ہے۔ گوکہ اُردو صحافت وسیع تر سامعین تک پہنچنے، قارئین کے ساتھ مشغول ہونے اور خبروں کی بروقت ترسیل کے لیے ان ذرائع کو استعمال میں لا رہی ہے تاہم اسے غلط معلومات کے پھیلاؤ کو روکنے اور ڈیجیٹل دور میں اپنی ساکھ کو برقرار رکھنے کی ضرورت کے حوالے سے مختلف قسم کے مسائل کا سامنا ہے جن کا مقابلہ کرنے کے لیے ریگولیٹری نظام کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔

اُردو صحافت نے سماجی بیداری کو فروغ دینے اور سماجی تبدیلی کی وکالت کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس نے غربت، تعلیم، صحت کی دیکھ بھال، صنفی مساوات اور انسانی حقوق جیسے مسائل کو اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ تحقیقاتی رپورٹنگ، فیچر مضامین، اور انسانی دلچسپی کی کہانیوں کے ذریعے،

اُردو صحافت کو موجودہ ذرائع ابلاغ کے بدلتے ہوئے منظرنامے میں خود کو بھی بدلنا ہوگا، صحافتی اخلاقیات کو برقرار رکھنا ہوگا اور متنوع سامعین اور ناظرین کے ساتھ مشغول رہنا ہوگا تاکہ وہ ملک کے منظرنامے کے ایک اہم ستون کے طور پر خدمات انجام دیں

اُردو صحافت نے عوامی بیداری میں اضافہ کیا، بحث و مباحثے کو جنم دیا اور رائے عامہ کو ہموار کر کے سماجی ترقی میں اپنا حصہ ڈالا۔

صحافتی اخلاقیات اور پیشہ ورانہ مہارت اُردو صحافت کے ضروری ستون ہیں۔ اُردو صحافت کی ساکھ اور اعتبار کو برقرار رکھنے کے لیے درستی، معروضیت، انصاف پسندی اور جوابدہی جیسے اصولوں کو برقرار رکھنا بہت ضروری ہے۔ اخلاقی معیارات کی پاسداری، مفادات کے تصادم سے بچنا اور ذمہ دارانہ رپورٹنگ کو یقینی بنانا اُردو صحافت کی ترقی اور بقا کے لیے بہت ضروری ہے۔

اُردو صحافت نے شاعروں، ادیبوں اور ادبی نقادوں کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کر کے اہم ادبی شراکت داری کا فریضہ بھی انجام دیا ہے۔ بہت سے اُردو اخبارات اور رسائل نے شاعری، ادبی جائزوں اور ادبی مباحث کے لیے حصے مختص کیے۔ اُردو صحافیوں نے فعال طور پر اُردو ادب کی حمایت اور اسے فروغ دیا ہے، اس کے تحفظ، پہچان اور ترقی میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔

پاکستان میں اُردو صحافت کا مستقبل، چیلنجز اور مواقع دونوں کا حامل ہے۔ تکنیکی ترقی، ذرائع ابلاغ کے استعمال کی بدلتی عادات، اور ڈیجیٹل پلیٹ فارم کا عروج اُردو صحافت کے منظرنامے کو تشکیل دیتا رہے گا۔ ڈیجیٹل تبدیلی کو اپنانا، اخلاقی طریقوں کو یقینی بنانا، سامعین کی مصروفیات کو فروغ دینا اور ابھرتے ہوئے ذرائع ابلاغی نظام کے مطابق خود کو ڈھالنا اُردو صحافت کی مستقبل کی کامیابی اور مطابقت کے اہم عوامل ہیں۔

پاکستان میں اُردو صحافت نے رائے عامہ کی تشکیل، سماجی بیداری کو فروغ دینے اور ادبی ورثے کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس نے ہر مشکل کا مقابلہ کیا ہے، خود کو تکنیکی ترقی سے ہم آہنگ کیا ہے اور پاکستانی معاشرے میں ایک متحرک قوت کا کردار ادا کیا ہے۔ اُردو صحافت کو موجودہ ذرائع ابلاغ کے بدلتے ہوئے منظرنامے میں خود کو بھی بدلنا ہوگا، صحافتی اخلاقیات کو برقرار رکھنا ہوگا اور متنوع سامعین اور ناظرین کے ساتھ مشغول رہنا ہوگا تاکہ وہ ملک کے منظرنامے کے ایک اہم ستون کے طور پر خدمات انجام دینے اور اپنی بنیادی اقدار کو برقرار رکھتے ہوئے زمانے کے ساتھ ترقی کرتے ہوئے ملک کی ترقی میں اپنا کردار ادا کرتی رہے۔

اس کانفرنس میں شرکت اور اظہارِ خیال میرے لیے اعزاز کی بات ہے۔ میرے لیے یہ کانفرنس اس لیے بھی اہم تھی کہ میرے سارے اساتذہ عرصے بعد ایک جگہ اکٹھے ملے۔ اساتذہ سے بھی آپ کا روح کا رشتہ ہوتا ہے کچھ سخت ہوتے ہیں لیکن وہ بھی اتنے ہی دل کے قریب ہوتے اور جو دوست ہوتے وہ تو پھر حبیب ہوتے۔ وفاقی جامعہ اُردو، اسلام آباد کے شعبۂ اُردو کے اساتذہ سے میرا بھی کچھ ایسا ہی تعلق ہے۔ آج تین اساتذہ موجود تھے اس محفل میں۔ ڈاکٹر ناہید قمر خوبصورت لب و لہجے کی شاعرہ، بے حد قابلیتوں کی حامل، ڈاکٹر فہمیدہ تمام طالب علموں کے لیے مشعل راہ ہیں اپنے بس میں ہر کسی کے کام آنے والی ہیں۔ ڈاکٹر محمد وسیم انجم ہم سب طالب علموں کے لیے قابل احترام علمی اور ادبی حلقوں میں جانے پہچانے جاتے ہیں اور اپنے طالب علموں کے لیے شفیق استاد ہیں۔ ڈاکٹر شیر علی کا تعلق ہماری جامعہ سے نہیں ہے لیکن دورِ جدید کے ادبی حلقوں میں پہچانے جاتے ہیں۔

اس محفل کی خاص بات یہ تھی کہ پیرانہ سالی والے لوگوں سے لے کر عہد حاضر کے کئی لوگوں نے اس کو رونق بخشی۔ کچھ نے صحافت کے حق میں دلائل دیے تو کچھ نے اُردو زبان کی ترویج پر بات کی۔ کچھ نے صحافی کے معاشی مسائل کو اجاگر کیا۔ لیکن خوشی کی بات یہ تھی کہ جو لوگ اُردو ادب صحافت کو بڈ بیتی کے طور پر نبھا چکے ہیں انھوں نے نوآموز اور آئندہ آنے والے لوگوں کی بہترین تربیت کا فریضہ انجام دیا۔ یہ ایک خوبصورت روش ہے جس کی روایت کا سہرا ادارے کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر راشد حمید اور دوسرے منتظمین جن میں خاص طور پر تجمل شاہ شامل ہیں، کے نام جاتا ہے۔

ادارے کی پہلے بھی اردو زبان اور علم و ادب کے لحاظ سے خدمات ہیں ہم سب امید کرتے ہیں کہ یہ روایت برقرار رہے گی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اُردو زبان جو ہماری تہذیب اور روایات کی امین ہے اس کی ترویج ممکن بنائی جائے۔ جہاں ہمارے پاس انگریزی کا نعم البدل موجود ہے ہم اہل دانش و ادب، طالب علم اور اساتذہ کم از کم اپنی زبان کی حفاظت کریں اور اس کو قومی ذمے داری سمجھتے ہوئے ہر محاذ پر اُردو زبان کی ترویج کے لیے کوشاں رہیں۔ یہی وقت کی ضرورت ہے۔

☆☆☆☆

نقطۂ نظر

ممتاز ملک، پیرس، فرانس

اُردو صحافت کے پچھتر سال

SHOUKAT HUSSAIN
ASSISTANT PROFESSOR
Government Ghazali College &
P.G.C, Latifabad, Hyderabad.

پاکستان دنیا کے ان ممالک میں شامل ہے جس کی تخلیق اور ارتقاء میں صحافت اور رپورٹنگ کو قطعاً نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ معاملات مذہبی ہوں دینی ہوں یا پھر سیاسی۔ ہر ایک رپورٹنگ کے مرہون منت رہا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس میں اچھی اور بری رپورٹنگ یا یوں کہہ لیں کہ سچی اور جھوٹی رپورٹنگ نے بھی اپنا کمال خوب دکھایا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ پاکستان کی تخلیق بہترین رپورٹنگ اور صحافت کے مرہون منت ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ وہیں اگر آج یہ کہا جائے کہ پاکستان کی تباہی اور بربادی کی ذمہ دار بھی آج کی بدترین رپورٹنگ اور صحافت ہے تو بھی بے جا نہ ہوگا۔

صحافت کے لیے جواں مردی، اولوالعزمی اور بلند حوصلگی نمایاں شرائط ہیں۔ دبو اور ڈرپوک لوگوں کا صحافت کے میدان میں نہ تو کوئی مرتبہ ہے اور نہ ہی کوئی مقام لیکن تباہ کن کردار ضرور موجود ہے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج کی اکثر اردو صحافت محض خوشامد پرستی، سیاست بازی اور سستی شہرت پر مشتمل ہے۔ آج کی صحافت میں پیسے پیسے کا راگ پوری شدت کے ساتھ الاپا جا رہا ہے۔ آج مشہور و معروف صحافیوں کے اثاثے اس بات کے گواہ ہیں کہ حق گوئی اور صداقت کا اس وقت کی اردو صحافت سے کوئی لینا دینا نہیں رہا۔

آج بعض اخبارات اور میڈیا مالکان نے ان "میڈیمز" کو دکان بنا کر رکھ دیا ہے۔ آج کی بری صحافت کا لوگوں کی زندگیوں پر پڑنے والا اثر کہیں نہایت شرمناک ہے تو کہیں فسادی۔ اسے قوم کے مفادات سے، قوم کی بھلائی اور بہتری کے کاموں سے کوئی غرض نہیں جس کے لیے اردو اخبارات کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اس کے لیے تھوڑا سا تاریخی حوالہ دینا بے حد ضروری ہے۔

اردو زبان میں شائع ہونے والا پہلا اخبار 'جامِ جہاں نما' تھا جس کے بانی ہری ہر دت تھے اور انھوں نے اس اخبار کو ۱۸۲۲ میں کلکتہ سے شائع کیا۔ انگریزی اور بنگالی زبان کے بعد یہ اخبار ہندوستان میں کسی تیسری زبان میں شائع ہونے والا پہلا اخبار تھا۔ یہ ۱۸۸۸ تک شائع ہوتا رہا۔

اردو صحافت کے آغاز سے متعلق کئی متضاد دعوے کیے گئے ہیں۔ اکثر نے مولوی محمد باقر دہلوی کے سر اس کا سہرا باندھا ہے جو تحریکِ آزادی کے لیے شہید ہونے والے ۷۷ سالہ بزرگ پہلے صحافی تھے جنھیں انگریزوں نے ۱۶ ستمبر ۱۸۵۷ کو تحریکِ آزادی کی سچی اور بے باک رپورٹنگ کے جرم میں توپ سے باندھ کر اُڑا دیا تھا۔ یاد رہے کہ مولوی محمد باقر کا اردو اخبار "اخبار دہلی" کے نام سے ۱۸۳۶ سے ۱۸۵۷ء تک جاری رہا۔ یوں انھیں پہلا شہیدِ صحافت کہا جا سکتا ہے۔

اب ہم پاکستان سے باہر یورپ میں اردو صحافت پر نظر ڈالتے ہیں تو اس وقت تک عام طور پر فرانس میں ہونے والی اردو صحافت خصوصاً اور پاکستان میں عموماً چالیس فی صد رپورٹنگ پر مبنی ہے جبکہ پانچ فی صد معلومات پر تین فی صد تعلیم و تربیت پر جبکہ بیالیس فی صد سیاسی شعبدہ بازیوں پر دس فی صد اشتہاری مہمات پر مشتمل ہے۔

فرانس میں ہم اردو ٹی وی چینل کے لیے سال ہا سال سے گفتگو کر رہے ہیں لیکن یہ کام تب تک نہیں ہو سکتے جب تک یہاں کے مخیّر حضرات اس میں دلچسپی نہ لیں اور اس

مضمون نگار

میں مالی معاونت نہ کریں۔ اردو کے لیے یہاں پر آن دیسی ٹی وی کے نام سے ایک نوجوان شاعر وقار بخشی نے کام کیا اور اس پر مختلف طرح کا مواد بھی پیش کیا گیا لیکن آج کئی سال گزرنے کے بعد بھی وہ اسے ابھی تک باقاعدہ ٹی وی چینل کی صورت پر نہیں لا سکے اور ویب ٹی وی کی حیثیت سے ہی کام کر رہے ہیں کیونکہ اس کے لیے انھیں مطلوبہ مالی معاونت حاصل نہیں ہے۔ ہم لوگ اپنے سفارت خانے سے بھی ہمیشہ اس بات کی درخواست کرتے رہتے ہیں کہ یہاں پر اردو ٹی وی چینل اور ریڈیو کی بے حد ضرورت ہے، لیکن اس مطالبے کے ساتھ ڈرتے بھی رہتے ہیں کہ باقی شعبوں میں جس طرح سے اردو صحافت کو استعمال کیا گیا اور کاروباری بنا دیا گیا اور اسے پیسہ کمانے اور اثر رسوخ بڑھانے کا ذریعہ بنا دیا گیا اگر یہاں بھی اسی طرح سے ہونا ہے اور وہی سب کچھ کرنا ہے تو پھر نہ ہونا ہی بہتر ہے کم از کم یہ تو نہیں کہ ہمارے پاس میڈیم موجود ہے اور کچھ کر نہیں رہے۔ ریڈیو کی طرف دیکھیں تو یہ آج بھی بڑا مضبوط میڈیم ہے۔ لیکن ہمیں خود یہاں پچیس سال ہو گئے ہیں اردو ریڈیو پر بات کرتے ہوئے۔ ہم لوگ اتنے وسائل نہیں رکھتے کہ اس کی سکیورٹی گارنٹی وغیرہ جمع کروائیں اور باقی جو سارا طریقۂ کار ہے اس کو پورا کر سکیں تو جو پورا کر سکتے ہیں وہ سوچتے رہتے ہیں کہ اچھا جی چلیں یہ بھی کام کریں گے ان کے لیے یہ چیز ترجیحات میں شامل ہی نہیں ہے۔ یہاں پر کتاب پڑھنا ترجیحات میں شامل نہیں ہے۔ یہاں پر اپنی زبان سیکھنا ترجیحات میں شامل نہیں ہے۔ یہاں اپنے بچوں کے لیے کوئی ثقافتی تقریب ادب و صحافت کے حوالے سے ہو، ہماری جو بھی حمایت کی بات ہو وہ لوگ اس میں حصہ لینا، اپنے گھر سے خود شامل ہونا پسند کرتے ہیں نہ اپنے گھر سے خواتین کو، بچوں کو لانا پسند کرتے ہیں۔ جب وہ اس چیز کو ضروری نہیں سمجھتے تو پھر اردو صحافت صرف اور صرف کاروباری نظریے کے ساتھ کہ میں کیا لگاؤں گا اور مجھے کیا ملے گا، کس کو اوپر اٹھانا ہے کس کو نیچے گرانا ہے صرف اور صرف یہی ایک نظریہ رہ جاتا ہے اور یہ نظریہ کسی بھی قوم کو صرف تباہی کی طرف لے کر جاتا ہے۔ کسی بھی قوم کے لیے صحافت کی جدوجہد میں تہذیب، اپنی زبان، اپنی ثقافت، اپنی معاشرت کو بچانے کے لیے، حق بات کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرنے کے لیے آپ کی سوچ نہیں ہوگی، آپ کی پہنچ نہیں ہوگی تو اس وقت تک صحافت محض مذاق ہے اور یہی سبب ہے کہ ان پچھتر سالوں میں اگر آپ دیکھیں تو ہماری صحافت نیچے سے اوپر جانے کے بجائے اوپر سے نیچے کی طرف ہی آئی ہے۔

اگر ہم صحافت کو مسائل کے اجاگر کرنے کی بجائے ذاتی تشہیر اور دوسروں کے کالے کرتوت سفید کرنے کی ذمہ داری اٹھائیں گے تو آپ سوچ سکتے ہیں کہ ہمارا ذہنی معیار کیا ہوگا، اخلاقی درجہ کیا ہوگا۔ یعنی اگر ہم پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں تو پاکستان میں مجموعی طور پر اردو صحافت خاص طور پر ان گزرے بیس سالوں میں بڑی تیزی سے زوال پذیر ہوئی ہے اور ٹی وی چینل پر صحافت اگر ہم اپنے ملک میں بھی دیکھ لیں تو وہ ٹی وی چینل جس طرح کسی نہ کسی خاص آدمی کے ماتحت ہیں یا اس کی ملکیت ہیں یا ملکیت میں آجائیں گے تو وہ پھر کاروبار کے نظریے سے کام کریں گے، اسے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ لوگ کس طرف جا رہے ہیں۔ معاشرے کی تربیت کیسی ہونی چاہیے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک سے محبت کرنے کا دعویٰ کرنے والے اپنی زبان، تہذیب اور ثقافت کے علاوہ صحافی اس ملک کی سالمیت پر کوئی سمجھوتہ نہ کریں اور خود کو اس ملک کے وفادار کے طور پر پیش کریں۔ جس کے لیے پہلی شرط ہے سچائی۔ جب تک ہم سچائی کی پہلی سیڑھی پر قدم نہیں رکھیں گے، آگے کامیابی کی آخری منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس لیے ہمیں اپنی اردو صحافت کی بنیادوں کو پھر سے مضبوط کرنا ہوگا جیسے تحریک پاکستان کے وقت تھی۔

☆☆☆☆

ڈاکٹر حسین محمود (حسین زیدی شیرازی)، شعبہ اردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، کو

علامہ عبداللہ...... ایک شجر سایہ دار

۶ جولائی ۲۰۲۲ء کو ہم نے جامعہ پشاور میں خیبر میڈیکل کالج کے بالمقابل ایک وسیع میدان میں ایک شخصیت، ایک فرد فرید، ایک عالم بے بدل، ایک باصلاحیت منتظم اور ایک خوش گو شاعر و ادیب علامہ عبداللہ (مرحوم) کے جنازے میں شرکت نہیں کی بلکہ ایک تہذیب، ایک شائستگی، ایک ثقافت، ایک ادارے، ایک مربی، ایک متقی، ایک ہمدرد اور ایک خداترس انسان کی نماز جنازہ ادا کر لی۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ انھیں غریق رحمت کریں اور لواحقین و متعلقین کو صبر جمیل نصیب فرمائے! آمین۔

علامہ عبداللہ سے گہرا تعلق اس وقت سے قائم ہوا جب پہلی بار لیکچرار اردو کی اسامی پر بھرتی کرانے کی غرض سے انتخاب کے لیے انھوں نے ہمارا مصاحبہ کیا۔ یہ سطور لکھنے سے پہلے ان کی شخصیت و فن پر راقم کا تفصیلی تحقیقی و علمی مقالہ گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج کوہاٹ کے مجلّے "دامن کہسار" برائے سال ۲۰۲۲ء (جو راقم ہی کی ادارت میں شائع ہوا ہے) بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ ان سے ملاقاتوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ جامعہ پشاور کی مشرقی دیوار سے باہر واقع سڑک پر راحت آباد کے ایک اسلامی مدرسے کے تقریباً عقب میں واقع ان کے مکان نمبر ۹ میں میری اکثر ملاقاتیں ہوتی تھیں۔

ملاقاتوں کی کھلی "آزادی" دینے کے بعد وہ مجھے کچھ اور "گرفتار" کر گئے۔ پھر گذشتہ بیس بائیس سال کے دوران میں ان سے جو ملاقاتیں ان سے ان کے گھر پر رہیں، وہ ان کے علاوہ تھیں جو مختلف جامعات، اکادمیوں، سیمیناروں اور تقریبات میں ان سے ہوا کرتیں۔ سب سے زیادہ پرلطف اور پرسکون ملاقاتیں وہ تھیں جو ان کے ساتھ ان کے گھر پر ہوئیں۔

یہ بات مجھے اس لیے زیادہ حیرت زدہ کرتی کہ بڑے سے بڑا عالم بھی کسی موضوع پر فی البدیہہ گفتگو کرنے سے کتراتا ہے اور سبکی اٹھانے سے ڈرتا ہے۔ یہ بات ان کے اپنے علم پر اعتماد کی دلالت کرنے کے لیے کافی ہے۔ سلسلہ شروع ہوتا تو وہ کسی بھی (ادبی) موضوع پر بولنا شروع کر دیتے ،میں ریکارڈ کرتا جاتا۔

آخری عمر میں جب زیادہ بیمار ہونے لگے تو ملاقاتوں کا سلسلہ میں نے بوجوہ بند کر لیا۔ اب فون پر اگر روزانہ نہیں تو ہفتے میں ایک دو بار ضرور رابطہ ہوتا۔ کبھی میں فون کر لیتا تھا اور کبھی وہ، پھر گھنٹوں باتیں ہو جاتیں۔ وفات سے ایک دو دن قبل انھوں نے فون کر کے بتایا: "حسین! میں ان دنوں ایک نعت لکھ رہا ہوں"، "لیکن پھنس گیا ہوں" پھر اردو اور فارسی نعت کے حوالے سے طویل گفتگو ہوئی، جامی کی نعتوں کا تذکرہ بھی ہوا اور یہ بھی مذکور ہوا:

"باخدا دیوانہ باشی، با محمد ہوشیار!"

نعت کی مشکلات کا ذکر ہوا اور انھوں نے یہ بھی فرمایا:

"دراصل نعت لکھنے کے لیے ایک خاص ذہنی کیفیت سے گزرنا پڑتا ہے، اور وہ کیفیت اس وقت طاری ہو سکتی ہے جب آدمی دیارِ نبی میں مکین ہو۔"

وفات سے تقریباً بہتر (۷۲) گھنٹے پہلے ایک دن پھر فون کر کے بتایا: "وہ جو میں ایک نعت لکھتے ہوئے پھنس گیا تھا۔ وہ میں نے لکھ لی اور نکل آیا۔"

پھر وہ نعت سنانے لگے اور ہم دونوں ایک ایک شعر سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ زیادہ تر فارسی اساتذہ شعرا کے اشعار تھے۔ کچھ اردو کے بھی تھے۔ جب پوری نعت سماعت کی تو میں نے ایک اعتراض وارد کر لیا:

"سر! نعت تو بہت خوب ہے لیکن ایک یہ بات مجھے ذرا کھٹکتی ہے کہ اس میں آپ کے اشعار نہ ہونے کے برابر ہیں۔ زیادہ تر اشعار دیگر شعرا کے ہیں تو آپ کی حصہ داری پر حرف آ سکتا ہے۔"

کہنے لگے:

"یہ نعت دراصل صنعت توشیح میں لکھی گئی ہے اور یہ ایک نیا تجربہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ نعت کا عنوان ہے "رحمت اللعالمین"

ایک معروف شعر یہ بھی سنایا:

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید این جا

وہ رفتنی ہو گئے اور مجموعۂ کلام ان کی حیات میں اشاعت پذیر نہ ہو سکا۔ میں نے بڑی مشکل سے ان کی بیاضوں تک رسائی حاصل کی۔ انھیں بطور شاعر دریافت کر لیا اور پھر بڑی مشکل سے انھیں مجموعہ کلام کی اشاعت کے لیے راضی کر لیا۔ وہ مجھ سے کہتے تھے:

"آپ میری شاعری کے محرک ہیں، اور یہ آپ کی "شرارت" ہے۔"

میں کہتا تھا:

"سر! میں نے آپ کو دل لگا کر ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے اور بس"

جس دن چیف سیکرٹری کے عہدے سے سبک دوش ہوئے تو اپنے فاؤنٹین پین سے سرکاری سیاہی سرکاری شیشی میں یہ کہہ کر انڈیل دی کہ یہ بھی کروڑوں عوام کا حق تھا۔ قلم (پین) اپنے پاس رکھ لیا کہ وہ اس کی ذاتی ملکیت تھا۔ یہ ان کی دیانت اور امانت کی ایک چھوٹی سی مثال ہے۔

علامہ عبداللہ ایک انتہائی صاحب مطالعہ، اعلیٰ پائے کے منصف، مردم شناس اور بہت ہمدرد انسان تھے۔ اکثر قدیم و جدید علوم سے بہرہ ور تھے۔ تین سال تک شعبۂ انگریزی میں پڑھاتے بھی رہے۔ خود جن اساتذہ کے شاگرد رہے، وہ بھی سب بڑے لوگ تھے۔ شیکسپیئرین سوسائٹی کی معروف رکن مس ہارباٹل سے انگریزی پڑھی۔ ڈاکٹر مظہر علی خاں اور پروفیسر داؤد کمال وغیرہ ان کے اساتذہ میں شامل تھے۔ ان گراں قدر اساتذہ کی تربیت کے زیر اثر ان کی شخصیت میں مزید نکھار آ گیا اور ان کی پوشیدہ صلاحیتیں مزید ابھر کر سامنے آ گئیں۔

علامہ عبداللہ ایک بڑے زیرک نقاد اور بلند پایہ عالم تھے۔ تنقید ادبیات سے انھیں خاص شغف تھا اور وہ جو رائے قائم کرتے، اسے آسانی سے رد نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ اس کے عقب میں ایک مستحکم علمی و ادبی پس منظر موجود ہوتا تھا۔

علامہ عبداللہ ایک مایہ ناز رومی شناس اور اقبال شناس بھی تھے۔ انھوں نے اقبال کا جس قدر گہرا مطالعہ کیا تھا، شاید ہی کسی نے کر رکھا ہو۔ رومی کی طرح اقبالیات کا موضوع بھی ان کا پسندیدہ تھا۔ ان دونوں موضوعات پر مختلف جامعات، کالجوں، سیمیناروں اور تقریبات میں ان کی گل افشانیٔ گفتار دیدنی اور شنیدنی ہوتی تھی۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے:

"اقبال کے حوالے سے مجھے کوئی اشکال نہیں۔ مجھ پر سب کچھ بہت واضح ہے۔ ان کے نظریات اور خیالات کے حوالے سے مجھے کسی قسم کی الجھن نہیں۔"

رومی بھی ان کے پسندیدہ ترین موضوعات میں سے تھا۔ اس موضوع پر بھی گویا وہ ایک سند کا درجہ رکھتے

تھے۔مثنوی معنوی کے بیسیوں اشعار انھیں زبانی یاد تھے،جنھیں وہ اکثر اپنی تقاریر میں استعمال کرتے تھے۔

رومی کی مثنوی معنوی سے متاثر ہوکر انھوں نے ایک فارسی مثنوی (نسبت عرش وعریش) بھی لکھی۔

علامہ عبداللہ دیہی ترقیاتی ادارے (NIPA اور بعد میں P A R D) پشاور کے تیرہ سال تک سربراہ رہے۔انھوں نے اکادمی کو بھی علم و ادب کا گہوارہ بنادیا تھا۔اپنے تیرہ سالہ طویل دورِ سربراہی میں یہاں تربیت حاصل کرنے کے لیے آنے والوں کی تربیت پر ہی اکتفانہیں کیا بلکہ انھیں ذہنی انبساط اور فکری کشادگی فراہم کرنے کے لیے اکادمی میں ملک کے بڑے بڑے ادبا وشعرا کو آنے کی دعوت دی اور اسے ایک بڑے ادبی مرکز کے طور پر بھی استعمال کیا۔اکادمی کے اسٹیج پر ملک کے نامور ادبی مؤرخ ڈاکٹر جمیل جالبی جلوہ افروز رہے۔معروف افسانہ نگار و ناول نگار اشفاق احمد کے ساتھ یہاں تقریبات کا اہتمام کیا گیا اور ان کے ساتھ کئی شامیں منائی گئیں۔ان شاموں کو ایک مخصوص اصطلاح ''شام تلقین'' سے موسوم کیا گیا۔امجد اسلام امجد نے پشاور کی اس اکیڈمی میں مشاعرے پڑھے۔ان مشاعروں میں عالمی شہرت کے حامل شعرا سید ضمیر جعفری اور پروفیسر محمد طہٰ خان جیسے تخلیق کار برابر شرکت کرتے رہے۔ایک بار اسی اکادمی ہی کے اسٹیج پر لوگوں نے عالمی شہرت یافتہ باکسر محمد علی کو بھی دیکھا۔ان کے ساتھ بھی ایک شام منائی گئی۔قومی ہیرو ایم ایم عالم کے اعزاز میں تقریب کا اہتمام کیا گیا۔معروف ماہر اقبالیات پروفیسر محمد منور کو اہل پشاور نے اس اسٹیج کی زینت بنتے دیکھا۔مستنصر حسین تارڑ یہاں تشریف لاتے رہے اور پروفیسر داود کمال جیسے باکمال استاد و شاعر کے ساتھ بھی ایک شام منانے کا انعقاد کیا گیا۔یہاں ممتاز مفتی،احمد فراز اور مشتاق احمد یوسفی بھی تشریف لاتے رہے۔مختصراً یہ کہ ادب وشعر کی دنیا سے وابستہ افراد کے علاوہ زندگی میں کچھ دیگر نمایاں شخصیات بھی یہاں آنے کو اپنے لیے ایک اعزاز سمجھتی رہیں۔اس دور کے بعد پشاور میں تادمِ تحریر کبھی کسی نے اتنی بڑی بڑی شخصیات کو یہاں آتے نہیں دیکھا۔یہ علامہ عبداللہ کی طلسماتی شخصیت کا کمال تھا۔اکادمی سے ایک رسالہ بھی نکالتے رہے۔اس میں اکادمی میں ہونے والی سرگرمیوں کا تفصیل سے ذکر ہوتا تھا۔وہ بنیادی طور پر ایک استاد اور ادیب تھے۔اس لیے انتہائی مصروف زندگی کے باوجود کارِ ادب کے لیے وقت نکال لیا کرتے تھے۔

علامہ عبداللہ الٰہیات،مذہبیات،ادبیات،معاشیات، اقبالیات، غالبیات اور دیگر بہت سے علوم وموضوعات کے ماہر تھے۔یوں تو وہ اردو، فارسی، انگریزی اور عربی پر عبور رکھتے تھے۔اردو اور فارسی میں شعر کہتے،لیکن سب سے زیادہ فارسی شعروادب کے گرویدہ تھے۔فارسی کے اساتذہ شعرا کے کلام کا بڑا حصہ انھیں زبانی یاد تھا۔

وہ خود ایک عالم مولانا محمد امیر عالم کے نورِ چشم تھے جو مفتی کفایت اللہ کے شاگردانِ خاص میں شمار ہوتے تھے۔ چنانچہ فارسی گھر ہی سے سیکھ چکے تھے۔

چیف سیکرٹری صوبہ سرحد (اب خیبر پختون خوا) کی حیثیت سے سبکدوش ہوجانے کے بعد اسی صوبے کے پبلک سروس کمیشن کے چیئر مین مقرر ہوئے۔ وہ ہری پور کے قریب سرائے صالح میں مفتی کفایت اللہ کے شاگرد خاص مولانا محمد امیر عالم کے گھر جنوری ۱۹۴۱ء کو پیدا ہوئے تھے۔مختلف اداروں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد مقابلے کا امتحان پاس کرلیا اور پھر مختلف عہدوں پر کام کرتے ہوئے چیف سیکرٹری کے عہدے سے بالآخر سبکدوش ہوگئے۔ وہ ایک تنظیم للسائل والمحروم کے صدر نشین ہی نہیں بلکہ اس کے بنیاد گزار بھی رہے۔سب سے آخر میں ''اسلامی نظریاتی کونسل'' کے ایک رکن کی حیثیت سے بھی انھیں کام کرنا پڑا۔جس شعبے میں گئے، اس میں مثبت تبدیلی کے آثار نمایاں ہوئے۔

جب تک علامہ عبداللہ کمیشن کے صدر نشین رہے،اس ادارے کا ایک خاص وقار اور اعتبار قائم رہا۔استاد ڈاکٹر ظہور احمد اعوان کہا کرتے تھے کہ کوئی ان سے کسی کی سفارش کرتے یا ان کو میرٹ مسخ کرنے یا اسے پامال کرنے کا مشورہ دیتے تو علامہ عبداللہ اس امیدوار کو نااہل قرار دیتے اور اسے مقابلے سے ہی خارج کردیتے۔

ہزاروں لوگوں کے لیے ان کی ذات وشخصیت ذریعۂ خیر ثابت ہوئی۔سیکڑوں لوگ ان کے مبنی بر انصاف فیصلوں کے نتیجے میں منتخب ہوکر ملک کے مختلف شعبوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔سیکڑوں خاندان ان کی وساطت سے باعزت زندگی گزارنے کے قابل ہوگئے۔وہ نہیں رہے لیکن ان کی خوشبو چارسو محسوس کی جاتی رہے گی۔وہ ایک شجر سایہ دار کی طرح معاشرے کی خیر وخوبی، بھلائی اور پیش رفت میں خود کو کھپاتے رہے۔ بالیقین، خداوند قدوس انھیں اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔

کر گیا میری بھی جاں کا کوئی گوشہ خالی
مرنے والا کہیں مجھ میں بھی رہا کرتا تھا

☆☆☆☆

خبر نامہ

ادارۂ فروغ قومی زبان کے زیر اہتمام دوسری بین الاقوامی اردو صحافت کانفرنس میں انجینئر امیر مقام، فارینہ مظہر، مجیب الرحمٰن شامی، افتخار عارف، حفیظ اللہ نیازی، سینیٹر فرحت اللہ بابر، ڈاکٹر راشد حمید، اشفاق حسین اور ڈاکٹر فہمیدہ تبسم اظہار خیال کر رہے ہیں

روداد نویس: منظور احمد

ادارۂ فروغِ قومی زبان کے زیرِ اہتمام بسلسلہ جشنِ الماسی پاکستان (ڈائمنڈ جوبلی)

دوسری ایک روزہ بین الاقوامی اُردو صحافت کانفرنس

اُردو صحافت کے پچھتر سال اور کتاب میلے کا انعقاد

۲۱- جون ۲۰۲۳ء بروز بدھ ادارۂ فروغِ قومی زبان کے زیرِ اہتمام دوسری ایک روزہ بین الاقوامی اُردو صحافت کانفرنس ''اُردو صحافت کے پچھتر سال'' کے عنوان سے منعقد ہوئی عام مہمانانِ گرامی کی آمد کا سلسلہ صبح آٹھ بجے ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ ادارے کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر راشد حمید، ڈائریکٹر ڈاکٹر انجم حمید رابطہ کار عارف حسین، محبوب خان بگٹی اور تجمل شاہ نے مہمانانِ گرامی کو خوش آمدید کہا، مشیر وزیرِ اعظم برائے قومی ورثہ وثقافت ڈویژن انجینئرَ امیر مقام، وفاقی سیکریٹری قومی ورثہ و ثقافت ڈویژن فارینہ مظہر، افتخار عارف، سینئر صحافی و تجزیہ کار مجیب الرحمٰن شامی اور حفیظ اللہ نیازی کے علاوہ سینیٹر فرحت اللہ بابر، قومی ورثہ وثقافت ڈویژن کے اعلیٰ عہدیداران اور صحافی، اہل علم و دانش، جامعات کے اساتذہ اور طلبا کی بڑی تعداد کانفرنس میں شامل تھی۔ یہ کانفرنس تین نشستوں پر مشتمل تھی۔

تین روزہ کتاب میلہ

۲۱ جون سے شروع ہونے والی کتابوں کی نمائش، قومی لسانی پراسیسنگ لیبارٹری کے ابتدائی حصے (الفا ورژن) کا افتتاح، شعبۂ خطاطی میں زیرِ تربیت طلبا وطالبات کا خطاطی سیکھنے کا مظاہرہ، نیشنل لائبریری کی ماڈل لائبریری اور مخطوطات کی نمائش بھی اس تین روزہ کتاب میلے کا حصہ تھی۔ اس کتاب میلے کا افتتاح مشیر وزیرِ اعظم برائے قومی ورثہ وثقافت ڈویژن انجینئرَ امیر مقام نے سیکریٹری قومی ورثہ وثقافت ڈویژن محترمہ فارینہ مظہر اور ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر راشد حمید اور ڈائریکٹر مطبوعات ڈاکٹر انجم حمید کے ہمراہ فیتہ کاٹ کر دُعائے خیر سے کیا۔ وہ ہر ادارے کی کتابوں کے سٹال پر گئے اور اُن کی کتابوں میں دلچسپی لیتے ہوئے اس حوالے سے گفتگو شنید بھی کی۔ اس میلے میں موجود ادارۂ فروغِ قومی زبان کے شعبۂ خطاطی میں زیرِ تربیت طلبا وطالبات کا خطاطی سیکھنے کا مظاہرہ بھی بڑی دلچسپی اور انہماک سے دیکھا گیا۔ مہمان خصوصی نے خود بھی قلم دوات لے کر کاغذ پر لکھنے کی کوشش کی اور کہا کہ آج خطاطی کا مظاہرہ کرتے بچوں کو دیکھ کر مجھے بھی بچپن کا زمانہ یاد آ رہا ہے جب ہم بھی زمین پر بیٹھ کر قلم دوات سے تختی لکھا کرتے تھے۔ اس موقع پر شعبۂ خطاطی کے استاد اظہر حسین دیوانہ نے مشیر وزیرِ اعظم انجینئرَ امیر مقام اور سیکریٹری فارینہ مظہر کو اپنے بنائے ہوئے خطاطی کے خوبصورت فن پارے بھی پیش کیے۔ مہمان خصوصی جب ادارۂ فروغ قومی زبان، اُردو لغت بورڈ اور اُردو سائنس بورڈ کے سٹال پر تشریف لائے تو انھیں اُردو لغت بورڈ کی تازہ شائع ہونے والی اُردو لغت کی جلد ششم پیش کی گئی۔

تین روزہ یہ کتاب میلہ وفاقی نظامتِ تعلیمات، نیشنل لائبریری، وفاقی اُردو یونیورسٹی (اسلام آباد)، اُردو سائنس بورڈ (لاہور) اور اُردو لغت بورڈ (کراچی) کے اشتراک وتعاون سے منعقدہ کیا گیا تھا جس میں مخطوطات کی نمائش اور ماڈل لائبریری کی نمائش تین روز تک جاری رہی۔

اس کتاب میلے میں ادارۂ فروغ قومی زبان کے علاوہ اُردو لغت بورڈ (کراچی)، اُردو سائنس بورڈ، بزمِ اقبال، قائداعظم اکادمی، مجلس ترقیٔ ادب، العارفین پبلی کیشنز (لاہور)، لوک ورثہ، اکادمی ادبیاتِ پاکستان، نیشنل لائبریری آف پاکستان، اسلام آباد میوزیم شعبہ آرکائیوز، خانہ فرہنگِ اسلامی جمہوریہ ایران، ادارۂ تحقیقات اسلامی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، آئی پی ایس پریس، فرید بک، اولڈ بک ماسٹر (اسلام آباد)، اور آفاق نیو اینڈ اولڈ بکس (پشاور صدر) نے اپنی مطبوعات کے مراکز قائم کیے تھے۔ ٹیکسلا سے تشریف لائے بزرگ، ادیب راجہ نور محمد نظامی نے اپنے ذاتی کتب خانے سے منتخب مخطوطات بھی قارئین کی دلچسپی کے لیے نمائش میں پیش کیے۔ ان مخطوطات میں شرکاء نے خاصی دلچسپی ظاہر کی۔ نمائش میں مہمانانِ گرامی، اہلِ قلم، دانشور، صحافی صاحبان، جامعات کے اساتذہ اور طلبہ نے بھرپور شرکت کی اور خصوصی رعایت پر کتب کی خریداری کی۔

افتتاحی نشست کے مہمانِ خصوصی مشیرِ وزیرِ اعظم برائے قومی ورثہ وثقافت ڈویژن انجینئرَ امیر مقام تھے۔ وفاقی سیکریٹری فارینہ مظہر نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا جبکہ ڈائریکٹر جنرل ادارۂ فروغِ قومی زبان ڈاکٹر راشد حمید نے تعارفی کلمات پیش کیے۔ مجلسِ صدارت میں افتخار عارف، مجیب الرحمٰن شامی، سینیٹر فرحت اللہ بابر، حفیظ اللہ خان نیازی اور اشفاق حسین (کینیڈا) تھے۔ نظامت کے فرائض وفاقی جامعہ اُردو کی صدرِ شعبۂ اُردو ڈاکٹر فہمیدہ تبسم نے ادا کیے۔

کانفرنس کا باقاعدہ آغاز قاری سعید الرحمٰن نے تلاوتِ کلام پاک سے کیا اور ڈاکٹر فہمیدہ تبسم نے بارگاہِ رسالت مآبؐ میں نذرانۂ درود شریف پیش کیا۔

انجینئر امیر مقام قومی لسانی پراسیسنگ لیبارٹری کا افتتاح کر رہے ہیں، فارینہ مظہر، مجیب الرحمٰن شامی، افتخار عارف، سینیٹر فرحت اللہ بابر اور ڈاکٹر راشد حمید بھی موجود ہیں

فارینہ مظہر نے کہا کہ ہمارے لیے یہ ایک اعزاز کی بات ہے کہ آپ نے ہماری دعوت پر ادارۂ فروغ قومی زبان کے زیر اہتمام پاکستان کے جشن الماسی (ڈائمنڈ جوبلی) کے سلسلے کی دوسری ایک روزہ ''بین الاقوامی اُردو صحافت کانفرنس'' اور تین روزہ کتاب میلے میں شرکت فرمائی۔ انھوں نے کہا کہ پچھتر سال سے اردو صحافت نے نہ صرف قوم میں شعور اُجاگر کیا بلکہ قومی معاملات میں اُردو نے علمی و ادبی میدان میں عظیم کردار ادا کیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ اس وقت دنیا ایک عالمی گاؤں کی شکل اختیار کر چکی ہے اور اس میں بولی جانے والی تمام زبانوں کو جدید اطلاعیاتی ٹیکنالوجی سے منسلک اور ہم آہنگ کرنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ دُنیا میں وہی زبانیں آگے بڑھ رہی ہیں جن کو دورِ حاضر میں جدید اطلاعیاتی ٹیکنالوجی سے مربوط و ہم آہنگ کیا جا رہا ہے۔ اسی خیال و نظریے کے پیش نظر پاکستان کی قومی زبان اُردو کو زندہ رکھنے اور اسے ترقی دینے کے لیے دو سال قبل ادارۂ فروغ قومی زبان کے تحت ''قومی لسانی پراسیسنگ لیبارٹری'' کا قیام عمل میں لایا گیا تھا جس میں خودکار ترجمہ کاری، بصری حروف شناسی اور آواز بہ متن کے سافٹ ویئر کی تیاری کا کام شروع کیا گیا۔ یہ منصوبہ کامیابی سے آگے بڑھ رہا ہے اور اپنے مقاصد کے حصول کی جانب گامزن ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ آج ہم اس منصوبے کا بنیادی کام ''الفا ورژن'' جاری کر رہے ہیں۔ فارینہ مظہر نے کہا کہ کسی قوم میں مطالعے کی عادت کو فروغ دینے کے لیے کتب خانوں اور کتاب میلوں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ڈاکٹر راشد حمید نے کہا کہ ادارۂ فروغ قومی زبان کی ہمیشہ سے کوشش رہی ہے کہ وہ قومی زبان اُردو کو حالات و واقعات کے تناظر اور درپیش مشکلات سے نبرد آزما ہونے کے لیے اسے جدید تکنیکی دور سے مربوط و ہم آہنگ بنائے تاکہ اس کے فروغ اور ترقی میں آسانیاں پیدا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ادارے نے اپنے ایک ترقیاتی منصوبے ''قومی لسانی پراسیسنگ لیبارٹری'' میں تین اہم اور بنیادی سافٹ ویئر تیار کیے ہیں جن کی افادیت مسلمہ ہے کیونکہ اس وقت دُنیا میں مصنوعی ذہانت کی معلومات کا انقلاب برپا ہو گیا ہے۔ اس حوالے سے کمپیوٹر اور موبائل میں نت نئی معلومات متعارف ہو رہی ہیں، اس لیے میرا خیال ہے کہ آئندہ وہی زبان زندہ رہے گی جو جدید طریقوں کا استعمال بروئے کار لائے گی۔

قومی لسانی پراسیسنگ لیبارٹری کے سافٹ ویئروں کے بنیادی حصے (الفا ورژن) کا افتتاح

کانفرنس کی منعقدہ پہلی نشست کے دوران ہی مذکورہ تینوں الفا سافٹ ویئروں یعنی ابتدائی کاموں کا افتتاح انجینئر امیر مقام نے وفاقی سیکریٹری قومی ورثہ و ثقافت ڈویژن فارینہ مظہر اور مسندِ صدارت پر تشریف فرما مہمانانِ گرامی کے ہمراہ فیتہ کاٹ کر کیا۔

اس حوالے سے مختصر تعارفی اور معلوماتی دستاویزی پروگرام کانفرنس ہال میں نصب سکرین پر پیش کیا گیا۔ جس میں بتایا گیا کہ اُردو زبان کو جدید تقاضوں کے مطابق ہم آہنگ کرنے اور قومی زبان کو کمپیوٹر کی تکنیکی زبان بنانے اور اس کے استعمال میں آسانیاں فراہم کرنے کے لیے ادارہ فروغِ قومی زبان نے ترقیاتی منصوبے بعنوان ''قومی لسانی پروسیسنگ لیبارٹری'' کے تحت تیار کردہ تین اہم سافٹ ویئروں یعنی مشینی ترجمہ کاری (MT-Machine Translation)، بصری حروف شناسی (OCR-Optical CharactersRecognition) اور آواز بہ متن (ASR- Automatic Speech Recognition) کے الفا ورژن تیار کیے ہیں۔ ان سافٹ ویئروں کو جدید ٹیکنالوجی کے علاوہ کمپیوٹر اور موبائل میں استعمال کرتے ہوئے دُنیا بھر میں اُردو کو فروغ و دوام حاصل ہوگا بلکہ اس عمل سے اُردو کو دفتری زبان بنانے میں بھی بہت مدد ملے گی۔

مہمانِ خصوصی انجینئر امیر مقام نے مجیب الرحمٰن شامی کے استفسار سے متعلق کہا کہ ہم نے ڈویژن کی سطح پر ''مقتدرہ'' کو پُرانے نام سے بحال کرنے کے بارے میں غور و خوض کیا تو تکنیکی طور پر یہ نتیجہ سامنے آیا کہ ہم فی الفور ایسا قدم اُٹھانے سے قاصر ہیں۔ انھوں نے اس بات کا برملا اظہار کیا کہ دُنیا میں ہر ملک کی اپنی زبان ہے اور وہ اپنی ہی زبان بولتے ہوئے فخر کرتے ہیں جبکہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم احساس محرومی کا شکار ہو کر اپنی زبان اُردو کو چھوڑ کر کسی کی قابلیت کا معیار انگریزی کو گردانتے ہیں۔ یہ بات کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا کہ جب ہم سرکاری دوروں پر بیرون ملک جاتے ہیں تو وہاں اپنی قومی زبان اُردو کے بجائے انگریزی کا رٹا لگانے کے باوجود بھی صحیح انگریزی نہیں بول سکتے، اس وجہ سے کئی بار عالمی ذرائع ابلاغ کے سامنے خفت کا سامنا بھی کرنا پڑا ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ ہماری قومی زبان اُردو ہے۔ اس پر ہم پختہ یقین کریں اور جہاں کہیں بھی ہوں ڈٹ کر اُردو کو ذریعۂ اظہار بنائیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ ادارۂ فروغ قومی زبان کے ترقیاتی منصوبے ''قومی لسانی پراسیسنگ لیبارٹری'' کے ذریعے اُردو زبان کو جدید تقاضوں کے مطابق ہم آہنگ کرنے اور قومی زبان کو کمپیوٹر کی زبان بنانے اور اس کے استعمال میں آسانیاں فراہم کرنے کے لیے تین سافٹ ویئروں کے جن الفا ورژن کا افتتاح کیا ہے، مجھے یقین کہ جلد ہی ان کے دوسرے (بیٹا ورژن) اور پھر حتمی (ورژن) بھی تیار کر کے سرکاری دفاتر اور عام لوگوں کے استفادے کے لیے فراہم کیے جائیں گے۔ اس اہم کام پر ادارۂ فروغِ قومی زبان کی قومی لسانی پراسیسنگ لیبارٹری کی پوری ٹیم مبارک باد کی مستحق ہے۔ انجینئر امیر مقام نے کہا کہ کانفرنس کا بنیادی مقصد علم و دانش اور فکری سوچ کو پروان چڑھانا ہے جسے اپنا کر پاکستان کو ترقی اور آگے بڑھنے کی جانب گامزن کیا جا سکے کیونکہ آپ جیسی مدبر شخصیات جن کی دانش، علمی اور فکری سوچ کو لوگ سنتے، سمجھتے اور پرکھتے ہیں اور آپ جیسی قدآور شخصیات ہی اُن کو مطمئن کر سکتی ہیں، انھوں نے کہا کہ سچ اور حقائق کو بیان کرنا صحافت اور صحافی کا اوّلین فریضہ اور ذمہ داری ہے۔ ہمیں یہ چیز سب سے پہلے پیش نظر رکھنی ہے کہ ہم سب آج جو کچھ بھی ہیں وہ صرف اور صرف پاکستان کی وجہ سے ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ کتاب کی اہمیت

کانفرنس میں سیدہ روشان علی، جویریہ اور دیگر ارکان قومی لسانی پراسیسنگ لیبارٹری کے حوالے سے تفصیلات سے آگاہ کر رہے ہیں

دوسری نشست کی صدارت سینئر صحافی نواز رضا کر رہے ہیں، حافظ طاہر خلیل، یاسمین اختر اور رباب تبسم اسٹیج پر موجود ہیں

سے انکار نہیں کیا جاسکتا، ہمیں کتابیں خریدنی اور پڑھنی چاہئیں۔

آج کی اس کانفرنس کے موقع پر تین روزہ کتاب میلہ قابلِ تعریف اقدام ہے اور مجھے یقین ہے کہ نہ صرف صاحبانِ علم بلکہ عام لوگ بھی اس کتاب میلے سے استفادہ کریں گے۔ اداروں کا کام صرف کتابیں چھاپنا نہیں بلکہ ان کو لوگوں تک رعایتی نرخوں پر پہنچانے کا اہتمام بھی ضروری ہے اور یہ میلہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک اہم قدم ہے۔ اس کے علاوہ نیشنل لائبریری کی جانب سے مخطوطات اور ماڈل لائبریری کو نمائش کے لیے رکھا گیا ہے جس سے کتاب کے فروغ کے سلسلے میں دلچسپی پیدا ہوگی۔ انھوں نے ذرائع ابلاغ میں صحافیوں کے کردار کو سراہتے ہوئے کہا کہ ذرائع ابلاغ کا عوام میں قومی سطح پر آگاہی پیدا کرنے میں اہم کردار ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اخبارات اور ٹی وی چینلوں کو اپنے ملک، نظریات، ثقافت، اپنے رسم الخط اور زبان کی حفاظت کرنی چاہیے تاکہ ہمارا ثقافتی ورثہ آئندہ نسلوں تک محفوظ رہے۔ انھوں نے کہا کہ موجودہ حکومت اردو زبان کے فروغ کے لیے پُرعزم ہے اور اس کے فروغ کے لیے ہر سطح پر ہر ممکن اقدامات اٹھا رہی ہے، اردو صحافت نے انسانی حقوق اور جمہوریت کے تحفظ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

ممتاز صحافی و تجزیہ کار جناب مجیب الرحمٰن شامی نے کہا کہ ہمیشہ اُردو صحافت نے اُردو زبان کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس وقت اُردو صحافت جس زبوں حالی کا شکار ہے اسی طرح اُردو زبان بھی نظر انداز کی جارہی ہے۔ اس موقع پر مجیب الرحمان شامی نے امیر مقام صاحب کو مخاطب کر کے افتخار عارف صاحب کی نظم دہرائی:

جاہ و جلال ، دام و درہم اور کتنی دیر
ریگِ رواں پہ نقش قدم اور کتنی دیر

انھوں نے کہا کہ سیاست، صحافت اور معیشت ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ انھیں الگ نہیں کیا جا سکتا۔ موجودہ عہد میں تنزلی کا یہ حال ہے کہ سیاسی رہنما ایک دوسرے کو حب الوطنی کے سرٹیفکیٹ بانٹیں گے تو معاملات بگڑیں گے ہی نہ کہ سدھریں گے۔ ہمارے زمانے میں بھی اختلاف رائے ہوتا تھا مگر دشمنی کی یہ شدت پسندی نہیں تھی۔ انھوں نے کہا کہ اگر ہم پاکستان میں دستور کی پابندی کر رہے ہوتے تو آج حالات مختلف ہوتے۔ پاکستان کو آگے بڑھنے اور پھلنے پھولنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم سب دستور پر لفظاً، معناً عمل پیرا ہوں کیونکہ دستور کے بغیر نہ صحافت ہے نہ سیاست ہے۔ اُردو صحافت کے دو سو سال ہو گئے۔ کلکتہ میں ''جہاں نما'' سے اُردو صحافت کا آغاز ہوا۔ اُردو صحافت ایک مقدس پیشہ اور نظریاتی تحریک بھی تھی۔ اس وقت جو لوگ اس پیشے سے وابستہ تھے وہ اصل میں تحریک آزادی کے مجاہد تھے۔ انھوں نے صحافت کے ذریعے آزادی کی جنگ لڑی اور پاکستان کو آزاد کروانے میں اپنا اہم کردار ادا کیا۔ اس وقت صحافت جدید ڈیجیٹل دور سے گزر رہی ہے۔ اخبارات ہر ایک کی پہنچ میں ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ ہم نے اپنی زبان کے ساتھ بھی وہی کیا جو اپنے دستور اور جمہوریت کے ساتھ کر رہے ہیں کیونکہ اُردو زبان کو قوم نے تو اپنا لیا مگر دفتری، عدالتی اور سرکاری سطح پر اس کو اپنا مقام نہیں دیا جا رہا حالانکہ اُردو کا امتیاز ہے کہ یہ زبان طورخم سے لاڑکانہ تک بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ میں یہ بات کہنے میں حق بجانب ہوں کہ مقتدر لوگوں اور وسائل یافتہ طبقے نے گھروں سے اُردو زبان کو نکال دیا ہے۔ ہمیں ایسے اداروں کو فروغ دینا چاہیے جہاں اُردو بولی، پڑھائی اور اپنے رسم الخط میں لکھائی جاتی ہے۔ اس وقت اردو زبان اور صحافت کا تحفظ بہت ضروری ہے۔ ہمیں نظریے کے اندر سرمایہ کاری کرنے کی ضرورت ہے وہ بھی فکری سرمایہ کاری۔ اس وقت ضرورت ہے کہ عدالتِ عظمیٰ کی ہدایات کی روشنی میں اُردو کو فوری طور پر سرکاری زبان بنایا جائے۔ مجھے اُمید ہے کہ ان تمام مسائل و مشکلات کے باوجود اُردو صحافت، اُردو زبان اور پاکستان کا مستقبل شاندار اور روشن ہے۔

ممتاز شاعر، دانشور، افتخار اُردو افتخار عارف نے کہا کہ دُنیا میں زبانوں کا مستقبل جدید ٹیکنالوجی سے وابستہ ہے جو زبانیں اس کا ساتھ نہیں دے سکیں گی وہ معدوم ہو کر ختم ہو جائیں گی۔ انھوں نے کہا کہ اُردو صحافت چل رہی ہے مگر انگریزی کا کوئی بھی چینل کامیاب نہیں ہوا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ اُردو ہی کے ذریعے لوگوں سے بات اور رابطے کر سکتے ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ قیامِ پاکستان کے وقت اُردو صحافت ایک تحریک تھی جو کہ بعد میں صنعت میں تبدیل ہو گئی ہے۔ دیکھا جائے تو صحافت قومی زندگی کا عکس ہوتی ہے مگر اب بنیادی طور پر صحافت سے مدیر غائب ہو گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس وقت سنسنی خیزی کی وجہ سے اُردو صحافت مسائل و مشکلات کا شکار ہے۔ اُردو صحافت کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہوئے انھوں نے کہا کہ صحافت میں پہلے ادیب، محقق اور دانشور تھے جنھوں نے اُردو صحافت اور اُردو زبان پر بہت بڑا احسان کیا۔ اس کو پاکستان کے طول و عرض میں پھیلایا۔ اب پاکستانی زبانوں کے الفاظ اردو زبان میں آ رہے ہیں۔ بہت سے انگریزی الفاظ اردو میں رائج ہو چکے ہیں، ان کے بولنے میں کوئی حرج نہیں۔ آپ اُردو کو چلن دے سکتے ہیں مگر نافذ نہیں کر سکتے۔ ہاں وقت کے ساتھ ساتھ اُردو کے فروغ کے لیے مختلف اقدامات اور ماحول بنایا جاسکتا ہے۔ جس طرح اس وقت ادارۂ فروغِ قومی زبان نے ''قومی لسانی پراسیسنگ لیبارٹری'' میں سافٹ ویئروں کی تیاری سے ایک بڑا انقلابی قدم اُٹھایا ہے۔ اس کے رواج سے یقیناً اُردو بھی دُنیا کی جدید ترقی یافتہ زبانوں میں شامل ہو جائے گی۔

معروف تجزیہ کار حفیظ اللہ خان نیازی نے کہا کہ آج کل ذرائع ابلاغ میں جس طرح اُردو کو برتا جا رہا ہے اس وجہ سے زبان کی خرابی پیدا ہوئی۔ میں اُردو صحافت کو مسلمانوں کی عظیم جدوجہد تصور کرتا ہوں۔ اردو صحافت کی دو سو سالہ تاریخ ہے جو ''جہاں نما'' سے شروع ہوتی ہے اور اس کی کہکشاں میں مولانا ظفر علی خان، سر سیّد احمد خان، شورش کاشمیری جیسے مدبر نامور صحافی جگمگاتے رہے ہیں۔ ان کے اندر ادب کی چاشنی تھی جس کی وجہ سے ان کا فنِ تحریر صحافت کا طرۂ امتیاز تھا۔ انھوں نے کہا کہ

کانفرنس کے شرکاء جبار مرزا،...... سلیم اختر، علی اصغر شمر، اکبر خان نیازی، حنیف رحمٰن، نثار ماما خیل اور رضوان عزیز کیانی

حافظ طاہر خلیل، رب عائشہ، فہمیدہ بٹ، تزئین اختر، رباب تبسم دوسری نشست میں اظہار خیال کر رہے ہیں

قائداعظم محمد علی جناح نے بھی رسالہ نکالا جس کے وہ مدیر تھے۔ ان کی محنت اور جدوجہد کے نتیجے میں پاکستان حاصل ہوا۔ گذشتہ تین دہائیوں سے صحافت مشکلات کا شکار ہے۔ جب میں جوانی میں میدان صحافت میں آیا تو اُردو صحافت نظریاتی تحریک کی صورت میں نظر آتی تھی مگر اب یہ دم توڑ چکی ہے اور اب وہ نظریاتی نہیں رہی۔ اس وقت پاکستان میں جس طرح سیاست اور دیگر معاملات میں اُتار چڑھاؤ ہے اس کے سبب صحافت بھی افراتفری کا شکار ہے۔ تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مولانا ظفر علی خان، شورش کاشمیری اور دیگر نامور بزرگ صحافیوں نے صحافت ہی کی وجہ سے جیلیں کاٹیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ نفاذِ اُردو میرا دلچسپ موضوع تھا مگر کتنی بدنصیبی ہے کہ ہم اپنی قوم کو زبان نہیں دے سکے۔ ہم نے نصاب تعلیم کے حوالے سے بھی قوم کو تقسیم کر دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان واحد ملک ہیں جہاں دو نظامِ تعلیم رائج ہیں مگر دُنیا بھر میں کہیں ایسا نہیں ہوتا کہ تعلیم و تدریس کے حوالے سے نظامِ تعلیم کو امیر غریب کے لیے الگ الگ کر دیا جائے۔ اس قوم کا جب بھی نوحہ لکھا جائے گا اس کی ایک اہم وجہ یقیناً نفاذ اردو کا مسئلہ ہی ہوگا۔ آخر میں اس مصرع پر اپنے خیالات کا اختتام کیا: ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

بزرگ سیاستدان، ادیب، قلمکار اور پی پی پی کے سیکریٹری جنرل، سینیٹر فرحت اللہ بابر نے کہا کہ میں صحافت کے راستے سے ہی سیاست میں آیا ہوں۔ اردو صحافت اور سیاست کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ انھوں نے کہا کہ پچھتر سالوں میں جو صحافت کا نقشہ رہا ہے وہی اُردو صحافت کا بھی رہا ہے۔ میں وفاقی سیکریٹری قومی ورثہ و ثقافت ڈویژن کو مبارک باد پیش کرتا ہوں جنھوں نے جدید ٹیکنالوجی میں اُردو کے استعمال کو یقینی بنانے کے لیے ادارۂ فروغ قومی زبان کے ذریعے اقدامات اُٹھائے ہیں۔ اس سے اُردو صحافت میں بڑی مدد ملے گی۔ انھوں نے کہا کہ عمومی صحافت کو پاکستان کے مسائل سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا، یہی وجہ ہے کہ موجودہ اُردو صحافت کو تین خطرناک چیزوں نے اپنے لپیٹ میں لے رکھا ہے اُن میں سب سے پہلے یہ کہ صحافتی ادارے آپس کی محاذ آرائی سے ایک دوسرے کو کمزور کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ہم نے اپنی زندگی میں یہ انتہا پسندی پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ دوسرا صحافت اور اُردو صحافت کا معاشی ڈھانچا تبدیل ہو رہا ہے اور اب پیشہ ورانہ صحافت میں مدیر کا کردار ختم ہو رہا ہے اور مالک مدیر (ایڈیٹر) بن جائیں تو صحافتی پیشہ واریت کا استحصال ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں کارکن صحافی پس رہا ہے جس سے صحافت اور اُردو صحافت معاشی زندگی کی جنگ ہار رہی ہے۔ دیکھا جائے تو ہر طرف سے آزادیٔ صحافت کی آواز آ رہی ہے مگر معاشی زندگی پر کوئی توجہ نہیں دے رہا ہے۔ تیسرا مذاکرات کی بجائے ہدایات کی صحافت پروان چڑھ رہی ہے۔ اس کے باوجود ہمارے صحافی اُردو صحافت کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ میں انھیں اتفاق و اتحاد سے رہنے کا مشورہ دیتا ہوں۔

ممتاز ادیب، شاعر، کالم نگار اشفاق حسین نے کینیڈا سے براہ راست اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ کینیڈا میں اردو زبان نقشے میں بہت بعد میں آئی مگر جب بھی اُردو صحافت کی تاریخ لکھی جائے گی تو کینیڈا کے ایک شہر جس کا نام ونکور تھا اس میں ۱۹۰۴ء یا ۱۹۰۵ میں ایک اُردو اخبار نکلا جس کا نام تھا ''غدر''۔ جو تین زبانوں کے رسم الخط میں نکلتا تھا جس میں اُردو رسم الخط، پنجابی (گورمکھی رسم الخط) اور ہندی رسم الخط شامل تھے۔ ساٹھ اور ستر کی دہائی میں یہاں اُردو کا زریں دور شروع ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہاں فرانسیسی اور انگریزی کے ساتھ دیگر زبانوں کی نشوونما بھی شروع ہوئی۔ ٹورانٹو تارکینِ وطن کا اہم مرکز ہونے کی وجہ سے یہاں ادبی، ثقافتی اور صحافتی سرگرمیاں شروع ہوئیں۔ نئی نسل اُردو حروف سے آشنا نہ تھی مگر جدید دور کی جدید سہولیات کی فراہمی یعنی انٹرنیٹ کی وجہ سے برخط (آن لائن) اُردو اخبارات سے بھی خوب آشنائی ہونے لگی ہے۔ اس کے علاوہ اُردو دان طبقے کی وجہ سے بھی نئی نسل اردو شناسی کا فائدہ اُٹھا رہی ہے۔

دوسری نشست کی صدارت سینئر صحافی محمد نواز رضا نے کی، مہمانانِ خصوصی میں حافظ طاہر خلیل، تزئین اختر، رباب عائشہ شامل تھیں۔ ظفر محمود شیخ، عفت رؤف، ڈاکٹر رضوانہ جبیں، اخلاق احمد، فہمیدہ بٹ، عالی شعار بنگش، راحیل خان سواتی، حنیف رحمٰن، فرخندہ شمیم اور شکیل اعوان نے اظہار خیال کیا۔ اس نشست کی نظامت کے فرائض اُستاد، شاعرہ و سیکرٹری مجلسِ قائمہ برائے قومی اسمبلی رباب تبسم نے ادا کیے۔

جامعہ اردو کراچی، شعبۂ اُردو، بین الاقوامی تعلقات عامہ کی استاد ڈاکٹر رضوانہ جبین نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ کانفرنس میں ہمیں اردو صحافت کے نشیب و فراز اور اس کی ترقی و ترویج کے حوالے سے نہایت اہم گفتگو سننے کو ملی۔ میں یہ سمجھتی ہوں کہ اردو صحافت نے پاکستانی صحافت و معاشرت کی تشکیل میں انتہائی اہم کردار ادا کیا ہے۔ وہ سفر جو ۱۸۲۱ میں ''مراۃ الاخبار'' کی اشاعت کے ساتھ شروع ہوا تھا، قیام پاکستان کے بعد بھی جاری و ساری رہا۔ پاکستان کی پچھتر سالہ تاریخ صحافت اس بات کی گواہ ہے کہ شعبۂ صحافت نے نہ صرف بے شمار گوہرِ نایاب پیدا کیے بلکہ اس مقدس و معتبر پیشے کے ذریعے قوم کی ذہن سازی اور شخصیت سازی میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ اردو زبان تہذیب، ذہنی و شعوری بلندی اور کردار و اعلیٰ ذوق کی ترجمانی کرتی ہے۔ اس کی جھلکیاں ہمیں پوری آب و تاب کے ساتھ اردو صحافت کی پچھتر سالہ تاریخ میں نظر آتی ہیں۔ صحافت صرف ایک پیشہ ہی نہیں بلکہ موجودہ دور میں اسے ریاست کا ایک اہم ستون بھی مانا جاتا ہے۔ صحافت کسی بھی معاملے کے بارے میں تحقیق اور پھر اسے صوتی و بصری یا تحریری شکل میں بڑے پیمانے پر ناظرین، سامعین یا قارئین تک مؤثر طریقے سے پہنچانے کے عمل کا نام ہے۔ شعبۂ صحافت میں سب سے اہم نکتہ جو صحافت سے منسلک ہے وہ عوام کو باخبر رکھنے کا ہے۔ یہ ایک ایسا پیشہ ہے جو اخلاقی جرأت و بلندی کا تقاضا کرتا ہے۔ مگر موجودہ دور میں اردو صحافت کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ آج دونوں اقدار کا تقریباً فقدان ہے، جن میں خبر کو

حنیف رحمان، راحیل خان سواتی، ظفر محمود شیخ اور شکیل اعوان کانفرنس میں اظہار خیال کرتے ہوئے

ڈاکٹر رضوانہ جبیں، عالی شعار بنگش، فرخندہ شمیم، طلعت عباس خان کانفرنس میں اظہار خیال کر رہے ہیں

مہمان گرامی جبار مرزا، ڈاکٹر راشد حمید، ثریا نسیم، ڈاکٹر سعدیہ کمال، خلیق الرحمن

پوری تحقیق و تصدیق کے بنا شائع کرنا، الفاظ و مفہوم کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا اور یہاں تک کہ دروغ گوئی اور مبالغہ آرائی سے کام لینا بھی شامل ہے۔ ان تمام مسائل کے ساتھ ایک بڑا مسئلہ اردو زبان کو درست صحت، تلفظ اور لہجے کے ساتھ ادا نہ کرنا بھی ہے جو کہ ایک بڑا المیہ ہے۔ ایک ایسی زبان کے لیے جس کا جنم ہی دہلی اور لکھنو کی اعلیٰ ترین تہذیبوں سے ہوا ہو۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ آج ایک طرف بنگلہ دیش میں اردو زبان متنازعہ بننے کے باوجود اب بھی سانس لے رہی ہے تو دوسری طرف افغانستان اور ایران کے لیے بھی اردو اجنبی زبان نہیں ہے، لیکن ہمارے ہاں آج کل ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ اردو میں لکھ تو ضرور رہے ہیں، لیکن وہ اردو کے اساتذہ سے سیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ اردو لکھتے ہوئے وہ ایسی فاش غلطیاں کر جاتے ہیں، جس سے ہم پڑھنے والوں کو شرمندگی سی ہونے لگتی ہے۔ باعث تشویش یہ ہے کہ نہ صرف اخبارات اور برقی ذرائع ابلاغ یا بلکہ سماجی ذرائع ابلاغ بھی اردو صحافت، اردو زبان اور اس سے جڑی اقدار کو پامال کرنے میں پیش پیش ہیں۔ صحافت کی یہ جہت، جہاں قارئین نہیں بلکہ صارفین مخاطب ہوا کرتے ہیں، وہ زبان و اقدار کی پابندیوں اور سلیقے سے یکسر ناواقف ہوتے ہیں۔ آپ چاہے صحافتی مضمون کا مطالعہ کر رہے ہوں یا اردو میں کوئی ویڈیو رپورٹ سن رہے ہوں، اردو تلفظ، لہجے اور لکھائی میں ہونے والی بے شمار غلطیوں کو سن کر یقیناً بدمزہ ہوتے ہوں گے۔ اردو زبان کے استعمال میں غلطیاں اور لاپروائی نہ صرف زبان کی قدر و منزلت کم ہونے کا ایک اشارہ ہے بلکہ تعلیم و تدریس کے ساتھ اردو صحافت کے زوال کا بھی سبب بن گئی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ صحافت کو پوری ذمہ داری اور الفاظ و زبان کی درست ادائیگی کے ساتھ برتا جائے۔

کیوں کہ بقول داغ دہلوی مرحوم

نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

ممتاز صحافی اور ریڈیو پاکستان کے مبصر راحیل خان سواتی نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ اُردو صحافت کچھ سالوں پر نہیں بلکہ دو صدیوں کو محیط ہے۔ اسے مختلف نقطہ ہائے نظر اور مختلف زاویوں سے دیکھا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ میں اسے اشاعتی اور نشریاتی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ اس وقت اُردو خبر نگاری میں پروف خوانی، تدوین وغیرہ کی طرف عدم توجہی کے سبب املا، تلفظ اور مناسب الفاظ کا استعمال نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ اُردو الفاظ ہونے کے باوجود انگریزی الفاظ کا بے دریغ استعمال کیا جا رہا ہے حالانکہ اس کا اُردو زبان کے فروغ و ترویج سے بڑا تعلق ہے، اس لیے کہ سب سے پہلے کسی چیز کا تحفظ اور پھر اُس کا فروغ ہوتا ہے۔ اس جانب بھرپور توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ اگر اُردو صحافت پر نظر دوڑائی جائے تو موجودہ صحافت اپنی ذمہ داریاں نہیں نبھا رہی بلکہ صنعت بن چکی ہے نوجوان صحافیوں میں بھرپور صلاحیت ہے وہ ہم سے بھی آگے جا سکتے ہیں مگر انھیں رہنمائی اور سمت درست کرنے کی ضرورت ہے، اس لیے ہمیں صحافت کو صحافت اور اُردو کو اُردو سمجھنا ہوگا کیونکہ اُردو ابھی تک ہماری سرکاری دفتری زبان نہیں بن سکی، صورت حال تسلی بخش نہیں مگر پریشان اور مایوس کن بھی نہیں ہے۔ گنجائش موجود ہے اور ایسے مباحثے بہت ضروری ہیں جو بہتری کا راستہ بنیں گے۔

اُستاد متین نے اپنے تدریسی تجربات کے بارے میں گفتگو کا آغاز کیا اور کہا کہ جامعات میں ابھی تک یہ طے نہیں ہوا کہ تدریس و تعلیم کا ذریعۂ تعلیم اُردو ہوگا یا انگریزی۔ اس ضمن میں ہمیں ترجیحات طے کرنے کی ضرورت ہے۔ حالاتِ حاضرہ کے مطابق جامعات میں آنے والی نئی نسل کو تعلیم و تربیت کی بہت ضرورت ہے کیونکہ انھیں مزاحمتی ادب، تنقید اور فکری سوچ کو واضح کرنا اور اس حوالے سے آگاہ کرنا اور اُن میں مطالعہ کی عادات کو پروان چڑھانا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ میدان صحافت میں آنے والے نوجوانوں کو سیکھنے سکھانے اور مثبت سوچ و فکر کی بہت ضرورت ہے۔ مختلف ذرائع ابلاغ کا جامعات سے اشتراک و تعاون بہت ضروری ہے تاکہ ان کے تجربات سے صحافت کی تعلیم حاصل کرنے والے طلبا و طالبات عملی طور پر آگاہی حاصل کر سکیں۔ ''سورس'' کی اہمیت و افادیت کے حوالے سے بھی بتایا کہ کسی بھی خبر کا ماخذ و منبع اہم ہوتا ہے۔ صحافت کے اساتذہ اور طلبا کو بھی اس کانفرنس کا حصہ ہونا چاہیے تھا۔

صحافی، شاعر، ادیب عالی شعار بنگش نے اخبارات کے اشاعتی تجزیے سے اپنی بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت جاپان کے ایک اخبار کی اشاعت ایک کروڑ چالیس لاکھ اور دوسرا اخبار بھی اسی ملک کا ہے جس کی اشاعت ایک کروڑ بیس لاکھ ہے۔ جبکہ پاکستانی اخبارات کی اشاعت کی تعداد بتاتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی ہے۔ میں پاکستانی صحافت کے حوالے سے بات کروں تو کہوں گا اگر ایک لفظ بھی کاغذ پر لکھیے معتبر لکھیے۔ ستم گر کو ستم گر اور چارہ گر کو چارہ گر لکھیے۔ مدیرانِ گرامی اپنے روزناموں میں کبھی تو آمدِ فصل بہار لکھیے۔ روزنامہ جنگ اور نوائے وقت کی عمر پاکستان کی عمر سے زیادہ ہے۔ اخبارات کی تاریخ دُہرانے کا وقت نہیں۔ یہ کہتا چلوں کہ اُردو صحافت میر کی غزل اور اقبال کا ازلی شعور لے کر آئی تھی۔ ہر دور میں مختلف منصوبوں، نشیب و فراز کے ترانے گائے اور اخبارات کی زینت بنتے رہے ہیں۔ اُردو صحافت کو ریڈیو پاکستان اور ٹیلی ویژن پر ناز ہے جو اس کے ترجمان بنے۔ اُردو صحافت نے، آئین سازوں نے نہ صرف یہ احساس دلایا کہ اُردو نہ صرف لنگوا فرینکا ہے بلکہ

کانفرنس میں شریک مہمان سلطان محمود شاہین، ڈاکٹر شیر علی، ڈاکٹر محمد وسیم انجم، نیئر علی اور دیگر

اختتامی نشست کی صدارت سینئر صحافی حنیف خالد نے کی آر آئی یو جے کے صدر افضل بٹ، کالم نگار ڈاکٹر فاروق عادل، ڈاکٹر راشد حمید اور ڈاکٹر ناہید قمر موجود ہیں

ہر لحاظ سے اُردو زبان، قومی زبان، سرکاری و دفتری زبان بن کر پاکستان کو ترقی کی راہ پر گامزن کر سکتی ہے۔ جبھی تو ۱۹۷۳ء کی حکمت عملی میں شامل کیا گیا تھا کہ آئندہ پندرہ سال کے اندر اُردو کو دفتری، سرکاری زبان کے ساتھ ساتھ نظامِ تعلیم کی زبان بھی بنا دیا جائے گا۔ اُردو صحافت نے ادبی دُنیا کے ساتھ ساتھ صحافت، سیاست، ثقافت، معیشت، کھیل، فلم، تھیٹر حتیٰ کہ رشتے کروانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ تاہم آج کی صورت حال ایسی ہے کہ شاندار ماضی اور اعلیٰ روایات کی امین صحافت آج املا کی غلطیاں کر رہی ہے۔ بہر حال اُردو صحافت عالمی صحافت کے معیار پر پورا اُترتی ہے۔

سینئر صحافی روزنامہ جنگ، اسلام آباد کے بیورو چیف حافظ طاہر خلیل نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے پچھتر سالوں میں سیاست اور اُردو صحافت کی تاریخ ملتی جلتی ہے۔ کیونکہ صحافت اور جمہوریت کی کیمسٹری ایک ہی ہے۔ اگر ملک میں جمہوریت ہوگی تو صحافت فروغ پائے گی۔ صحافت کے چار عشروں کا عینی شاہد ہوں میں نے سیاست اور صحافت کی تاریخ کے اُتار چڑھاؤ دیکھے ہیں۔ مجھ سے جو کوئی بھی سوال پوچھتا کہ پاکستان کی پچھتر سالہ اُردو صحافت کی تاریخ کیا ہے تو میں کہوں گا کہ پاکستان کی اُردو صحافت کی تاریخ سنسر شپ کے تابع رہی۔ اس سنسر شپ کا آغاز ۱۱ راگست ۱۹۴۷ء کو قائداعظم کے پہلی دستور ساز اسمبلی میں خطاب سے ہوا۔ یہ پاکستان کا پہلا بیانیہ بھی تھا۔ جس میں انھوں نے پاکستان کے خدوخال بیان کیے کہ مستقبل کا پاکستان کیسا ہوگا؟ یہاں بدعنوانی اور سماجی برائیوں کا خاتمہ کس طرح ہوگا؟ آئین بنانے کی حکمت عملی کیا اختیار کی جائے گی؟ جیسے تمام اہم پہلوؤں کا جائزہ قائداعظم نے اپنی تقریر میں پیش کیا۔ قائداعظم کی تقریر کانٹ چھانٹ کے بعد نشر ہوئی۔ اس طرح انھوں نے قائداعظم کے حوالے سے اور بھی واقعات کا ذکر کیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ اُردو صحافت کا ذرائع ابلاغ بہت وسیع ہے۔ آج صحافت اس وجہ سے مشکلات کا شکار ہے کہ ہمیں خبر کا اسلوب اور حقائق کا پتہ نہیں ہے۔ ہم غیر مصدقہ اور غیر متعلقہ اطلاع کی بنیاد پر اپنے ''نیوز روم'' کو کمزور کر رہے ہیں۔ ہم اس وجہ سے خائف ہیں کہ سماجی ذرائع ابلاغ آ گیا ہے اور ہم کمزور ہو رہے ہیں۔ ہم حقیقت کو جان کر خبر پیش کرتے تو ہم کبھی بھی سماجی ذرائع ابلاغ سے خائف نہ ہوتے۔ اظہارِ رائے کی وجہ سے پاکستان کے نامور بزرگ صحافی پابند سلاسل رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ انقلاب یہ ہے کہ آپ اپنی بات بھی کہہ دیں اور زندہ بھی رہیں، صحافت وہی کامیاب ہوتی ہے جو جمہوریت کے ساتھ چلے۔ کیونکہ جمہوریت اور صحافت ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ ہمیں ماضی کو بھلا کر آگے بڑھنا ہوگا۔ لیکن ماضی سے سبق بھی حاصل کرنا ہوگا۔ اُردو صحافت اس وقت اس لیے بھی زوال کا شکار ہے کہ اس میں انگریزی الفاظ کی بھرمار ہے۔ اس وقت اُردو صحافت کی بقا اور فروغ کا مسئلہ ہے، مختلف چیلنجوں، مشکلات کے باوجود اُردو صحافت کو آگے بڑھانا ہے۔ اس ضمن میں ادارۂ فروغ قومی زبان اور ذرائع ابلاغ کے اداروں کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔

خیبر چینل اسلام آباد کے بیورو چیف حنیف رحمٰن نے اُردو صحافت کے حوالے سے اپنے دورانِ تدریس تجربات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ہمیں طالب علم اور نوجوان صحافیوں کی تربیت پر بھرپور توجہ کرنا ہوگی کیونکہ اس وقت طلبہ میں تربیت کا فقدان ہے۔ اس کے علاوہ صحافت سے وابستہ طالب علم مطالعۂ کتب سے بھی دور ہیں۔ اس وجہ سے ہمیں جامعات میں زیرِ تعلیم اور نوجوان صحافیوں کے لیے ایسی حکمت عملی اپنانا ہوگی کہ وہ دورانِ تدریس صحافتی اور عملی تربیت بھی حاصل کریں۔

ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی میزبان اور سینئر صحافی فہمیدہ بٹ نے کہا کہ صحافی صحافت کی روح ہیں۔ یہ ایسا موقع ہے کہ اس وقت اظہارِ خیال کرنا پُل صراط سے گزرنے کے مترادف ہے۔ آج کل صحافت کا پُرآشوب دور ہے، حالانکہ صحافت اس وقت پاکستان کا چوتھا ستون ہے مگر اس وقت صحافت صنعت کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔ صحافت اس نہج پر پہنچ چکی ہے کہ اس میں عامل صحافی، غیر عامل صحافی، زرد صحافت، لفافہ صحافت، ٹاؤٹ اور پروپیگنڈہ وغیرہ کی اصطلاحیں رائج ہو چکی ہیں۔ اب صحافت اور صحافتی اداروں کا تیاپانچا ہو چکا ہے۔ صحافت میں مختلف جہتیں کھل گئی ہیں۔ ڈیجیٹل میڈیا کی وجہ سے قلم کا مزدور باقی نہیں رہا۔ اب قلم کا استعمال باقی نہیں رہا۔ انھوں نے کہا کہ موجودہ صورت حال کو دیکھا جائے تو لگتا ہے کہ صحافت سے زبان و ادب کو نکال دیا گیا ہے۔ شرم کا مقام ہے کہ میرے ہی ملک میں تعلیمی و تدریسی اداروں میں اُردو کو دوسری زبان کے طور پر پڑھایا جا رہا ہے۔ کچھ عرصہ قبل یکساں نصاب کی بات ہوئی تو اُس میں بھی انگریزی کو فوقیت دی گئی۔ بچپن میں تخلیقی تحریر کے لیے ہدایات دی جاتی تھیں کہ اخبارات پڑھیں مگر اب اخبارات میں غلطیوں کی بھرمار ہے۔ اب الفاظ کی درستی کے لیے لغات دیکھنا پڑتی ہیں۔ اس لیے ہمیں یہ سوچنا ہوگا کہ ہم اپنی نسلوں کے لیے کیا کچھ چھوڑ کر جا رہے ہیں۔

سینئر صحافی و اُستاد ظفر محمود شیخ نے غالب کے شعر ''گیسوئے اردو ابھی منت پذیر شانہ ہے — شمع یہ سودائی دل سوزئ پروانہ ہے'' سے اپنے اظہار خیال کا آغاز کیا اور کہا کہ غالب کے شعری انداز سے یقیناً اندازہ نہیں ہوتا کہ اُن کے جانے کے ڈیڑھ صدی بعد بھی یہ معاملہ جوں کا توں رہے گا اور مسلمانوں کا اگر کوئی ملک بن بھی گیا تو وہ بھی تین چوتھائی صدی کے بعد وہیں کھڑا ہوگا جہاں ڈیڑھ صدی قبل اُردو کھڑی تھی۔ بہت سوں کی رائے ہے کہ اُردو اب زوال پذیر ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے مٹ جانے کا بھی خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس کی تصدیق یا تردید ماہر لسانیات ہی کریں گے مگر گزشتہ ساڑھے تین دہائیوں سے میرا اُردو صحافت کے ساتھ تعلق ہے تو اُس نے یہ ثابت کیا ہے کہ اُردو اس قوم کی ترجیحات میں شامل نہیں۔ اسی دوران میرا شعبۂ صحافت کی تدریس سے تعلق قائم ہوا اس سے کافی حد تک میری آنکھیں بھی کھل گئی ہیں کہ جامعات جو صحافی تیار کر رہی ہیں

رخسانہ صولت، اظہر سلیم مجوکہ، شفیق مراد (جرمنی)، محمد شعیب مرزا اور مظہر شہزاد کانفرنس میں اظہار خیال کر رہے ہیں

عزیز علوی، تاثیر مصطفیٰ، بینا گوئندی (امریکا)، محمودہ نازیہ اور حمید قیصر کانفرنس میں اظہارِ خیال کر رہے ہیں

وہ کسی بھی زبان سے نابلد ہیں بلکہ اکثر کے نزدیک اُردو جاننا ضروری بھی نہیں بس اتنی اُردو آنی چاہیے کہ اُردو کا مضمون پاس کر کے ڈگری حاصل لیں۔ ویسے تو انگریزی سے بھی اُتنے ہی واقف ہیں جتنے اُردو سے، کیونکہ یہ اُردو کے بغیر نہ انگریزی بول سکتے ہیں اور نہ ہی انگریزی کے بعد اُردو۔ اس صورت حال کے ذمہ دار اساتذہ نہیں بلکہ پورا معاشرہ ہے اور پیشۂ صحافت کو اس صورت حال کا ذمہ دار خصوصاً ٹھہراتا ہوں۔ صحافت کے معیارات مٹ رہے ہیں۔ اس کے باوجود اُمید کے چراغ ابھی بجھے نہیں۔ ان معیارات اور نقوش کو پھر سے روشن کرنا ہے۔

ٹیکسلا سے تشریف لائی صحافی و کالم نگار عفت رؤف نے اپنے قازقستان میں قیام کے دوران ایک تحقیقی مقالہ ''کیا صحافت ترقی کی ضامن ہو سکتی ہے'' (جو قازقستان کی صحافت کے تناظر میں ہے) پر گفتگو کرتے ہوئے آزادیٔ اظہارِ رائے کے حوالے سے وسط ایشیائی ریاستیں، چین، افغانستان، ایران اور دیگر ہمسایہ ممالک کے صحافتی اعداد و شمار پیش کیے اور کہا کہ پاکستان اور چین میں صحافت کی فضا قدرے معتدل ہے جبکہ قازقستان میں اپنی کارکردگی کی بنا پر روس اور وسط ایشیائی ممالک کے ساتھ ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ قازقستان کی صحافت تجارتی تشہیر، بردباری کی ترویج پر مبنی ہے۔ قازقستان میں عملی صحافت کے ساتھ ساتھ علمی صحافت رائج ہے۔ خبر کی تعلیم و تدریس کے ساتھ بین الاقوامی روابط کے اقدام کی غرض سے یہاں کے تعلیمی ادارے سرگرمِ عمل ہیں اور متوازن صحافت کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ ذرائع ابلاغ پر روسی اور قازقی زبان کو اوّلیت حاصل ہے اور دوسری زبانوں کو بہت کم اظہار کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ بہت کم عرصے میں قازقستان نے قازقی زبان کو قومی اور سرکاری زبان کا درجہ دیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ قازق سفیر نے ایک موقع پر کہا کہ ہم پاکستان کے ادیبوں اور اہلِ قلم کے ساتھ ادب و ثقافت، تراجم اور دیگر مشترکہ معاملات پر ایک دوسرے سے تعاون چاہتے ہیں۔ انھوں نے آخر میں یہ شعر پڑھا: دُنیا میں باوفا دوست دُنیا مت ڈھونڈیے ۔ دیکھیے کم سے کم بے وفا کو۔

روزنامہ جنگ کے سینئر صحافی شکیل اعوان نے اپنے مختصر اظہارِ خیال میں کہا کہ باتیں کرنے کے لیے بہت ساری مگر مختصراً کہوں کہ اُردو صحافت کو سماجی ذرائع ابلاغ کے طوفان سے بچانا ہے کیونکہ یہ ذریعہ ابلاغ اُردو صحافت کو کھا گیا ہے۔ میرے خیال میں ہمیں اپنے قلم سے اُردو صحافت کو بچانا ہوگا۔ اس وقت اُردو صحافت کو بچانے کا وقت ہے اس لیے آپ جیسے صاحبانِ فکر و دانش اس کو بچانے میں ہمارے رہنمائی کریں۔

سینئر صحافی منیر احمد نے اُردو اور انگریزی صحافت کے تقابل پر اپنا تجزیہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ جیسا کہ ذکر ہوا جاپان کے اخبارات اتنے کیوں پڑھے جاتے ہیں اور پاکستان کے کیوں نہیں؟ میں اس کو اس تناظر میں دیکھتا ہوں کہ بین الاقوامی اخبارات کی شہ سرخیوں میں کوئی سیاسی بیان نہیں ہوتا۔ جیسا کہ جاپان کا اخبار کھول کر دیکھا تو اُس کے پہلے صفحہ پر جاپان کے عوام اور سماجی مسائل کے متعلق کہانیاں شائع ہوتی ہیں۔ میں قومی ذرائع ابلاغ اور صحافت کے تزویراتی منصوبوں پر بھی کام کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ کیا ہم نے کبھی اُردو کو اُس سطح پر لے جانے کی کوشش کی جہاں پر بی بی سی اُردو، وائس آف امریکہ، وائس آف جرمن، شام کے اخبار انڈیپنڈنٹ اور روس کے چینل نے اُردو کو پہنچایا۔ اُردو صحافت اور اُردو کو بامِ عروج پر پہنچانے میں سارے بین الاقوامی ذرائع ابلاغ اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت صحافیوں کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ ادارۂ فروغِ قومی زبان نے اس کانفرنس کا انعقاد کر کے بہت اچھا قدم اُٹھایا ہے۔ اس ضمن میں میری تجویز ہے کہ اس کو عملی طور پر مشاورتی، نظرِ ثانی نشستوں کے ساتھ اور مختلف تربیتی ورکشاپوں کے ذریعے آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔

صباحت نسیم، ڈاکٹر رقیہ، محمد اکبر خان نیازی، وقاص عزیز اور منیر احمد کانفرنس میں اظہارِ خیال کر رہے ہیں

سینئر صحافی رباب عائشہ نے صحافت میں اپنے ابتدائی ادوار کے تجربات بیان کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایک وقت تھا جب اُردو صحافت میں زبان کی صنف پر زور دیا جاتا تھا۔ شائستگی سے متصادم جملوں پر توجہ دی جاتی تھی۔ میں جب میدانِ صحافت میں آئی تو اُس وقت پی ٹی وی پر اسلم اظہر تذکیر و تانیث، زبان کی درستی اور املا پر رہنمائی کرتے۔ اخلاقیات سے عاری جملوں کا کبھی بھی استعمال نہیں ہوتا تھا اور تذکیر و تانیث کا پورا پورا خیال رکھا جاتا تھا۔ اب ذرائع ابلاغ پر مختلف جملے، محاورے اور روزمرہ گفتگو میں الفاظ کا غلط استعمال ہو رہا ہے۔ انھوں نے چند مثالوں کے ذریعے اُردو صحافت میں درست تلفظ، درست املا اور الفاظ کے مناسب، برموقع و محل استعمال کے حوالے سے بتایا۔ انھوں نے کہا آج کل ذرائع ابلاغ پر لفظ ''عوام'' کو مؤنث کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے جبکہ یہ لفظ مذکر ہے۔ اگر دوائی کی بجائے دوا لکھا جائے تو یہ درست ہے۔ اس طرح کی اور بہت سی مثالیں دیں۔ انھوں نے کہا کہ اس وقت اہلِ قلم اور فکر و دانش کو اُردو صحافت، اُردو زبان و ادب اور اُردو گرامر پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

کالم نگار و وکیل طلعت عباس خان نے بطور کالم نگار اور وکیل عدالتِ عظمیٰ اپنے روزمرہ معمولات، تجربات اور عدالتی امور سے متعلق گفتگو کی۔ انھوں نے کہا کہ آج کل اکثر اخبارات کے مالکان مختلف کارخانوں اور زمینوں کے کاروبار سے منسلک ہیں۔ صحافت کے متعلق قواعد و ضوابط بنانے چاہئیں۔

سینئر صحافی، ادیب اور روزنامہ اذکار کے مدیر تزئین اختر نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں دوسروں پر تنقید کرنے کا بہت شوق ہے۔ پہلے پہل عام آدمی بھی اخبار میں غلطی برداشت کرنے کا متحمل نہیں تھا چاہے وہ اخبار مفت لے کر ہی پڑھ رہا ہو۔ اس طرح جب ہم نوجوانی کے دور میں اخبار پڑھتے تو ہم بتاتے تھے کہ اخبار میں یہ غلطی ہے تو اُس وقت بھرپور توجہ دی جاتی تھی۔ مگر اب روزمرہ معمولات کی بدولت اخبارات میں غلطیوں کی بھرمار ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ دیکھا جائے تو بدعنوانی ہر شعبے میں موجود ہے مگر صحافی پر تنقید زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے میں کہوں گا کہ صحافی اور اخبارات میں اُسی طرح غلطیاں

عفت رؤف، محمود مسلم، لقمان شاہ اور عاشر تنویر کانفرنس میں اظہار خیال کر رہے ہیں

ہیں جس طرح ہم سب میں ہیں۔انھوں نے کہا کہ ''یوٹیوبر'' کو آپ ''ریٹنگ'' دیتے ہیں اس میں صحافی کا کیا قصور ہے۔اخبارات کی تعدادِ اشاعت کم ہو رہی ہے۔اس لیے صحافت اور ہم سب زوال پذیر ہو رہے ہیں کیونکہ ہم سب قصوروار ہیں۔حالانکہ صحافی تنقید اصلاح کے لیے کرتا ہے۔صحافی اب بھی قلم کی حرمت کے لیے کام کر رہا ہے اور صلے میں معاشی تنگ دستی کا شکار ہے۔انھوں نے اُردو زبان کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ''اُردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغؔ - سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے''۔میں یہاں پر قازقستان کی مثال دوں گا کہ وہ ملکی ہم آہنگی کے لیے اپنی زبان کو اہمیت دے رہے ہیں۔اس لیے ہمیں بھی قومی زبان اُردو کو مقام دینا ہوگا کیونکہ یہ قومی سلامتی اور یکجہتی کا ایک ذریعہ ہے۔قومی زبان اُردو نئی نسل کو سکھانا انھیں بطور ایک ہتھیار دینے کے مترادف ہے۔زبان آپ کے علم و ادب کو نکھارتی ہے۔پاکستان کی معاشی صورت کے حال کے پیش نظر ہمیں اُردو محاورات اور جملوں کو بھی تبدیل کرنا پڑے گا۔دوسری زبانوں کے الفاظ اُردو میں رچ بس چکے ہیں۔اب ہمیں انھیں اُردو ہی کا حصہ سمجھنا چاہیے۔اُردو مختلف ممالک میں اپنا راستہ نکال رہی ہے۔

دوسری نشست کے صدر ممتاز صحافی اور آر آئی یو جے دستور کے صدر محمد نواز رضا نے کہا کہ میں اُردو صحافت کے پچھتر سال کو دو تین ادوار میں تقسیم کرتا ہوں۔جمہوری اور مارشل لاء دور میں صحافت پر پابندیاں لگانے کا طریقہ کار ایک ہی رہا ہے۔ان ادوار میں صحافت پر سنسر شپ کی پابندی جاری رہی۔میں نے روزنامہ نوائے وقت میں چھتیس برس کام کیا۔اس دوران جو بھی کالم لکھا جاتا تھا وہ حمید نظامی صاحب کے دیکھے بغیر شائع نہیں ہوتا تھا۔وہ ہر کالم کو خود دیکھتے اور اُس کی نوک پلک سنوارتے۔اس کے علاوہ رہنمائی بھی کرتے۔انھوں نے کہا کہ اس وقت بھی صحافت پر دیکھی اور اَن دیکھی پابندیاں ہیں۔ہمارے ملک کو سماجی ذرائع ابلاغ نے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔بہت اچھے اچھے نوجوان صحافت کی تعلیم پڑھ کر فارغ ہوئے ہیں، جب اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ میں اُنھیں کام کرنے کا موقع نہیں ملتا تو وہ سماجی ذرائع ابلاغ کی طرف رجوع کر کے ''یوٹیوبر'' بن رہے ہیں۔یوٹیوبر بننا کوئی بُری بات نہیں ہے مگر اُس کے لیے حدود وقیود اور اخلاقیات ہونی چاہییں۔اب بڑے بڑے صحافی مجبور ہیں کہ وہ سماجی ذرائع ابلاغ پر اپنے چینل بنائیں۔نواز رضا نے کہا کہ پاکستان میں اس وقت صحافت خطرناک صورت حال سے دوچار ہے۔صحافیوں کو پیچیدہ مسائل میں اُلجھنے کی ضرورت نہیں اور ہمیں دُہرے معیار سے باہر آ کر سوچنا ہوگا۔میں کہتا ہوں کہ آزادیٔ صحافت کا احترام کریں اور کرائیں۔صحافی کی دیانت داری کا معیار اُس کے طرزِ زندگی سے لگانا چاہیے۔صحافت کی آزادی کے حوالے سے ۱۹۷۳ء کا آئین ہماری رہنمائی کرتا ہے اور ہم اس کے دفاعی بھی ہیں۔انھوں نے کہا کہ پاکستان میں اُردو کے حوالے سے سکول آف تھاٹ کا مسئلہ ہے۔ہیں۔املا کے حوالے سے اُنھوں نے مثالیں بھی دیں اور کہا کہ اخبار میں جب غلطیوں کی نشاندہی ہوتی تو اگلے دن ہماری باز پُرس ہوتی تھی مگر اب اخبارات میں غلطیوں کی بھرمار ہے۔پہلے مدیر اپنے کارکن کو تحفظ دیتے تھے، رہنمائی کرتے تھے مگر اب اس چیز کا فقدان ہے۔ہمیں اس جانب توجہ دینا ہوگی۔

میزبان ڈاکٹر راشد حمید نے نشست کے آخر میں تمام مہمانانِ گرامی کا شکریہ ادا کیا اور اس سوال کے جواب میں کہا کہ یہاں کہا گیا کہ کانفرنس میں صحافت کے طلبہ و اساتذہ کو مدعو نہیں کیا گیا تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ وقتاً فوقتاً اساتذہ و طلبہ سے وفود کی صورت میں گفت و شنید ہوتی رہی ہے مگر صحافیوں کا اس طرح سے ادارے میں رابطہ ممکن نہیں ہوتا جس کی وجہ سے اس کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔

اختتامی نشست کی صدارت جنگ گروپ کے سینئر صحافی حنیف خالد نے کی۔مہمانانِ خصوصی میں ڈاکٹر فاروق عادل، افضل بٹ، رخسانہ صولت، عزیز علوی، محمود مسلم، بینا گوئندی (امریکا)، اظہر سلیم مجوکہ، شفیق مراد (جرمنی)، محمد شعیب مرزا، مظہر شہزاد شامل تھے۔ڈاکٹر ظفر مختار، تاثیر مصطفےٰ، فرخندہ شمیم، محمود غازیہ، حمید قیصر، وقاص عزیز، لقمان شاہ، عمرانہ کومل، صباحت نسیم، ڈاکٹر رقیہ عباسی اور عاشر تنویر نے اظہار خیال کیا جبکہ نظامت کے فرائض شاعرہ و اُستاد شعبۂ اردو، وفاقی جامعہ اردو، اسلام آباد ڈاکٹر ناہید قمر نے ادا کیے۔انھوں نے کہا کہ اس وقت اُردو صحافت کو مسائل کا سامنا ہے۔اسی حوالے سے انھوں نے شاعر محمد انور خالد کی ایک نظم بھی پیش کی:

میں نے تحریر کیا

میں نے گرتی ہوئی دیوار پہ تحریر کیا

جس نے آثار صنادید لکھی ہو وہی اسباب بغاوت لکھے

اس سے پہلے مگر اک رسم ملاقات بھی ہے۔

نوجوان صحافی، ادیب وقاص عزیز نے کہا کہ قیامِ پاکستان کے پس منظر میں صحافیوں نے ہراوّل دستے کا کردار ادا کیا۔پاکستان میں اس وقت میدانِ صحافت میں کھرا صحافی ذلیل وخوار ہو رہا ہے اور مافیا کے خلاف بات کرنے والے صحافی کے ساتھ کوئی فرد یا ادارہ کھڑا ہونے کے لیے تیار نہیں۔خواتین صحافیوں کو ہراساں کیا گیا مگر کوئی بولنے والا نہیں۔انھوں نے مزید کہا کہ یہاں اُردو صحافت کے حوالے سے تلفظ اور دیگر معاملات کی بات ہوئی۔میں سمجھتا ہوں ہمیں صحافی کی معاشی زندگی کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا اور مسائل و مشکلات پر بھی نظر رکھنا ہوگی۔

نوجوان صحافی، وکیل عاشر تنویر نے علامہ اقبال کے شعر:

جہان تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود

کہ سنگ وخشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

سے مختصراً آغاز کیا، انھوں نے کہا کہ پچھتر سال قبل صحافت کو اُردو کی ضرورت تھی اور اب اُردو کو صحافت کی ضرورت ہے۔

صحافی، ویب چینل کی میزبان عمرانہ کومل نے کہا کہ

ڈاکٹر ناہید قمر، عمرانہ کومل، مائرہ علی اور ڈاکٹر مظفر مختار کانفرنس میں اظہار خیال کر رہے ہیں

وفاقی اُردو یونیورسٹی شعبہ اُردو کی استاد ڈاکٹر زینت افشاں، ڈاکٹر نیر فیاض، اساتذہ، صحافی اور دیگر اہل قلم کانفرنس کے دوران

وہ اعتراف کرتی ہیں کہ انھیں اُردو سے عشق ہے۔ اس نظریے کے پیش نظر ہم سب کو اپنے شعبے میں عشق و لگن کے ساتھ کام کرنا ہے۔ اگر ہم اعتراف نہیں کرتے تو ہم ایمانداری سے کام نہیں کرتے۔ انھوں نے اکبرالہ آبادی کا شعر پڑھا کہ:

کھینچو نہ کمانوں کو نہ تلوار نکالو
جب توپ مقابل ہو تو اخبار نکالو

انھوں نے کہا کہ جب ذرائع ابلاغ کا اتنا جال نہیں بچھا تھا اُس وقت ریڈیو اور ٹی وی ہی ہمارے تعلیمی ادارے تھے جبکہ تدریسی ادارے بعد میں تھے۔ اُس وقت وہاں علمی، ادبی اور ثقافتی اساتذہ کی موجودگی تعلیم و تربیت کا سماں پیدا کرتی تھی۔ املا کی نوک پلک سنوانے، درست لکھنا سکھایا جاتا تھا۔ انھوں نے کہا کہ میرا خیال ہے اُردو امن اور یکجہتی کی زبان ہے۔ اُردو صحافت نے اُردو ادب کی آبیاری کی۔ یہ زبان برصغیر پاک و ہند میں پروان چڑھتے ہوئے ہماری اخلاقیات، سماجیات اور گھریلو سطح کی شائستگی پیدا کرنے معاون رہی۔

صحافی اور ہزارہ یونیورسٹی آف جرنلسٹ کے جنرل سیکرٹری لقمان شاہ نے صحافت اور صحافی کی حالت زار کا بڑے پُر جوش انداز میں ذکر کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں اُردو زبان کے ساتھ ساتھ اس وقت صحافی کے معاشی اور معاشرتی مسائل کے سبب اس کی بگڑی ہوئی حالت زار دیکھنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں صحافی کارکناں کے حقوق کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ اس وقت حالت یہ ہے کہ عدالتِ عظمیٰ نے اُردو کو سرکاری زبان بنانے کا فیصلہ دے رکھا ہے مگر اُس پر عمل درآمد نہیں کیا جارہا۔

صحافی، کالم نگار ڈاکٹر رقیہ عباسی نے اپنی گفتگو کا آغاز اس شعر سے کیا:

بدل جائے زمیں و آسماں سچ بولنا ہے
تمھیں ہو جائے یقیں کہ سچ بولنا ہے

انھوں نے کہا کہ فکر و دانش کی بے شمار شخصیات نے اُردو کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اُردو صحافت نے ہماری آزادی کی جنگ لڑی ماضی میں نامور ادیب و شاعر صحافت کے شعبے سے وابستہ تھے۔ اُردو صحافت کی حدود و قیود پر عمل پیرا ہو کر ہمیں اسے بام عروج پر لے جانا ہوگا۔

نوجوان خاتون صحافی اور وکیل صباحت تبسم قریشی نے اُردو ادب و صحافت کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انھوں نے کہا کہ اُردو اخبار کا سورج کبھی بھی غروب نہیں ہوگا۔ عوام اب بھی اُردو اخبار میں بھرپور دلچسپی رکھتے ہیں، کیونکہ اُردو ہماری قومی زبان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اُردو صحافت سے اُردو زبان قائم و دائم رہے گی۔ انھوں نے اس شعر کے ذریعے اپنی بات ختم کی:

سجائے ہوئے گھر سو بار رکھنا
مگر اس میں اُردو کا اخبار رکھنا

صحافی، افسانہ نگار، تادیب کے مدیر حمید قیصر نے کہا کہ سیاست اور صحافت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہر دور میں جبر و استبداد انسان کے گرد رہا ہے۔ سچی خبر کے متلاشی صحافی اور قاری دونوں موجود ہیں۔ موجودہ حالات پر نظر ڈالی جائے تو ہمارے قومی، معاشرتی اور معاشی حالات و واقعات گمبھیر سے گمبھیر تر ہوتے جارہے ہیں۔ اسی گھن چکر میں ہم مسائلستان بن کر رہ گئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ جب صحافت میں محقق، ادیب اور دانشور ہوتے تھے تو انھوں نے خونِ جگر دے کر اور اپنی انگلیوں کو قلم اور سیاہی کی بجائے خون میں ڈبو کر خبر اور سچائی کو پیش کیا۔ دریں حالات صحافی خطروں میں صحافتی فرائض انجام دیتے ہوئے جانیں بھی گنوا چکے ہیں۔ آج پھر سے پاکستانی اُردو صحافت کو ایسے دانشوروں، محققین کی ضرورت ہے جو اس کی مدد و معاونت کرسکیں۔

صحافی، شاعر، ادیب، پی ٹی وی کے مشہور کارٹون معروف شاعر شہزاد نے کہا کہ ان پڑھ انسان بھی جب منہ سے جو اُردو بولتے ہیں۔ ساری بات کیا کرتا ہوں کام اخبار کے اخبار میں۔ میرا آج جب سو جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی صحافتی ذمہ داریوں کے دوران پیش آنے والے مختلف واقعات کا بھی ذکر کیا۔ انھوں نے کہا کہ پہلے بزرگ صحافی ہر چیز کے بارے میں پہچان اور ادراک رکھتے تھے۔ اب اس چیز کی کمی اور کوتاہی محسوس ہورہی ہے۔ حالات حاضرہ کو دیکھا جائے تو صحافی بہت سے مسائل و مشکلات کا شکار ہیں۔ پہلے بھی صحافی اپنی ہی ذمہ داریوں کے باعث پابند سلاسل ہوتے رہے جیسا کہ مولانا ظفر علی خان نے بھی ذرائع نہ بتانے کے جرم میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اب بھی حالات اس سے مختلف نہیں۔ ہمیں بھی اُردو صحافت کے لیے پہچان، ادراک اور سچائی کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

پی ٹی وی کی سابق پروڈیوسر صحافی، ادیبہ فرخندہ شمیم نے کہا کہ صحافت ایک شعبہ نہیں بلکہ ایک تناور درخت ہے جس کی شاخیں اس قدر پھیل چکی ہیں اور اس پر پڑنے والی دھوپ، بارش کے سبب بھی اس کی اہمیت و افادیت سے انکار ممکن نہیں۔ میں بھی کافی عرصے سے پی ٹی وی سے صحافتی ذمہ داریاں انجام دے رہی ہوں۔ میرے مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ کچھ عرصے سے اُردو صحافت میں علم و ادب کو شامل نہیں کیا جارہا جس کی وجہ سے اُردو صحافت روبہ زوال ہے۔ آج کل بھی سرکاری ٹی وی کا خبرنامہ صدر، وزیراعظم اور وزراء کی خبروں سے مزین ہوتا ہے مگر اُس میں سماجی، عوامی مسائل کی نشاندہی کو اولیت حاصل نہیں ہوتی۔

صحافی اور سابق ڈائریکٹر پاکستان نیشنل کونسل آف آرٹ محمودہ غازیہ نے صحافت، ثقافت اور سیاست کو ایک تکون کی

کانفرنس کے شرکا نعیم فاطمہ علوی، فرح دیبا اور دیگر

کانفرنس میں شریک اکرام بلال، ڈویژن کے جوائنٹ سیکرٹری مظفر علی برکی، پی این سی اے کے ڈائریکٹر جنرل ایوب جمالی، ڈویژن کے جوائنٹ سیکرٹری شہزاد حمید خان درانی اور جبار مرزا نمایاں ہیں

صورت قرار دیا۔ انھوں نے کہا کہ میں ان تینوں شعبوں سے وابستہ رہی ہوں۔ جامعہ میں صحافت کو پڑھایا۔ پاکستان نیشنل کونسل آف آرٹ میں ثقافت کے حوالے سے کام کیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ امریکی کہتے ہیں کہ انھیں انگریزی صحافت کی بجائے اُردو صحافت کی باریکیوں سے ڈر لگتا ہے۔ انھوں نے ''اُردو کیوں نافذ نہیں ہوئی؟'' کے عنوان سے اپنا مقالہ تحریر کیا جس کا خلاصہ اس موقع پر پیش کیا اور کہا کہ اُردو کا جہاز سمندر میں جہاں کھڑا تھا اب بھی وہیں ہے کیونکہ لاکھوں کوششوں اور چپوؤں سے بھی باہر نکالنے کی کوشش کی گئی مگر نہیں نکل رہا۔ نفاذِ اُردو کے لیے تمام تنظیموں، اداروں اور افراد کو متحد ہو کر موجوں کی تحریک چلانا ہوگی۔ تب جا کر یہ جہاز ساحل سمندر کی جانب گامزن ہوگا۔

جرمنی سے ممتاز لکھاری، ادیب شفیق مراد نے بحیثیت مہمانِ اعزاز اپنی گفتگو کا آغاز ''جرمنی میں اُردو صحافت کے پچھتر سال'' کے حوالے سے کیا۔ انھوں نے کہا کہ ۱۹۷۰ء میں جرمنی میں قلیل تعداد اور اُس کے بعد تعداد میں بتدریج اضافے کے ساتھ اُردو صحافت کو فروغ ملا۔ اسی طرح شمع سے شمع جلتی رہی اور اُردو جرمنی میں پھلتی پھولتی رہی۔ پہلے یہاں پر اُردو صحافت کا پروان چڑھنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ اب جوں جوں اُردو کی بستیاں (اُردو کے اخبار و جرائد) آباد ہوتے گئے اُردو صحافت کو دوام ملتا رہا۔ انھوں نے مزید کہا کہ ثریا شہاب کے جرمنی آنے سے یہاں کے ریڈیو پر اُردو کے پروگرام نشر کیے جانے لگے۔ اب ڈوئچے ویلے کے ذریعے جرمنی میں اُردو نشریات کا آغاز بھی ہوا، اُردو ویب گاہ کی شروعات ہوئی۔ یہاں مختلف اردو اخبارات کے دفاتر بھی قائم ہوئے۔ اس صورت حال میں امید ہے کہ جرمن میں اُردو اور اُردو صحافت میں یقیناً اضافہ ہوگا۔

امریکہ سے ممتاز صحافی، مترجم، ادیبہ، اُردو سائنس بورڈ لاہور کی سابق رکن اور پاکستان، امریکہ صحافتی تنظیم (PAPA) کی سینئر رکن بینا گوئندی نے اُردو اور اُردو صحافت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ مجھے خوشی ہے کہ امریکہ میں اُردو کی بستیاں آباد ہوئیں ہیں۔ جب تک قلم کی آبرو نہیں ہوگی وہ صحافت چاہے کسی بھی زبان میں ہو وہ صحافت نہیں کہلا سکتی۔ دُنیائے جہاں برقی دور سے گزر رہی ہے۔ امریکہ میں بھی جہاں مختلف عام اخبار و جرائد شائع ہو رہے ہیں وہیں ای اخبار و جرائد بھی دستیاب ہیں۔ یہ چیز بہت کارآمد ہے اور نئی نسل میں اُردو کو پروان چڑھانے کا ایک بہترین وسیلہ ہے۔

صحافی، رسالہ نمود کے مدیر اور کنٹرولر پی ٹی وی نمود مسلم نے کہا کہ ایک تصور یہ بھی تھا کہ کسمپرسی کا شکار ایک ایسا صحافی جو تقریبات میں جائے گا اور ایک خبر بنا کر لائے گا، یہ بات کس حد تک درست ہے اس کے بارے میں آپ بخوبی علم رکھتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اب مطالعے کا کلچر نہیں رہا۔ نئی نسل اور نوجوان صحافی مطالعے سے بہت دور ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ قیامِ پاکستان کے بعد اخبارات، رسائل اور جرائد نے سچائی کے ساتھ خبروں اور کالموں کے ذریعے درپیش مسائل کو مشکلات اور بڑی شائستگی سے اُجاگر کیا۔ موجودہ دور میں صحافی جہاں معاشی مشکلات کا شکار ہے وہیں خبر کی سچائی اور حقیقت سے نا آشنا بھی ہے۔ کسی بزرگ صحافی نے نصیحت کی تھی کہ بیٹا لکھنے کی زبان اور ہے، پڑھنے کی زبان اور ہے اور بولنے کی زبان اور ہے اس لیے ان کی نزاکت کا ادراک کرنا بہت ضروری ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ صحافی ادب، ثقافت اور زبان میں خبر تلاش کرتے ہیں مگر وہ یہ نہیں جانتے ہیں یہ خود ایک خبر ہیں۔

سینئر صحافی اور روزنامہ نوائے وقت کے مدیر عزیز علوی نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اُردو ہماری قومی زبان ہے۔ یہ ہمارا انتہائی معتبر و مکرم پرچم ہے جس کے سائے تلے ہم سب کھڑے ہیں۔ دُعا ہے کہ آئندہ بھی ایسی تقریبات منعقد ہوں جن میں اُردو اور ترقی کرے اور ہم آنے والی نسلوں کو بہتر ماحول فراہم کرنے کا وسیلہ بن سکیں۔ ہم بچوں کو اُردو کے بارے میں آگاہی دیں۔ انھوں نے کہا کہ ہم سیکھنے کے عمل سے پیچھے ہٹ گئے ہیں مگر یہ بھی سچ ہے کہ سکھانے والے بھی پیچھے چلے گئے ہیں۔ مجھے اچھا لگا تھا جب لوگ اُردو اخبار میں غلطیوں کی نشاندہی بھی کرتے تھے مگر دورِ حاضر میں یہ چیز ناپید ہو رہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ صحافت کے محققین، دانشوروں کو میں آج بھی خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں۔

سینئر صحافی رخسانہ صولت نے کہا کہ اردو صحافت کے حوالے سے کانفرنس بہت اہم قدم ہے۔ میری نظر میں اس کانفرنس میں اگر موضوعات کا تعین ہو جاتا تو بہت مناسب تھا۔ انھوں نے کہا کہ میر خلیل الرحمٰن نے ایک موقع کہا تھا کہ ''چھوٹی سے چھوٹی چیز کی بھی قدر کرنی چاہیے۔'' پچھتر سال میں اُردو صحافت میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ پہلے پہل اخبارات کے لیے جب خبر بنائی جاتی تو وہ مختلف مدیران سے ہوتے ہوئے مدیرِ اعلیٰ تک پہنچتی اور وہ خود اُس خبر کی صداقت کا جائزہ لیتے مگر اب یہ صورت حال نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ جدید ٹیکنالوجی کے سبب نئی نسل سمجھ رہی ہے کہ اب اخبارات، رسائل و جرائد کی افادیت نہیں رہی مگر میں سمجھتی ہوں کہ اس کی ضرورت و افادیت اب بھی اُسی طرح مسلمہ ہے۔ آج کل ''ریٹنگ'' کی لعنت نے صحافت کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ یہ موجودہ صورت حال کا بہت بڑا المیہ ہے۔

ممتاز صحافی اور آر آئی، پی ایف یو جے کے صدر افضل بٹ نے پاکستانی صحافت کے عروج و زوال پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ اخبارات کا مجموعی طور پر جائزہ لیا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اخبار میں مدیر کا منصب اب ختم ہو گیا ہے۔ پہلے مدیر زبان و بیان کو دیکھتا تھا مگر یہی چیز اب صحافت کے زوال کا سبب بن رہی ہے۔ پہلے مدیر حکمت عملی بناتا تھا اب وہ ڈائریکٹر مارکیٹنگ کی نگرانی طے ہوتی ہے کہ اخبار میں عوام کے مفاد کی بجائے مارکیٹ کے مطابق خبر کی اشاعت کی جائے۔ انھوں نے کہا کہ سنسر شپ کے خلاف صحافیوں نے طویل جدوجہد کی۔ اب جہاں مملکت کی عمل داری ختم ہوتی ہے وہاں سیٹھ کی عمل

قومی ورثہ و ثقافت ڈویژن کے سیکشن افسر خلیق نوشاد اور دیگر

داری شروع ہو جاتی ہے جو ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ خرابیوں کی نشاندہی کے راستے بند ہو گئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ میں اب بھی توقع رکھتا ہوں کہ شاید کوئی ایسا عمل شروع ہو سکے جب اُردو صحافت اپنے پُرانے معیار کے مطابق ہو سکے۔ اُردو صحافت کو بچانے میں ہمیں بھرپور کردار ادا کرنا ہوگا۔ افضل بٹ نے کہا کہ جدید ٹیکنالوجی یقیناً مفید ہوتی ہے مگر اس کے سبب دیگر اور کئی مسائل بھی جنم لیتے ہیں۔ ہمیں عوام کے دُکھ درد کے ساتھ چلنا ہوگا، ان کا مداوا کرنا ہوگا۔ کیونکہ ہم نے عام آدمی کی زبان بننے کی بجائے اشرافیہ کی بولی بولنا شروع کر دی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ذرائع ابلاغ کے کارکنان کے مسائل حل کر کے اس صنعت کو بچانے اور صحافت کے معیار کو بلند رکھنے کے لیے حکومت کو دوسرے اداروں کی طرح انھیں بھی امدادی پیکج دینے کی ضرورت ہے۔

صدر پاکستان کے سابق افسر تعلقات عامہ اور ممتاز کالم نگار ڈاکٹر فاروق عادل نے کہا کہ آزادیٔ صحافت کی وجہ سے ہی صحافت پر قدغن آتی ہے۔ خبر لکھتے ہوئے خبر پر توجہ نہیں دی جاتی۔ اس سے ابلاغی اضطراب پیدا کیا جاتا ہے جس سے لوگ اُکتا جاتے ہیں۔ سماجی رابطے اخبارات کی بہ نسبت زیادہ اضطراب پیدا کرتے ہیں۔ اس وقت ہم نے صحافت کا جو معیار اختیار کیا ہے اُس سے صحافت دفن ہو رہی ہے۔ اس لیے ہمیں آزادیٔ صحافت کا انداز و اطوار درست کرنے کی ضرورت ہے۔ مظلوم و محکوم صحافی کے ساتھ آواز بلند کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ ڈاکٹر فاروق عادل نے دعویٰ کیا کہ سابق صدر ممنون حسین اپنے دورانیے ۲۰۱۴ء سے ستمبر ۲۰۱۸ء تک صدر مملکت کی حیثیت سے نہ صرف ایوان صدر میں بلکہ شنگھائی کانفرنس سمیت غیر ملکی دوروں کے دوران اردو میں خطاب کرتے رہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ بات درست ہے کہ جب نئی ٹیکنالوجی آتی ہے تو پُرانی ٹیکنالوجی پیچھے چلے جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابلاغی اضطراب کی وجہ سے اخبار اور ریڈیو، ٹی وی مر گیا ہے۔ اس وقت اُردو صحافت اور صحافی موجودہ صورت حال کی وجہ سے اپنا پیٹ پالنے سے بھی قاصر ہیں۔ ہمیں زبان و بیان کے ساتھ ساتھ سچائی اور حقیقت پر مبنی صحافت کی ضرورت پر زور دینا ہوگا اور شخصیت کے بارے میں لکھنے کی بجائے اصل حقائق کو منظر عام پر لانا ہوگا۔

جنگ گروپ کے سینئر صحافی حنیف خالد نے اپنے صدارتی کلمات میں سب سے پہلے روزنامہ جنگ کے اجراء کے حوالے سے تاریخی پس منظر پیش کیا اور پھر کہا کہ جنگ کے بانی میر خلیل الرحمٰن مرحوم اور چیئرمین میر جاوید الرحمٰن کی طرح ایڈیٹر انچیف میر شکیل الرحمٰن بھی خالصتاً پیشہ ور صحافی ہیں جو اخبار پریس میں جانے تک ایک ایک خبر پر توجہ دیتے ہیں اور صبح اخبار میں موجود چھوٹی چھوٹی غلطیوں کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔ جنگ کے مشکل حالات کے باوجود میر شکیل الرحمٰن نے میر خلیل الرحمٰن کے لگائے ہوئے پودے کی آبیاری کی۔ انھوں نے کہا کہ اس وقت صحافیوں اور اخباری صنعت کو معاشی طور پر بچانے کا وقت ہے۔ انھوں نے کہا کہ اُردو زبان دُنیا بھر میں مسلمانوں اور پاکستان کی زبان سمجھی جاتی ہے۔ اُردو صحافت کی دوسو سالہ تقریبات ہمسایہ ملک میں ہوئیں مگر پاکستان میں اس کا کوئی نام لیوا نہ تھا۔ ادارۂ فروغ قومی زبان نے اس موقع پر پہلی اور دوسری اُردو صحافت کانفرنس منعقد کر کے اپنا کچھ نہ کچھ حصہ ڈال دیا۔

ملتان سے سینئر صحافی و کالم نگار اظہر سلیم مجوکہ نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ صحافت کسی بھی ریاست اور حکومت کے لیے ایک اہم ستون کا درجہ رکھتی ہے اسی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ادارۂ فروغِ قومی زبان کی طرف سے اسلام آباد میں ایک بھرپور نشست کا انعقاد کیا گیا جس میں اردو صحافت کے پچھتر سالہ سفر کا بھرپور جائزہ لیا گیا جس میں راقم سمیت دیگر شہروں سے تعلق رکھنے والے اہلِ قلم بھی برخط (آن لائن) شریک ہوئے کانفرنس کے سبھی شرکاء اس بات پر متفق نظر آئے کہ ملک

میں آزاد معیاری اور مثبت صحافت ہی مضبوط اقدار کے فروغ میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے جبکہ موجودہ دور میں معیاری اور مثبت صحافت کے لیے صحافیوں کا بے لوث ہونے کے ساتھ ساتھ صحافت میں بھی بعض اصلاحات کی اشد ضرورت ہے۔ ادارۂ فروغِ قومی زبان کے ڈاکٹر راشد حمید، تجمل شاہ اور ان کی پوری ٹیم مبارک باد کے لائق ہے اور اس قسم کی کانفرنسیں صحافت کے فروغ میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔

قراردادِ کانفرنس

آخری نشست کے صدر حنیف خالد نے اپنے ۵۳ سالہ دورِ صحافت میں ۵۰ سے ۶۰ ممالک کے دوروں کے تجربات بیان کرتے ہوئے کہا کہ بیرون ملک جہاں بھی وہ گئے اُن ممالک کے سربراہوں کو اپنی قومی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے پایا مگر بدقسمتی دیکھیے پاکستان کے کسی حکمران نے ان کی موجودگی میں اپنی قومی زبان میں گفتگو کی ضرورت محسوس نہیں کی، سب انگریزی بولتے رہے۔ اس موقع پر حنیف خالد نے ایوان میں ایک قرارداد پیش کی جس میں کہا گیا کہ "صدر مملکت، وزیر اعظم، چیئرمین سینیٹ، سپیکر قومی اسمبلی اور وفاقی وزراء اپنے غیر ملکی دوروں کے دوران قومی زبان (اُردو) میں خطاب کرنا اپنا شعار بنائیں۔" کانفرنس نے یہ قرارداد متفقہ طور پر منظور کر لی۔

کانفرنس کے اختتام پر قائم مقام ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر راشد حمید نے مذکورہ مہمانانِ گرامی کے علاوہ شرکت کرنے والے معزز مہمانان گرامی جن میں سینئر صحافی و کالم نگار جبار مرزا، سلیم اختر، ڈاکٹر سعدیہ کمال، اکبر خان نیازی، خلیق الرحمٰن، علی اصغر ثمر، ڈاکٹر شیر علی، ڈاکٹر منیر فیاض، ڈکٹر ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر محمد وسیم انجم، ڈاکٹر زینت افشاں، اکرام بلال، ڈاکٹر صفدر رشید، سلطان محمود شاہین، نعیم فاطمہ علوی، فرح دیبا، منیرہ شمیم، مائرہ علی، ڈاکٹر فائق، واہ کینٹ ٹیکسلا سے نظامی صاحب، ڈاکٹر شاہد ایم شاہد، خالد نعیم اور وفاقی جامعہ اردو، اسلام آباد کی اساتذہ اور طلبہ وطالبات اور دیگر احباب کا شکریہ ادا کیا کہ جنھوں نے ہماری کانفرنس کو رونق بخش کر اسے یادگار بنا دیا۔ اس کے علاوہ اُن احباب کا بھی شکریہ ادا کیا جو برخط یعنی آن لائن تقریب میں شریک تھے۔

کتاب میلے میں شریک مہمان اور ناشران

نعیم فاطمہ علوی ڈاکٹر شاہد صائمہ ذیشان محمد ساجد قریشی

شرکائے کانفرنس کے تاثرات

ادارۂ فروغ قومی زبان کے زیرِ اہتمام اردو صحافت کے پچھتر سال کے عنوان سے بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد ڈائریکٹر جنرل اور ان کی ٹیم کا ایک بڑا کارنامہ ہے جس کو مدتوں یاد رکھا جائے گا۔ اس کانفرنس میں اردو صحافت کے گزشتہ پچھتر برسوں میں عروج و زوال، حاصل ولا حاصل، مسائل اور کارکردگی کے حوالے سے مختلف اہم ادبی، علمی و صحافتی شخصیات نے مختلف نشستوں میں بھرپور اور سیر حاصل گفتگو کی۔ ڈاکٹر راشد حمید، تجمل شاہ اور جملہ انتظامیہ کو اس شاندار کارکردگی پر مبارک باد پیش کی۔

(محمد اکبر خان نیازی، اسلام آباد)

کانفرنس میں شامل ہو کر دلی خوشی ہوئی اور صحافتی امور پر مختلف مقررین نے جن باتوں کا اظہارِ خیال کیا۔ وہ قابل رشک اور داد و تحسین کے قابل ہیں۔ پروگرام کی کامیابی پر آپ کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ امید ہے مستقبل قریب میں بھی آپ ایسی سرگرمیوں کو فروغ دیں گے جس سے ہم آہنگی کو فروغ، اداروں میں استحکام، لوگوں کی فلاح و بہبود، اُردو زبان و ادب سے محبت اور صحافت کے اغراض و مقاصد سمجھنے میں مدد ملے، آپ کی جانب سے کی گئی پیش رفت باعث صد افتخار ہوگی۔ (ڈاکٹر شاہد ایم شاہد، واہ کینٹ)

کانفرنس میں شریک مندوبین کی فکر انگیز گفتگو سننے کے بعد میری سہیلیاں، میں، فرح دیبا اور منیرہ میرے نعمت کدے پر آ گئیں اور پھر ہم تینوں نے باہم گفتگو سے اپنے ملک اور معاشرے کے بہت سے فکر انگیز پہلوؤں پر گفتگو کی۔ وقت پر لگا کر اُڑتا رہا اور ہم وقت کی پرواز سے بے پرواہ ہو کر اتنے لطف اندوز ہوئے اور ایسی محفل جمی کہ دوپہر ڈھلی، شام ہوئی مگر گفتگو، مکالمے اور چٹکلوں کی برسات میں بھیگتے ہوئے وقت کے سرپٹ بھاگنے کا احساس تک نہ ہوا۔ (نعیم فاطمہ علوی، اسلام آباد)

فارسی ، عربی اور انگریزی صحافت کی طرح اردو صحافت بھی قیام پاکستان سے قبل موجود تھی۔ مشقت اور برداشت کے ساتھ ایمان داری اور دیانت داری کو برقرار رکھنا اور نفسِ مضمون کو اہمیت دینا اردو صحافت کا ورثہ تھا اور اب بھی ہے۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے پروفیسر قاسم علی سجن لال نے غدر یا جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے پہلے شائع ہونے والے اردو اخبارات تلاش کرنے کے لیے میلوں پیدل سفر کیا تھا۔ غدر کے سانحے کے بعد دوسری جنگ عظیم اور اس کے فوراً بعد قیام پاکستان ۱۹۴۷ء، وہ اہم ترین تاریخی واقعات تھے جس نے اردو صحافت کے منظرنامے کو تبدیل کیا تھا۔ تقسیم ہند کو بنیاد بنایا جائے تو قیام پاکستان سے لے کر اب تک اردو صحافت کو ۷۵ سال مکمل ہو چکے ہیں۔ اس طویل عرصے میں اردو صحافت کو معاشرتی عدم برداشت سمیت متعدد سماجی، سیاسی اور اندرونی ردعمل کا سامنا کرنا پڑا۔ ۲۱۔ جون ۲۰۲۳ء کو جب ادارۂ فروغِ قومی زبان اردو، اسلام آباد کی جانب سے دوسری ایک روزہ بین الاقوامی اردو صحافت کانفرنس منعقد کی گئی تو متنوع معاشرتی، سیاسی اور لسانی مسائل کے ساتھ ساتھ سماجی ذرائع ابلاغ کے باعث جنم لینے والے اندرونی و بیرونی مسائل و خطرات کی جانب بالخصوص توجہ دلائی گئی جو واقعی بدلتی صحافیانہ اقدار کے ضمن میں چونکا دینے والے اور تشویش ناک مسائل ہیں۔ صحافیوں کی جان، مال اور مستقبل کے مسائل کے ساتھ ساتھ اردو صحافت کے شعبے میں ترقی کے نئے مواقع کی جانب بھی توجہ دلائی گئی۔ تجربہ کار صحافیوں نے اپنے متنوع تلخ و شیریں تجربات کو سنجیدگی اور ظرافت دونوں لبادے میں اس کانفرنس میں بیان کیا جو بالخصوص نوجوان صحافیوں کے لیے قابل تقلید نکات ہیں۔ کانفرنس کے تمام شرکا اور مقررین نے جس سنجیدگی اور پیشہ ورانہ مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اردو صحافت سے متعلق اپنے نظریات، تحقیق اور منصوبہ جات اس کانفرنس میں پیش کیے اور تنقید کا سامنا کیا، وہ قابل داد ہے۔ ڈاکٹر راشد حمید، تجمل شاہ اور ان کے مستعد عملے نے ادارۂ فروغِ قومی زبان، اسلام آباد کو مرکز بناتے ہوئے اس کانفرنس کا کامیاب انعقاد کر کے اردو صحافت پر ایسے وقت میں اپنی چھتری پھیلائی ہے جب تمام اردو صحافیوں کو سماجی و سیاسی گرمی کے اس دورِ آشوب میں ٹھنڈک، چھاؤں اور عزت افزائی کی ضرورت ہے۔ اس احسن اقدام پر ادارۂ فروغ قومی زبان دلی مبارک باد کا مستحق ہیں۔ (صائمہ ذیشان، کراچی)

پاکستان میں عدلیہ، انتظامیہ اور مقننہ کے ساتھ صحافت کو بھی ریاستی ڈھانچے کا چوتھا ستون مانا گیا ہے۔ ایک آزاد اور ذمہ دارانہ صحافت کسی بھی ملک کا سرمایۂ افتخار ہوتی ہے کیونکہ اس کے ذریعے ہی حالات و واقعات کی صحیح تصویر عوام کے سامنے آتی ہے اور عوام کا اس پر اعتماد اس کے لیے ایک اعزاز ہوتا ہے۔ صحافت عوام الناس اور ارباب اختیار کے درمیان ایک رابطہ کار کا فریضہ بھی سرانجام دیتی ہے۔ عوام کی آواز اور ان کے مسائل حکومت تک پہنچانے اور حکومت کی طرف سے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کیے گئے اقدامات کی صحیح تصویر سے عوام کو آگاہ کرنے کی ذمہ داری بھی صحافت کے کندھوں پر ہی ہوتی ہے۔ مولانا ظفر علی خان اور اس شعبے سے وابستہ بہت سے لوگ سچائی اور حق کا پرچم بلند کرنے کی پاداش میں ابتلاء اور آزمائشوں سے گزرے لیکن انھوں نے اپنے اصولوں پر سمجھوتہ نہیں کیا اور پاکستان میں ان کے نقش قدم پر چلنے والے اپنے شعبے سے مخلص اور دیانت دار اہل قلم کا ایک پورا قافلہ رواں دواں رہا ہے۔ موجودہ حکومت نے صحافیوں کے تحفظ کے لیے پارلیمان میں جلد قانون لانے کا عندیہ دیا ہے جس سے صحافتی شعبے میں بہتری آ گے گی اور وہ بغیر کسی ڈر اور خوف کے اپنے فرائض انجام دے سکیں گے۔ ایک صحت مند معاشرے کے لیے ضروری ہے کہ ہر قسم کے ذرائع ابلاغ کو حکومتی اثر و رسوخ سے آزاد رکھا جائے۔ امید ہے کہ یہ کانفرنس بھی ہمیں گزشتہ بااصول صحافت یاد دلانے میں اہم کردار ادا کرے گی۔ (محمد ساجد قریشی، راولپنڈی)

☆☆☆☆

کانفرنس کے شرکاء

سمیع اللہ حضروی، حضرو، اٹک

کتبِ اُردو قواعد
قیامِ پاکستان تا حال (حصہ دوم)

۶۔ جامع القواعد (حصہ صرف)، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نقاد، ماہرِ تعلیم، محقق اور ماہرِ لسانیات کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ اُردو لغت بورڈ میں بھی مدیرِ اعلیٰ کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ لکھنؤ کا دبستانِ شاعری، کلیاتِ مصحفی، آج کا اُردو ادب، غزل اور متغزلین، جدید اُردو ادب، تاریخ اصولِ تنقید اور جدید اُردو ادبیات وغیرہ آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ اُردو قواعد پر آپ کی تالیف جامع القواعد (حصہ صرف) ایک اہم کتاب ہے۔

یہ کتاب مرکزی اُردو بورڈ (حال اُردو سائنس بورڈ، لاہور) سے شائع ہوئی۔ سالِ اشاعت ۱۹۷۱ء ہے۔ میرے پیشِ نظر، یہی اشاعت ہے۔

یہ کتاب حصہ صرف پر ہے۔

حصہ نحو پر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے اسی نام سے کتاب تالیف کی جسے اُردو سائنس بورڈ، لاہور نے شائع کیا۔ اس کتاب کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ راقم

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی عالمانہ انداز میں تالیف کی گئی اس کتاب میں عربی اور فارسی کے تتبع کے ساتھ ساتھ اُردو مزاج اور ہیئت بھی ملحوظ رکھی گئی ہے۔ یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے۔

باب شمار۔۱ کا عنوان تاریخی پس منظر ہے۔ یہ باب لسانیات کے حوالے سے اہم ہے، اس باب میں مختلف لسانیات کا جائزہ لیتے ہوئے پاکستان اور ہندوستان کی زبانوں اور بولیوں پر عالمانہ بحث کی گئی ہے جس میں اُردو کی ساخت، ابتداء، لفظ اُردو کے استعمال کی تاریخ اور اس کے مختلف نام سے اہم نکات زیرِ بحث لائے گئے ہیں۔

باب شمار۔۲ کا عنوان اُردو کا لسانی ڈھانچہ ہے۔ اس باب میں اُردو زبان کی مختصر مگر جامع تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اس بحث میں اُردو املاء پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔

باب شمار۔۳ میں اُردو کی قواعد نویسی کا آغاز اور ارتقاء کا تاریخی لحاظ سے جائزہ لیا گیا ہے۔

باب شمار۔۴ کا عنوان اُردو کا صوتی نظام ہے۔ اس باب میں اُردو کے صوتی نظام، اُردو میں صوتیوں کی تعداد، اُردو مصوتوں اور مصمتوں، اُردو میں مختلف رکنی تعداد، اُردو الفاظ اور رکن کی ساخت کی بعض خصوصیات پر بحث کی گئی ہے۔

باب شمار۔۵ کا عنوان اُردو املاء اور ہجا ہے۔ اس باب میں اُردو حروف تہجی کی تعداد، اڑتالیس گنوائی گئی ہے اور پھر مختلف حروف سے متعلق مختصر طور پر یہ بات بھی کی گئی ہے کہ یہ حروف کس کس زبان سے مستعار لیے گئے ہیں۔ اس باب میں اُردو رسم الخط کی خوبیوں اور دشواریوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور اُردو میں مستعمل اعراب پر بھی مختلف انداز سے گفتگو کی گئی ہے جبکہ عربی حروف کے ابجدی اعداد بھی بتائے گئے ہیں۔

باب شمار۔۶ میں صرف اور اس کے مباحث اور موضوعات کے عنوان سے عالمانہ انداز سے گفتگو کی گئی ہے۔ اس باب میں کلام، کلمہ، کلمہ بالذات، کلمہ، تابع، لفظ اور کلمہ، کلمہ کی تقسیم، اسم، صفت، ضمیر، فعل، تمیز، حروف، حروف کی تقسیم، ربط، تخصیص اور فجائیہ وغیرہ پر بات کی گئی ہے۔

اس باب میں جارج ہیڈلے کی اُردو قواعد کا بھی مقابلتہً ذکر کیا گیا ہے۔ آخر میں انگریزی الفبائی ترتیب سے انگریزی قواعدی اصطلاحات کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور ہر اصطلاح کے سامنے اُردو اصطلاح بھی دی گئی ہے۔ انگریزی اصطلاحات جارج ہیڈلے کی قواعد سے اخذ کی گئی ہیں۔

باب شمار۔۷ اسم کے بیان سے متعلق ہے۔

اسم کی تعریف کے لیے فتح محمد خان جالندھری کی قواعدِ اُردو اور انشاء کی دریائے لطافت؛ بطور اسناد پیش کی گئی ہیں۔

ساخت (بناوٹ) کے اعتبار سے اسم کی تین اقسام ہیں۔ لکھتے ہیں:

•اُردو میں ساخت کے اعتبار سے اسم کی تین قسمیں ہیں: ۱۔ جامد: ایسے اسم جو نہ خود کسی دوسرے کلمے سے بنے ہیں اور نہ ان سے کوئی کلمہ بنا ہو ہے۔ مثلاً اونٹ، بکرا، تلوار، قلم۔ ۲۔ مشتق: وہ اسم ہیں جو کسی دوسرے کلمے سے بنائے جائیں، مثلاً پڑھنا سے پڑھنے والا، پڑھا ہوا؛ سرخ سے سرخی وغیرہ۔ ۳۔ مصدر کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے: •جو کلمہ کسی کام یا حرکت کا بیان ہو اور اس میں زمانہ نہ پایا جائے یعنی اس کام اور حرکت کا کوئی وقت معین نہ ہو؛ اس، اس کو (اسے؟ ناقل) مصدر کہتے ہیں۔

مصدر کی عام طور پر کی جانے والی تعریف کا بھی ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مصدر وہ اسم ہے جس میں ہونا یا کرنا یا سہنا بلا تعلق زمانہ کے، سمجھا جائے۔۔۔ جیسے کھانا، پینا، لکھنا، پڑھنا یا سہنا جیسے لپٹنا، مارا جانا وغیرہ''۔

(کتاب مذکورہ: ص ۲۵۰۔۲۵۲)

اس تعریف مع امثلہ کے بعد مصدر سے متعلق تفصیل سے بات کی گئی ہے۔ نوعیت کے اعتبار سے اسم کی جن اقسام کا ذکر کیا گیا ہے وہ عربی قواعد کے لحاظ سے چھ ہیں اور ان کے نام درج ذیل ہیں: اسم یا الموصوف، صفت یا اسمِ صفت، اسم العدد یا صفتِ عددی، اسم الاشارہ، اسم الموصول یا موصول الاسمی اور ضمیر یا مضمر۔ ان اقسام میں اسمِ معرفہ اور نکرہ دونوں شامل ہیں۔ صفحہ ۲۵۳ پر اسمِ نکرہ کی دس اقسام کا ذکر کیا گیا ہے۔ مذکورہ اقسام یہ ہیں:

اسمِ ذات، اسمِ کنایہ، اسمِ استفہام، اسمِ صفت، مصدر، حاصلِ مصدر، اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، اسمِ معاوضہ اور اسمِ حالیہ۔

اسی صفحہ پر اسمِ معرفہ کی چار اقسام گنوائی گئی ہیں۔ اقسام یہ ہیں:

علَم، اسمِ ضمیر، اسمِ اشارہ اور اسمِ موصول۔

جبکہ اسمِ معرفہ کی پانچویں قسم کا ذکر نہیں کیا گیا۔ پانچویں قسم •اسمِ منادی• ہے۔

اقسام گنوانے کے بعد اسمِ خاص یعنی اسمِ معرفہ کی صرف ایک قسم •اسمِ علم اور اس کی اقسام• کا تفصیلاً ذکر مع امثلہ کیا گیا ہے۔

اسم علم کی اقسام میں خطاب اور لقب کی قریباً ایک جیسی تعریف کی گئی ہے جب کہ دونوں میں فرق ہے۔

• خطاب وہ وصفی نام ہے جو کسی خوبی یا خصوصیت کی بناء پر حکومت کی طرف سے دیا جائے جیسے کہ سر، خان بہادر، دبیر الملک، شمس العلماء وغیرہ۔

لقب سے مراد وہ وصفی نام ہے جو کسی خوبی یا خصوصیت کی بناء پر عوام کی طرف سے دیا جائے یا عوام میں مشہور ہو جائے جیسے کہ کلیم اللہ، حکیم الامت، قائداعظم وغیرہ۔ •راقم

•اسی طرح کنیت کی صرف ایک قسم کنیتِ نسبی کا ذکر

کیا گیا ہے۔ جب کہ اس کی دوسری قسم کنیت وصفی بھی ہے۔ اس قسم میں ابو، ابن یا ابناء، ام کا مطلب باپ یا بیٹا نہیں ہوتا بلکہ صاحب یا والا ہوتا ہے۔ جیسے ابوتراب، ابوحنیفہ، ابن الوقت، ابنائے روزگار وغیرہ۔ *راقم

اسم خاص کے بعد اسم عام یعنی اسم نکرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں کہتے ہیں:

"اُردو کے قواعد نویسوں نے اسم عام کی تین قسمیں بیان کی ہیں ۱۔ عام نام، ۲۔ اسم کیفیت، ۳۔ اسم جمع۔"

(کتاب مذکورہ: ص ۲۶۰)

اسم نکرہ جسے "اسم عام" سے یاد کیا گیا ہے، کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"عام نام سے وہ نام مراد ہے جو کسی فرد یا ذاتِ خاص سے منسوب و متعلق نہ ہو۔ یہ وہی ہے جسے عربی کے قواعد نویسوں نے اسم جنس کا نام دیا ہے جسے انگریزی میں Generic or Common noun کہتے ہیں جو پوری جنس کے لیے مقرر ہوتا ہے۔ مثلاً گھوڑا کہ ہر گھوڑے کو گھوڑا کہہ سکتے ہیں۔"

(کتاب مذکورہ: ص ۲۶۰)

اسی عنوان کے تحت اسم کیفیت، واحد، جمع، اسم کی حالتیں، فاعلی، اضافی، مفعولی، خبری، طوری، ندائی، ظرفی، اسمائے تشبیہی، اسم فاعل، اسم مفعول، اسم حالیہ، اسم ظرف، اسم آلہ، مصدر، اسم صوت، اسم کنایہ، اسم ضمیر، اسم صفت مع اقسام، صفت عددی، عربی فارسی کے اسم تفضیل اور اسم مبالغہ وغیرہ پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

باب شمار ۸ فعل سے متعلق ہے۔ اس باب میں فعل کی تعریف، اقسام فعل، لازم اور متعدی، مثبت و نفی، امر و نہی، افعال کی مختلف صورتیں، خبری، شرطی، احتمالی، امری، مصدری، فعل کا زمانہ ماضی مطلق اور بعید، قریب، استمراری، ناتمام (فعل استمراری اور فعل ناتمام ایک ہی ہیں۔ راقم)، حال، مستقبل اور مضارع وغیرہ۔

فعل، قواعد کی رُو سے ازمنۂ ثلاثہ میں کسی بھی زمانے کے تعلق کے ساتھ؛ کیا جانے والا، ہونے والا، یا سہنے والا کام، فعل کہلاتا ہے۔

قواعد نویسوں نے فعل کی مختلف تعریف کی ہے:

۱۔ پس بول بہ زمانہ از سہ زمانہ کہ ماضی و حال و استقبال باشد شامل بود و آن را فعل نامند۔ مانند آیا ہے و آتا ہے و آوے گا۔

(دریائے لطافت: انشاء اللہ خان انشاء، بحوالہ جامع القواعد (حصہ صرف) ڈاکٹر ابواللیث صدیقی)

۲۔ فعل اپنے معنی اکیلے دیتا ہے جبکہ اس میں منجملہ ازمنۂ ثلاثہ کے ایک زمانہ بھی پایا جائے۔

(مصباح القواعد: مولانا فتح محمد خان جالندھری)

۳۔ فعل وہ ہے کہ جس سے کسی شے کا ہونا یا کرنا ظاہر ہو۔

(قواعدِ اُردو بابائے اُردو: مولوی عبدالحق)

۴۔ وہ کلمہ ہے جس سے معنی اور زمانہ ذہن نشین ہو۔

(بنیادی اُردو قواعد: ڈاکٹر سہیل عباس بلوچ)

۵۔ فعل وہ کلمہ ہے جس میں کسی کام کا کرنا، ہونا یا سہنا، زمانے کے تعلق کے ساتھ پایا جائے۔

(نگارستان: منصف خان سحاب)

۶۔ وہ کلمہ ہے جو کسی کام کے کرنے، ہونے یا کسی حالت پر دلالت کرے اور اس میں کوئی زمانہ بھی پایا جائے۔

(اُردو آموز: پروفیسر ڈاکٹر فاروق چودھری)

فعل کی ان تمام تعاریف میں؛ سوائے شمار ۳ کے، سب میں ایک ہی بات مشترک ہے کہ فعل کا تعلق زمانے کے ساتھ ہوتا ہے۔

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی فعل کی تعریف جامع انداز میں کرتے ہیں:

"۔۔۔ فعل ایک ایسا کلمہ ہے جو اکیلا اپنے معنی دیتا ہے۔ اس میں کسی کام کا یا شے کا کرنا یا ہونا، نہ کرنا یا نہ ہونا؛ ازمنۂ ثلاثہ یعنی ماضی، حال اور مستقبل میں سے ایک زمانہ میں پایا جائے۔"

(کتاب مذکورہ: ص ۳۷۹)

اس کے بعد فعل کی اقسام کے تحت فعل لازم اور فعل متعدی پر تفصیلاً بحث کی ہے اور ساتھ ساتھ مثالیں دے کر وضاحت بھی کی گئی ہے۔

فعل ناقص کے بارے میں کہتے ہیں:

"فعل ناقص بھی فعل کی ایک قسم ہے جو لازم اور متعدی سے مختلف ہے۔ فعل لازم میں تو کسی کام یا فعل کا کرنا نہ کرنا، ہونا نہ ہونا پایا جاتا ہے اور اس کا اثر صرف کام کرنے والے یعنی فاعل تک محدود پایا جاتا ہے۔ مثلاً زید آیا۔ آیا فعل لازم ہے اور اس کا فاعل زید ہے۔"

(کتاب مذکورہ: ص ۳۸۰)

اس کے ساتھ ساتھ مذکورہ بالا عنوانات پر سیر حاصل بحث بھی کی گئی ہے۔

ازمنۂ ثلاثہ کی تفصیلی تعریف کے ساتھ مثالیں بھی دی گئی ہیں اور گردانوں کی مدد سے مزید وضاحت کی گئی ہے۔ ان گردانوں میں جمع متکلم مؤنث کے صیغے کے لیے مذکر افعال لائے گئے ہیں جو کہ درست ہیں، جیسے:

ہم آتے ہیں، ہم آئیں گے، ہم آتے رہیں گے، ہم لائے گئے، ہم لائے جاتے تھے وغیرہ۔

لیکن بعض مقامات پر مؤنث افعال بھی لائے گئے ہیں۔ جیسے:

ہم لائی گئی ہیں (یہی جملہ ماضی مطلق میں مذکر فعل کے ساتھ ہے۔)، ہم ہوئے (ہم ہوئیں)۔

جمع متکلم "ہم" مذکر ہونے کے باعث تانیثی حالت میں بھی مذکر ہی بولا جاتا ہے، البتہ دبستان لکھنؤ میں یہ صیغہ مؤنث ہے۔ مثلاً

ہم سوتی ہیں، ہم سن رہی ہیں، ہم لکھ رہی تھیں، ہم پڑھتی رہیں گی وغیرہ۔

اس تفصیلی بحث کے بعد مصادر فعلی کا ذکر مع امثلہ کیا گیا ہے۔ مصادر فعلی کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"مصادر فعلی سے مراد ایسے بامعنی کلمے کی ہے جس میں کسی فعل یا عمل یا حرکت یا حالت کے معنی پائے جائیں۔ لیکن کوئی زمانہ ازمنۂ ثلاثہ یعنی ماضی، حال اور مستقبل میں سے نہ پایا جائے۔"

اس تعریف کے بعد ص ۴۵۷ سے ۴۶۴ تک الفبائی ترتیب سے (سوائے "ی" "ے") کثیر الاستعمال مصادر فعلی کی جامع فہرست دی گئی ہے۔

ایک باب حروف کی بحث پر ہے۔

حرف کی عام طور پر یہ تعریف کی جاتی ہے کہ ایسا کلمہ جو خود تو اکیلا کوئی معنی نہ دے لیکن جملے میں آ کر نہ صرف خود بامعنی بن جائے بلکہ جملے میں اسم اور فعل کے درمیان ربط بھی پیدا کر کے اسے بامعنی بنا دے۔

حروف سے متعلق لکھتے ہیں:

"حروف سے مراد ایسے کلمات ہیں جو کلامِ مسلسل دوسرے بامعنی کلمات میں ربط پیدا کرتے ہیں۔ ان کے معانی کا دار و مدار دوسرے کلمات کے ملنے اور ساتھ آنے پر منحصر ہے۔"

(کتاب مذکورہ: ص ۴۷۴)

حرف ربط، حرف عطف، حرف تخصیص اور حرف فجائیہ؛ حروف کی اقسام ہیں۔

کتاب مذکورہ میں ان حروف کی تعریف، امثلہ اور پھر ان کی اقسام پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

حرف ربط ایسا حرف ہے جو دو مختلف کلموں میں تعلق پیدا کرتا ہے۔

حرف کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"حروف ربط ایسے حروف ہیں جو ایک کلمے کا کسی دوسرے کلمے سے علاقہ، ربط یا تعلق ظاہر کرتے ہیں۔"

(کتاب مذکورہ: ص ۴۷۵)

حروفِ ربط کی امثلہ میں اُردوئے قدیم کی بھی مثالیں دی گئی ہیں۔ جیسے:

نیں (نے)، کون (کو)، تئیں (کو)، سیں (سے) وغیرہ۔

حروفِ عطف سے متعلق کہتے ہیں:

• حروفِ عطف ایسے حروف یا الفاظ ہیں جو دو یا دو سے زیادہ کلموں یا جملوں کو ملاتے ہیں۔ مثلاً اور، و، پھر، کر، کے۔

حروفِ ربط کی اقسام کا ذکر نام کے ساتھ نہیں کیا گیا البتہ اس کی مختلف حالتوں مثلاً ربطِ زمانہ کے ساتھ، اسم عدد کے ربط کے لیے، نسبت ظاہر کرنے کے لیے، حالت یا طور طریقہ ظاہر کرنے کے لیے، تفرقہ، علیحدگی اور جدائی کے لیے، اسم سے تعلق یا ربط قریب کے لیے؛ سبب، وجہ یا وسیلہ کا تعلق ظاہر کرنے کے لیے، ظرفِ مکانی اور ظرفِ زمانی کی تمیز کے لیے وغیرہ۔ اس طرح حرفِ ربط کی جملہ اقسام کا ذکر مع امثلہ، کیا گیا ہے۔

حروفِ عطف کی سات اقسام: وصل، تردید، استدراک، استثنا، شرط، علت اور بیانیہ کا ذکر کرتے ہوئے ہر ایک قسم مثالوں سے وضاحت کی گئی ہے۔

حروفِ تخصیص کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

• حروفِ تخصیص ایسے حروف کو کہتے ہیں جو کسی اسم یا فعل کے ساتھ لائے جائیں تو خصوصیت اور حصر کے معنی پیدا کرتے ہیں۔•

اُردو میں مستعمل حروفِ تخصیص یہ ہیں:

ہی، تو، بھی، ہر، صرف، محض، اکیلا، اک، فقط، نِرا، تنہا، بس، خالی۔

آگے ان ہی الفاظ کی مزید وضاحت بیان کرتے ہوئے ان کی مثالیں، اشعار کی صورت میں دی گئی ہیں۔

حروفِ تخصیص کی تعریف اور امثلہ کے بعد حروفِ فجائیہ کا ذکر کیا گیا۔

حروفِ فجائیہ کی تعریف یوں کی گئی ہے:

• ایسے الفاظ جو جذبے کی شدت، غیظ و غضب، حسرت و تأسف، خوشی اور غم، نفرت و تحسین و آفریں، تاکید اور تنبیہ کے موقع پر استعمال ہوتے ہیں؛ حروفِ فجائیہ کہلاتے ہیں۔•

(کتاب مذکورہ: ص ۵۰۲)

حروفِ فجائیہ کی ان اقسام کا تفصیلی ذکر مع امثلہ کیا گیا ہے۔ حروفِ فجائیہ کی درج ذیل اقسام ہیں:

حروفِ ندا، حروفِ تحسین اور حروفِ انبساط، حروفِ تأسف، حروفِ مذمت و نفرت (انھیں حروفِ نفریں بھی کہا جاتا ہے۔ راقم)، حروفِ تعجب، توبہ اور پناہ مانگنے کے حروف، حروفِ فجائیہ، حروفِ تنبیہ، تمنا، طلب یا خواہش کے حروف، حروفِ مفاجات، حروفِ تحقیق و یقین، شک، شبہ اور ظن کے حروف، حروفِ تسلسل، کلام اور حروفِ تفریح، حروفِ تفسیر، حروفِ ظرفیت، حروفِ جواب و ایجاب، مقدار کے حروف (حروفِ مقداری۔ راقم)، حروفِ استفہام، تشبیہ کے حروف، تاکید کے حروف، قسم کے حروف، شمول اور شرکت کے حروف، جزا کے حروف (حروفِ جزا۔ راقم)، کلماتِ قدوم و استقبال (حروفِ خیر مقدم۔ راقم)، کلماتِ رخصت، تزئینِ کلام کے حروف (حروفِ تزئین۔ راقم) اور کلمات خلاصہ کلام (حروفِ اختصار۔ راقم)۔

ان اقسام کا تفصیلی بیان اور مثالوں کی مدد سے وضاحت کی گئی ہے۔ حروف کے اس باب میں، اس بات کا التزام کیا گیا ہے کہ حروف اور ان کی جملہ اقسام کے؛ ساتھ ساتھ اشعار کے ذریعے بھی، ان کے استعمال کی مثالیں دی گئی ہیں۔

ان اقسام میں حروفِ نفی، حروفِ اضراب اور حروفِ تہنیت کا ذکر نہیں کیا گیا۔

کتاب مذکورہ کے بعض مقامات پر ماہرِ لسانیات اور لغت نویس وارث لدھیانوی نے "اُردو صرف و نحو کے بعض مسائل پر ایک نظر (بحوالہ جامع القواعد)" کے عنوان سے ایک سیر حاصل بحث مقالہ لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

زبان و بیان (لسانی مقالات) از وارث لدھیانوی مقتدرہ قومی زبان (ادارۂ فروغ زبان)، اسلام آباد۔

۷۔ جامع القواعد (حصہ نحو) = ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان عالمِ دین، مؤرخ، نقاد، ماہرِ اقبالیات، ماہرِ لسانیات، محقق اور روحانی شخصیت تھے۔ اقبال اور قرآن، اُردو میں قرآن و حدیث کے محاورات، ادبی جائزے، فارسی پر اُردو کا اثر، علمی نقوش، حالی کا ذہنی ارتقاء، مجدد الف ثانی، خزینۃ المعارف، معارفِ اقبال، ہمہ قرآن در شانِ محمد ﷺ اور جامع القواعد (حصہ نحو) وغیرہ آپ کی تصانیف و تالیفات میں شامل تھیں۔ اُردو قواعد پر آپ کی تالیف جامع القواعد (حصہ نحو) اس وقت زیرِ بحث ہے۔

یہ کتاب اُردو سائنس بورڈ، لاہور سے شائع ہوئی۔ راقم کے پیشِ نظر طبع چہارم سال ۲۰۱۹ء ہے۔

یہ کتاب، جیسا کہ ظاہر ہے حصہ نحو پر ہے۔ حصہ صرف پر ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے اسی نام سے کتاب تالیف کی، جس کا تفصیلی ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔

مذکورہ کتاب، مقدمہ سمیت نو ابواب پر مشتمل ہے۔ مقدمہ سے پہلے حرفِ اول کے عنوان سے ادارے کے ڈائریکٹر جنرل کی طرف سے نحو سے متعلق قدرے وضاحت کی گئی۔ جدید لسانیات سے قواعد نویسی پر مرتب اثرات پر مختصر سا اظہار خیال بھی کیا گیا ہے اور جامع القواعد سے متعلق ان ہی باتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں:

• پیشِ نظر کتاب میں بہت سے نئے موضوعات و مباحث شامل ہیں جن کے تجزیے کا پورا انداز لسانیاتی اور تحقیقی و تاریخی ہے۔•

اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ مشرق و مغرب کے اُردو قواعد نویسوں میں انشا، شبلی، مولانا احسن مارہروی، محمود شیرانی، نجم الغنی خان، مولانا ذوالفقار علی، فتح محمد جالندھری، خان آرزو، مولوی عبدالحق، گل کرائسٹ، پامر، پلیٹس، کیلاگ، پنڈت دتا تریہ کیفی، پانینی (سنسکرت زبان کا پہلا قواعد نگار) اور ان کے ساتھ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کا نام اہم قواعد نویسوں میں شامل ہے۔

مؤلف کی طرف سے لکھے گئے مقدمہ کے آغاز میں •نحو• سے متعلق لکھتے ہیں:

• نحو عربی لفظ ہے۔ اس کے لغوی معنی طریق، راہ، قصد اور اسلوب کے ہیں مگر اصطلاحی معنی اور ہیں۔ متاخرین نحاۃِ عرب کے نزدیک یہ ایسے علم کا نام ہے جس سے کلامِ عرب کے اعراب معلوم ہوتے ہیں۔•

اس پر علامہ شبلی کا یہ اعتراض بھی نقل کیا گیا ہے۔

شبلی لکھتے ہیں:

•اگر نحو کی یہی حقیقت ہے تو جن زبانوں میں اعراب نہیں ہیں، ان کے لیے نحو کا فن بالکل بے کار ہوگا کیوں کہ اس تعریف کی رُو سے نحو کا یہ مقصد ہے کہ الفاظ کا اعراب معلوم کیا جائے، اس لیے جن زبانوں میں سرے سے اعراب نہیں مثلاً موجودہ فارسی یا اہلِ زبان کی عربی جس میں تمام الفاظ ساکن الاواخر ہوتے ہیں اور عوامل کے آنے سے ان میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا، وہ نحو سے خارج ہوں گے۔•

(کتاب مذکورہ •مقدمہ•: ص ۸)

نحو کی تعریف کے بعد مستشرقین کی لکھی ہوئی کتب اُردو قواعد کی روشنی میں نحو سے متعلق جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دریائے لطافت، احسن القواعد، مصباح اللغات، دستور الفصاحت، آئینِ اُردو، قواعدِ اُردو، قواعدِ کشوری اور اساسِ اُردو کے حوالے سے بھی بات کی ہے۔ مولانا شبلی نعمانی کی فنِ نحو سے متعلق تجاویز سے متعلق لکھتے ہیں:

• مولانا شبلی نے فنِ نحو کی تدوینِ جدید سے متعلق جو فکر انگیز اور مجتہدانہ شان رکھنے والی تجاویز، الندوہ میں پیش کی

تھیں؛ اگرچہ وہ بنیادی طور سے عربی نحو سے متعلق تھیں لیکن اُردو نحو کی تدوین کے سلسلے میں بھی ان کے فکر انگیز اور کارآمد ہونے میں شبہ نہیں اور ہمارے قواعد نویسوں کو ایک حد تک ان تجاویز نے متاثر بھی کیا۔"

(کتاب مذکورہ "مقدمہ": ص ۱۴)

اس کے بعد مولانا شبلی نعمانی کی پیش کردہ تجاویز کا ذکر کیا گیا ہے۔ پنڈت دتا تریہ کیفی کی بھی اُردو نحو سے متعلق تجاویز کا ذکر ملتا ہے جو انھوں نے "کیفیہ" میں پیش کیں۔ اس کے بعد باب اول کا آغاز کیا گیا جس کا عنوان "جملے کی ساخت" ہے۔ اس باب میں فاعل کے مقصد کے پیشِ نظر جملے کی اقسام کا ذکر ہے۔

جملے کی تعریف کیے بغیر اس کی درج ذیل اقسام کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔خبر ۲۔استفہام ۳۔امر ۴۔فجائیہ

اقسام گنوانے کے بعد ہر قسم کا مثالوں کے ساتھ تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے۔ خبر (جملہ خبریہ) سے متعلق کہتے ہیں:

"اس سے مراد وہ جملہ ہے جس کے اجزائے ترکیبی میں باہم ایسی نسبت ہو کہ مخاطب کو کوئی خبر معلوم ہو۔ مثلاً رات بارش ہوئی، آج اتوار ہے، کل بازار بند ہے۔"

(کتاب مذکورہ: ص ۱۵)

اسنادِ خبری، اجزائے ترکیبی کی نسبت ہے۔ اسنادِ خبری کے حوالے سے فوائد گنوائے گئے ہیں اور ساتھ جملہ خبریہ کے مجازی استعمال اور اس کی اقسام پر تفصیلاً مع امثلہ ذکر کیا گیا ہے۔

مؤکداتِ خبر کی تعریف کرتے ہیں:

"مؤکداتِ خبر سے مراد وہ تاکیدی الفاظ ہیں جو قائل خبر میں مخاطب کے تردد یا انکار کے پیشِ نظر لائے۔ مثلاً بےشک، اصلا، ہرگز، مطلق وغیرہ۔"

(کتاب مذکورہ: ص ۱۹)

مؤکدات کی تین اقسام، ابتدائی، طلبی اور انکاری کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ مثالوں کی روشنی میں وضاحت بھی کی گئی ہے۔

استفہام بروزن استفعال، مصدر کا صیغہ ہے۔ اس سے مراد کوئی بات پوچھنا، سوال کرنا، کوئی بات وغیرہ معلوم کرنا ہے۔ قواعد کے لحاظ سے اس سے مراد ایسے حروف ہیں جو کسی بات کے پوچھنے یا سوال کرنے کے لیے استعمال ہوں۔ جیسے: کب، کون، کہاں، کیسے، کس، طرح، کس، طور سے، کیوں اور کس لیے وغیرہ اور جملے کے اختتام پر علامتِ استفہامیہ (؟) لگائی جاتی ہے۔

کتاب کے ص ۲۰ پر جملہ استفہام کی یہ تعریف کی گئی ہے:

"وہ جملہ جو قائل حقیقتاً یا مجازاً مخاطب طلبِ خبر کرے؛ جملہ استفہامیہ ہے مثلاً تم کہاں رہے؟ کون آ رہا ہے؟ ہوائی جہاز کب اڑے گا؟"

جملہ استفہام کی دو اقسام، استفہامِ استخباری اور استفہامِ اقراری کا ذکر مع امثلہ کیا گیا ہے۔

کلماتِ استفہام کا تفصیلی ذکر مثالوں سے وضاحت سے کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ استفہام کی مختلف حالتوں یعنی فاعلی، مفعولی، اضافی کا ذکر کرنے کے بعد استفہامِ مجازی اور اس کے فوائد بھی گنوائے گئے ہیں۔

امر (اَمر amr) سے مراد حکم، فرمان وغیرہ ہے۔

قواعد کی رو سے فعل امر یا جملہ امر سے مراد ایسا جملہ جس میں کسی بات کے کرنے کا حکم یا فرمان جاری کیا جائے۔ بعض اوقات درخواست یا گزارش کے لیے بھی فعل امر استعمال کیا جاتا ہے۔

کتاب مذکورہ میں امر سے مراد ہے:

"وہ جملہ، جو طلبِ فعل پر دلالت کرے، امر ہے۔ یہ صرف صیغہ امر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ صیغہ مضارع، صیغہ مصدر اور فعل تحریصی وضروری بھی طلبِ فعل پر دلالت کرتے ہیں۔"

(کتاب مذکورہ: ص ۲۹)

تعریف کے بعد مذکورہ صیغوں کے استعمال کی وضاحت کی گئی ہے اور ساتھ ساتھ مثالیں بھی پیش کی ہیں۔

فجائیہ سے متعلق کہتے ہیں:

"وہ جملہ، جس سے اچانک جوش وجذبے کا اظہار ہو؛ فجائیہ ہے۔ دراصل اس اچانک جوش و جذبے کا اظہار کچھ خاص الفاظ سے ہوتا ہے جو بےتحاشا زبان سے نکل جاتے ہیں جنھیں حروفِ فجائیہ کہتے ہیں: جیسے اوہو، ہائے، ارے وغیرہ۔

(کتاب مذکورہ: ص ۳۹)

حروفِ فجائیہ کے بعد جملے کے عناصرِ ترکیبی کے حوالے سے اسم، صفت اور متعلق فعل کی ترتیب و ترکیب کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے بعد مسندالیہ اور مسند، صفت اور موصوف، مضاف اور مضاف الیہ، فعل اور فاعل کی مطابقت، فاعل اور مفعول کا رشتہ کے عنوان کے حوالے سے جملے کے عناصرِ ترکیبی کا تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے۔ مضاف اور مضاف الیہ کے بیان میں آئینِ اُردو کے حوالے سے اضافت کی گیارہ اقسام کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس میں اضافتِ مطلق، اضافتِ ملک (اضافتِ ملکیت یا تملیکی)، اضافتِ نسبی، اضافتِ ظرفی، اضافت بہ ادنیٰ، اضافتِ توضیحی، اضافتِ مادی، اضافتِ علت وسبب، اضافت شبہی (اضافتِ تشبیہی)، اضافتِ استعارہ اور اضافتِ وصفی (اضافتِ توصیفی) شامل ہیں۔

آئینِ اُردو میں درج ذیل اقسام کا ذکر نہیں گیا۔

اضافتِ اقترانی، اضافتِ بیانی، اضافتِ حقیقی، اضافتِ مقلوب اور حالتِ اضافی یعنی فکِ اضافت اور اضافتِ مستوی۔ تاہم مؤلف نے ان اقسام کا ذکر مع امثلہ کر دیا ہے اور اس کے ساتھ اضافت سے متعلق اصول کا بھی ذکر کیا ہے۔

باب شمار ۲۔ مسندالیہ ہونے والے کلمات کا عنوان دیا ہے۔

اس باب میں اسماء، ضمائر، مصادر، تذکیر و تانیث بحالت فاعلی اور ضمائر کی فاعلی اور مجروری حالتوں کا مثالوں کے ساتھ تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر اشعار بھی بطور مثال پیش کیے گئے ہیں۔

باب شمار ۳۔ مُسند کے بیان پر ہے۔

کتاب کے اِس باب میں مسند کی تعریف نہیں کی گئی۔ اس کی مختصر تعریف یہ ہے:

"مسند سے مراد جملے میں جس چیز سے متعلق خبر دی جائے مثلاً اسلم دولت مند ہے۔ اس جملے میں "دولت مند" مسند ہے۔ مسندالیہ سے مراد جملے میں جس کے بارے میں خبر دی جائے۔ جیسے اوپر کی مثال میں "اسلم" مسندالیہ ہے کیوں کہ جملے میں اسلم کے متعلق دولت مند ہونے کی خبر دی گئی ہے۔" راقم

فعل مسند کا ایسا حصہ ہے جس کے بغیر مسند کی تکمیل ممکن نہیں۔ مسند کے جزوِ لازم کی تین اقسام ہیں جن کا تفصیلی ذکر مؤلف نے عالمانہ انداز سے کیا۔ فعل کی تین اقسام یہ ہیں:

لازم، متعدی اور متعدی المتعدی

"عربی زبان میں فعل لازم کا مفعول آتا ہے جس کی چار اقسام ہیں لیکن اُردو میں اس کا مفعول نہیں آتا، صرف فاعل اور فعل ہوتے ہیں۔ جیسے: اسلم جاگا، وہ آتا ہے، تم جاؤ گے وغیرہ۔ فعل متعدی میں مفعول موجود ہوتا ہے۔ جیسے: میں نے خط لکھا، وہ اخبار پڑھ رہا ہے وغیرہ۔ فعل متعدی المتعدی میں دو مفعول ہوتے ہیں۔ جیسے: وہ مجھ سے خط لکھواتا ہے، اکبر نے اسلم سے رقم دلوائی وغیرہ۔" راقم

مؤلف نے اس باب میں مسند کے حوالے سے فعل لازم، فعل متعدی اور فعل متعدی المتعدی کی مثالوں سے

مزین تفصیلی بحث کی ہے۔

باب شمار۔ ۴ کا عنوان مفعولی اور تکمیلی کلمات ہے۔ لکھتے ہیں:

• مفعول کا کام فعل متعدی کی تکمیل کرنا ہے افعال ناقصہ بھی تکمیل طلب ہوتے ہیں اور ان کی تکمیل کے لیے خبر آتی ہے۔ اسی لیے بعض عالموں (علماء۔ راقم) نے افعال ناقصہ کو بھی لازم کے بجائے متعدی شمار کرنے اور اس کی خبر کو تکمیلی کلمہ سمجھنے پر زور دیا ہے۔•

(کتاب مذکورہ: ص ۹۳)

اس وضاحت کے بعد مفعولی کلمات کی خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے۔

صفحہ ۹۴ پر عنوان کی نسبت سے مفعول مطلق، مفعولی ضمیروں کی جگہ اضافی ضمیروں کا استعمال، علامتِ مفعول کے مختلف فوائد، مفعولی کلمات کا استعمال فاعلی کلمات کی جگہ اور تکمیلی کلمات: خبر کا بھی ذکر مثالوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔

باب شمار۔ ۵ کا عنوان صفت ہے۔

مذکورہ باب میں صفت کی وضاحت اور اس کے تین درجوں تفضیل نفسی، تفضیلِ بعض اور تفضیلِ کُل کا ذکر کیے بغیر؛ تعدد، مقدار، مقداری مبہم اور مقابلے کے عنوان سے صفت کی اقسام کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثالوں میں اشعار کا بھی استعمال کیا گیا ہے۔

باب شمار۔ ۶ کا عنوان حروف اور ان کا استعمال ہے۔ حرف کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

• نحو کے نقطۂ نظر سے حرف کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے ربطِ کلام درست ہوتا ہے۔•

(کتاب مذکورہ: ص ۱۱۵)

حروف کی اقسام حروفِ عاملہ (جنھیں حروفِ مغیرہ بھی کہا جاتا ہے)، • نے • علامتِ فاعل اور فعل مرکب کے ساتھ اس کا استعمال، علامتِ اضافت، حروفِ جار اور اس کا مختلف صورتوں میں استعمال کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ مثالوں کے لیے اشعار سے بھی کام لیا گیا ہے۔

حروفِ غیر عاملہ کے تحت کلماتِ حصر و تخصیص، حروفِ تاکید، کلماتِ قسم، حروفِ تشبیہ و مثال، کلماتِ تفریح، کلماتِ خلاصۂ کلام، کلماتِ ندا، کلماتِ جواب، حرفِ تفسیر، کلماتِ تحقیق، کلماتِ تمنا، حروفِ شک و ظن، حروفِ تزئینِ کلام، حروفِ مفاجات، کلماتِ طبعی اور حروفِ استفہام کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ مثالوں کے مختصر جملوں کے ساتھ اشعار کا بھی اہتمام ضروری سمجھتے ہوئے، کیا گیا ہے۔

باب شمار۔ ۷ عطف کے بیان پر ہے۔

عطف، عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معانی ہیں؛ جھکاو، پھیر، میلان، رغبت، مہربانی، تعلق۔ اسی سے • عاطف • فاعل ہے۔ جس سے مراد مہربانی کرنے والا، تعلق رکھنے والا وغیرہ۔ نحو کی اصطلاح میں عطف سے مراد ہے وہ حرف جس کے ذریعے کسی لفظ کو یا جملے کو پہلے لفظ یا جملے کے ساتھ ملانا اور اس کے حکم میں شامل کرنا ہے۔

مؤلف عطف کی تعریف یوں کرتے ہیں:

• لغت میں عطف کے معنی ہیں پھیرنا۔ اصطلاح نحو میں عطف سے مراد کسی کلمے یا کلام کا دوسرے کلمے یا کلام کی طرف پھیرنا۔ پھر دوسرے لفظوں میں دو یا دو سے زیادہ جملوں یا لفظوں کے ملانے کو عطف کہتے ہیں۔•

(کتاب مذکورہ: ص ۱۵۱)

جو جملہ یا الفاظ حرف عطف سے ملائے جاتے ہیں ان میں پہلا جملہ یا حرف معطوف علیہ اور دوسرا معطوف کہلاتا ہے۔ جیسے:

احمد اور اسلم، کتاب و سنت اس مثال میں احمد اور کتاب معطوف علیہ، سلم اور سنت معطوف ہیں۔ جب کہ اور، و حروف عطف ہیں۔ مؤلف معطوف علیہ اور معطوف کے بارے میں کہتے ہیں:

• جس پر عطف کیا جاتا ہے اسے معطوف علیہ کہتے ہیں؛ جس کا عطف کرتے ہیں وہ معطوف کہلاتا ہے۔•

(کتاب مذکورہ: ص ۱۵۱)

اس تعریف کے بعد عطف سے متعلق اہم تصریحات کا ذکر کرنے کے بعد حروفِ عطف کی مختلف صورتوں میں استعمال کی وضاحت مثالوں کے ساتھ کی گئی ہے۔ معنوی اعتبار سے کلمات (حروف) کی درج ذیل اقسام بیان کی گئی ہیں:

حروفِ عطف، حروف تردید، حروفِ اِضراب، حروفِ استدراک، حروفِ استثنا، حروفِ بیان، حروفِ شرط و جزا اور حروفِ علت۔

حروفِ عطف کی درج بالا آٹھ اقسام گنوائی گئی ہیں جب کہ حقیقی طور پر سات اقسام ہیں۔ ان اقسام میں حروفِ عطف کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ جب کہ حرفِ عطف بجائے خود ایک کلمہ ہے جسے اقسام میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔

اقسام گنوانے کے بعد ان (مع حروفِ عطف جس کا بیان اوپر دیا جا چکا ہے) کی وضاحت اور استعمال مع امثلہ، بیان کی گئی ہیں۔ امثلہ میں اشعار سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

باب شمار۔ ۸ املا اور علاماتِ وقف کے بیان پر ہے۔

یاد رہے علاماتِ وقف، رموزِ اوقاف کے نام سے بھی مشہور ہے۔ املاء سے متعلق مختصر مگر جامع انداز میں فرماتے ہیں:

• املا دراصل لفظوں میں صحیح صحیح حرفوں کے استعمال کا نام ہے اور جو طریقہ ان حرفوں کے لکھنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے وہ رسم الخط کہلاتا ہے۔•

(کتاب مذکورہ: ص ۱۶۷)

املاء کی درستی سے متعلق کہتے ہیں:

• حقیقت یہ ہے کہ ہر زبان کے لیے صحیح املا کے قواعد ضروری ہیں۔ اُردو دان طبقے میں اتنی ہی بے اعتنائی برتی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک لفظ ایک شخص جس طرح سے لکھ دیتا ہے، وہ دوسروں کے لیے سند بن جاتا ہے۔•

(کتاب مذکورہ: ص ۱۶۷)

• املاء کی درستی کے حوالے سے خان آرزو کا نام لیا گیا ہے۔ اگر اُردو املاء کی اصلاح کے حوالے سے بات کی جائے تو خان آرزو سے پہلے بھی کئی ایسے صاحب علم گزرے ہیں جن کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں جو نام اولیت کے درجے پر فائز ہے وہ قاضی محمود دریائی بیر پوری کا ہے۔ اس ضمن میں پروفیسر ڈاکٹر مقبول نثار ملک کہتے ہیں:

• بہمنی دور میں قاضی محمود دریائی بیر پوری نے سماجی اصلاح کے ساتھ ساتھ لسانی اصلاح کا بھی فریضہ بھی سرانجام دیا۔•

(اُردو میں اصلاحِ زبان کی روایت، پروفیسر ڈاکٹر مقبول نثار ملک: ص ۴۱؛ مثال پبلشرز، فیصل آباد)۔• راقم

اس بیان میں اگرچہ املاء سے متعلق وضاحت نہیں ملتی لیکن جہاں زبان کی اصلاح کی جاتی ہے وہاں املاء اور رسم الخط کی بھی اصلاح کی جاتی ہے۔

انشاء سے متعلق بھی بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے اصلاحِ املاء کے اصول پیش کیے ہیں۔ اس سلسلے میں مرزا غالب کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

مولانا محمد احسن مارہروی (شاگرد حضرت داغ دہلوی) کی املائی تصریحات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ املائی تصریحات کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کا بھی حوالہ دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے املاء کے حوالے سے جو اصلاحات پیش کی ہیں، ان کا بھی قدرے تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے۔ رسم الخط کے حوالے سے بعض اہم تصریحات کا ذکر شاملِ کتاب ہے۔

اُردو تحریر میں رسم الخط اور املاء کے ساتھ اوقاف کا درست اور برمحل استعمال بھی انتہائی ضروری ہے۔ ان کا غلط استعمال تحریر کا مطلب سمجھنے میں دشواری کا پیش خیمہ ہے۔ مولانا حالی کی کتاب • یادگارِ غالب • اُردو میں لکھی گئی پہلی کتاب ہے

جس میں رموزِ اوقاف استعمال کیے گئے ہیں:

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان لکھتے ہیں:

"اُردو کی جس مطبوعہ کتاب میں سب سے پہلے اوقافِ قرأت کی پابندی کی گئی ہے، وہ مولانا حالی کی کتاب 'یادگارِ غالب' ہے۔"

(کتاب مذکورہ: ص ۱۸۱)

رموزِ اوقاف سے متعلق مولوی نظام الحسن نونتوی کے ایک رسالے "اوقاف العبارت" کا بھی ذکر کیا ہے جس کی اشاعت ۱۹۰۴ء میں ہوئی۔

بابائے اُردو مولوی عبدالحق نے اپنی کتاب قواعدِ اُردو میں جن اُردو رموزِ اوقاف کا ذکر کیا ہے مؤلفِ کتابِ ہٰذا نے ان کا بھی انگریزی ناموں کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ان کے درست استعمال کی تفصیلی وضاحت بھی کی ہے۔

۸۔ آئینِ اُردو = شیریں زادہ خدوخیل

یہ کتاب الفیصل، لاہور کی طرف سے ۲۰۱۲ء کو شائع ہوئی۔ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلا باب حروف، حروفِ شمسی و قمری مع اعداد اور چند اہم اعراب کے عنوان پر مشتمل ہے۔ جس میں حروف کی تعریف کرتے ہیں:

"مختلف آوازوں کی پہچان کے لیے جو تحریری علامات مقرر ہیں، ان کو حروف کہا جاتا ہے۔ اُردو میں اسے ابجد بھی کہا جاتا ہے۔"

(کتاب: مذکورہ: ص ۹)

کتاب میں دیے گئے حروفِ تہجی کی تعداد ۳۷ ہے۔ پھر ان ہی حروف کی عربی، فارسی اور ہندی زبانوں کے مطابق تقسیم کی گئی ہے۔ حروفِ تہجی میں الف ممدودہ اور مرکب حروف مثلاً بھ، پھ، تھ، ٹھ وغیرہ شامل نہیں کیے گئے جب کہ مذکورہ حروف؛ حروفِ تہجی میں شامل ہیں۔ الف ممدودہ کا الگ ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد حروف کی مختلف اقسام مثلاً حروفِ علت، صحیح، متشابہ، معجم (منقوطہ)، حروفِ مہمل (غیر منقوطہ)، ثقیلہ، مکسورہ، ہمزہ، واو معروف مجہول، معدولہ، یائے ملفوظ، مجہول، مخلوط، ہائے مختفی، معروف اور مجہول کا ذکر کیا گیا ہے۔ امالہ، مخفف، نون غنہ، یائے لین، مقدر، تارید اور حروفِ مغیرہ کا بیان مع امثلہ کیا گیا ہے۔ ادغام، واو لینی، تفریس اور تعریب کا ذکر نہیں کیا گیا جو کہ ضروری تھا۔ حروفِ شمسی اور قمری کا بیان ایک کہانی کی صورت میں کیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ ان کے استعمال کی مثالیں بھی دی گئی ہیں۔ اس طرح طلبہ و طالبات کے لیے ان حروف کی پہچان اور استعمال، آسانی سے ہو سکے گا۔

بعد ازاں اعداد کا بیان بھی ایک کہانی ہی کی صورت میں کیا گیا ہے۔ حروفِ ابجد یعنی ابجد، ہوز، کلمن اور سعفص وغیرہ کی عددی قیمتیں دی گئی ہیں اور ساتھ میں ان قیمتوں کا استعمال بھی مختلف ناموں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یوں طلبہ و طالبات کے لیے حروفِ ابجد اور ان کی عددی قیمتوں سے بخوبی واقفیت اور ان کا استعمال بھی آسان ہو جائے گا۔ اس کے بعد اعراب کی تعریف مع امثلہ بیان کی گئی ہے۔ دوسرے باب میں علمِ صرف کا بیان کیا گیا ہے۔ صرف کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"صرف کے لغوی معنی 'پھیر' کے ہیں لیکن قواعد کی رُو سے یہ وہ علم ہے جس میں الفاظ کے تغیر و تبدل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔"

(کتاب: مذکورہ: ص ۲۷)

اس باب میں لفظ اور اس کی اقسام، کلمہ اور اس کی اقسام، اسم، فعل اور حرف کا بیان مثالوں کے ساتھ کیا گیا ہے اور آخر میں حروفِ تہجی کے عنوان سے لفظ کی اقسام بشکل شجرہ دیا گیا ہے۔ اس شجرے کا عنوان اگر صرف "لفظ" دیا جاتا تو مناسب تھا۔ اس کے بعد اسم اور اس کی جملہ اقسام کا ذکر مع امثلہ، کیا گیا ہے۔ ص ۳۲ پر اسمِ معرفہ کی اقسام بشکل شجرہ بتائی گئی ہیں۔ وضاحت کے لیے جملوں کا استعمال کیا گیا ہے بلاشبہ یہ انداز طلبہ و طالبات کے لیے سمجھنے میں مددگار ثابت ہوگا۔ ساتھ ساتھ اس بات کا بھی التزام کیا گیا ہے کہ عنوان کا انگریزی ترجمہ دے کر پوری کتاب کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔

مثال کے طور پر اسمِ معرفہ کی تعریف یہ کی گئی ہے:

"اس کو بعض لوگ اسمِ خاص بھی کہتے ہیں انگریزی میں Proper Noun یا Definite Noun بھی کہا جاتا ہے۔"

(کتاب: مذکورہ: ص ۳۰)

اسمِ معرفہ کی یہ تعریف اگرچہ مکمل نہیں تاہم آگے اسمِ نکرہ کی تعریف میں مختلف مثالوں کے تحت دونوں اسما کی تعریف اور فرق واضح کیا گیا ہے۔

اسمِ معرفہ کے بیان کے بعد اسمِ معرفہ مع اقسام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی جملہ اقسام کا ذکر بشکل شجرہ ص ۴۷ پر کیا گیا ہے جن میں اسمِ ذات اسمِ کنایہ، اسمِ استفہام، اسمِ صفت، اسمِ مصدر، اسمِ حاصل مصدر، اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، اسمِ معاوضہ اور اسمِ حالیہ شامل ہیں۔ اسمِ معاوضہ اور اسمِ حالیہ کے سوا ہر اسم کی مزید اقسام کا ذکر کیا ہے۔ پھر تمام اقسام کا ذکر آسان پیرایے میں مثالوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اسی باب میں اسم کی بناوٹ، جنس اور تعداد (گنتی) کی اقسام تعریف مع امثلہ بیان کی گئی ہیں۔ ساتھ ساتھ کثیر الاستعمال الفاظ بھی دیے گئے ہیں۔

صفحہ ۱۰۸ پر حروفِ تہجی کے عنوان سے لفظ کی اقسام بصورت شجرہ بیان کی گئی ہیں۔ اگر حروفِ تہجی کے بجائے عنوان "لفظ" ہوتا تو احسن رہتا۔ لفظ کی دو اقسام کلمہ اور مہمل بیان کی گئی ہیں پھر کلمہ کی جملہ اقسام گنوائی گئی ہیں۔ صفحہ ۱۰۹ سے فعل کا ذکر مع اقسام و امثلہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ ہر قسم کی تعریف مختصر کی گئی ہے لیکن انداز جامع اختیار کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر فعل لازم کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"فعل لازم سے مراد وہ فعل ہے جس کو (جس کو کی جگہ جسے ہونا چاہیے) صرف فاعل کی ضرورت ہو۔"

(کتاب مذکورہ: ص ۱۰۹)

فعل کی زمانے کے لحاظ سے اقسام کا ذکر تعریف اور مثالوں سے کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ گردانوں کے ذریعے وضاحت کی گئی ہے۔ گردانیں صرف فعل معروف کی دی گئی ہیں اگر ان کے ساتھ فعل مجہول کا ذکر مع امثلہ اور گردانیں، کیا جاتا تو کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہو جاتا۔

اس کے بعد صفحہ ۱۲۵ پر دیگر افعال کے عنوان افعالِ ناقصہ، تام، امدادی افعال اور فعل معطوف کا ذکر بطریقِ احسن کیا گیا ہے۔ امدادی افعال میں اٹھنا، آنا، بیٹھنا، پانا، پڑنا، چاہنا، چُکنا، چھوڑنا، دینا، ڈالنا، رکھنا، رہنا، سکنا، کرنا، لگنا، لینا، نکلنا اور ہونا کا تفصیلی ذکر مع امثلہ کیا گیا ہے۔

صفحہ ۱۴۲ پر فعل کی جملہ اقسام بصورتِ شجرہ دی گئی ہیں۔ صفحہ ۱۴۴ پر بصورتِ شجرہ حرف کی اقسام گنوائی گئی ہیں اور پھر صفحہ ۱۴۵ سے حرف کا ذکر مع تعریف، امثلہ اور اقسام کیا گیا ہے۔

حروف کی چار اقسام: حروفِ ربط، حروفِ عطف، حروفِ تخصیص اور حروفِ فجائیہ بیان کی گئی ہیں اور اس کے بعد ہر حرف کی جملہ اقسام کا ذکر مع امثلہ بیان کیا گیا ہے۔ حروف کی اقسام کا تفصیلی ذکر راقم کے مضمون "حروف اور اس کی اقسام" میں بیان کیا گیا ہے۔ مذکورہ مضمون اخبارِ اُردو، اسلام آباد کے دو شماروں، اکتوبر ۲۰۲۱ء، دسمبر ۲۰۲۱ء میں بالاقساط شائع ہو چکا ہے۔

حروف کے بیان کے بعد صفحہ ۱۶۰ پر ایک عنوان تحلیلِ صرفی کا ذکر کیا گیا ہے۔ تحلیلِ صرفی کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"تحلیلِ صرفی سے مراد کسی جملے کے تمام الفاظ یا مطلوبہ الفاظ کو قواعد کے لحاظ سے الگ الگ شناخت کر کے بتانا کہ فلاں کلمہ لفظ کی کون سی قسم ہے یا اسم ہے، فعل ہے، ضمیر ہے، صفت ہے، مذکر ہے، مؤنث ہے، واحد ہے یا جمع۔ جملے کے دوسرے الفاظ سے اس کا کیا تعلق ہے۔"

(کتاب مذکورہ: ص ۱۶۱)

اس کے بعد اس عنوان کے تحت وضاحت کے ساتھ چند مثالیں دی گئی ہیں۔ صفحہ ۱۶۳ سے باب سوم علم نحو شروع کیا گیا ہے۔ شروع میں نحو کی تعریف کی گئی ہے۔ اس کے بعد کلام اور اس کی اقسام بیان کی گئی ہیں۔ کلام ناقص یعنی مرکب ناقص کی اقسام بصورت شجرہ صفحہ ۱۶۵ پر دی گئی ہیں۔ نقشہ کے ساتھ ہر قسم کی تعریف اور مثالیں دی گئی ہیں۔ اس کے بعد کلام تام یعنی جملہ کا بیان مع امثلہ کیا گیا ہے۔

صفحہ ۱۷۳ پر نحو کلام کے عنوان سے اس کی اقسام شجرہ کی صورت میں اقسام دی گئی ہیں۔ اس کے ساتھ کلام تام یعنی جملہ کا بیان کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ترکیب نحوی کا تفصیلی ذکر مع امثلہ آسان فہم انداز میں کیا گیا ہے۔ اسی طرح صفحہ ۱۸۲ پر مرکب جملے کے عنوان سے مرکب جملے کی تعریف کی گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ مرکب جملے کی اقسام کا ذکر مثالوں کے ساتھ آسان فہم انداز اپناتے ہوئے کیا گیا ہے۔ اسی باب کے اختتام پر ایک اہم عنوان رموز اوقاف کا تفصیلاً ذکر مع امثلہ کیا گیا ہے۔

باب چہارم فصاحت و بلاغت کے عنوان سے شروع کیا گیا اور صفحہ ۱۹۸ پر فصاحت و بلاغت کی جملہ اقسام کا شجرہ کی صورت میں نقشہ دیا گیا ہے اور اس کے بعد فصاحت و بلاغت کی تعریف کی گئی ہے۔ اس کے بعد علم معانی، علم بیان اور علم بدیع کا الگ الگ بیان اور بعد میں ان کی اقسام تعریف اور مثالوں سے بیان کی گئی ہیں۔

باب پنجم متعلقاتِ گرائمر کے عنوان سے شروع کیا گیا ہے۔ ایک بات جس کا ذکر ضروری خیال کیا جاتا ہے وہ یہ کہ "گرائمر" کا درست اُردو املاء "گریمر" یا "گرامر" ہے۔ اس میں ہمزہ کا استعمال اضافی ہے۔ انگریزی میں بھی R کے بعد A کے ساتھ کوئی اضافی حرف نہیں۔ انگریزی میں اس کا املاء GRAMMAR ہے۔ اس کی جگہ اگر "قواعد" لکھا جاتا تو زیادہ مناسب رہتا۔ یعنی "متعلقاتِ قواعد"۔ درج بالا عنوان متعلقات گرائمر سے متعلق یہ کہنا چاہوں گا کہ علامتِ اضافت، صرف عربی سے عربی، عربی سے فارسی، فارسی سے عربی کے لیے جائز نہ کہ عربی انگریزی وغیرہ کے لیے۔ (راقم)

اس باب میں سابقے اور لاحقے، مترادفات، متضاد، روزمرہ، محاورہ، ضرب الامثال اور تلمیحات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ساتھ کثیر الاستعمال سابقے، لاحقے، مترادفات، متضاد، روزمرہ، محاورات، ضرب الامثال اور تلمیحات بھی دی گئی ہیں۔

باب ششم میں اصناف ادب اور اصناف نثر کا اضافی ذکر مع امثلہ کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ کتاب اساتذہ، طلبہ اور عام قارئین کے مطالعے کے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اگر اگلی اشاعت کے لیے کتاب پر نظر ثانی کی جائے تو احسن رہے گا۔

۹۔ اُردو آموز = پروفیسر ڈاکٹر فاروق چودھری

یہ کتاب نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد کی طرف سے شائع ہوئی۔ پہلی اشاعت ستمبر ۲۰۱۷ء اور دوسری اشاعت جولائی ۲۰۱۹ء کو عمل میں لائی گئی۔ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ ابواب کی تعداد اکیس ہے۔ ابواب سے پہلے مبادیات اصطلاحات قواعد کے عنوان سے ایک اضافی باب دیا گیا ہے۔ جس میں حرف، حروفِ شمسی اور قمری، حرکات، واؤ معروف، مجہول اور معدولہ، ہائے ملفوظی و مختفی، ہائے مخلوط التلفظ، یائے معروف و مجہول، ماقبل و مابعد، امالہ، ابدال، ادغام، مترادفات، اشتقاق و مشتق، تعریب اور معرب، تفریس اور مفرس، تہنید اور مہند اور تصرف سے متعلق مختصر مگر جامع انداز میں بات کی گئی ہے۔ اس حصے میں اشباع، تارید اور مؤ رد کا ذکر نہیں کیا گیا جو کہ ضروری تھا۔ "ہائے" اور "یائے" کا جدید املاء "ہاے" اور "یاے" ہے۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی اور رشید حسن خان نے اسی املاء پر زور دیا ہے۔ کتاب میں حروفِ تہجی کا ذکر موجود نہیں۔ اگر کیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ حصہ اول صرف کے بیان پر ہے۔ یہ حصہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول سے پہلے صَرف، لفظ بامعنی، بے معنی یا مہمل اور کلمے کی اقسام کا ذکر مختصر ذکر مع امثلہ کیا گیا ہے۔ صرف کی تعریف میں کہتے ہیں:

"صَرف، لغت میں بدلنے اور ہیر پھیر کو کہتے ہیں۔ اہل قواعد (یہاں "اہل" اضافی ہے) کی اصطلاح میں ایسے علم کا نام ہے جس میں لفظوں کی ساخت اور ان کے تغیر و تبدل کا ذکر ہوتا ہے اور لفظ کی مختلف حالتوں اور قسموں سے بحث کی جاتی ہے۔"

(کتاب مذکورہ: ص ۴۳)

باب شمار۔ ۱ اسم کے بیان سے متعلق ہے، جس میں بناوٹ کے لحاظ سے اسمِ جامد، اسمِ مصدر، اسمِ مشتق، معنی کے لحاظ سے اسم کی اقسام مثلاً اسمِ معرفہ، اسمِ علم مع اقسام، اسم نکرہ مع اقسام کا ذکر مثالوں کے ساتھ آسان فہم انداز سے کیا گیا ہے۔ اس حصے میں مصدر کی اقسام مصدر لازم، مصدر متعدی اور مصدر متعدی المتعدی کا ذکر نہیں کیا گیا جو کہ ضروری تھا۔ باب شمار۔ ۲ فعل کے بیان پر مشتمل ہے۔

فعل کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"فعل اسم مصدر سے بنتا ہے۔ مصدر میں کام کا کرنا یا ہونا پایا جاتا ہے۔ فعل میں زمانہ اور کام دونوں پائے جاتے ہیں۔"

(کتاب مذکورہ: ص ۸۱)

فعل کی تعریف کے بعد ازمنۂ ثلاثہ کا مع اقسام و امثلہ ذکر کیا گیا ہے۔ فعل مضارع، فعل مختص بہ حال اور مضارع مختص بہ مستقبل کا بیان مثالوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد فعل امر، فعل نہی، فعل معروف و مجہول، فعل معطوف، فعل لازم، فعل متعدی اور فعل ناقص کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں فعل متعدی المتعدی کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس بیان کے بعد ازمنۂ ثلاثہ کی مثالیں گردانوں کے ذریعے دی گئی ہیں۔ یہاں جمع متکلم مؤنث کی گردانیں مؤنث افعال کے ساتھ دی گئی ہیں۔ جیسے: ہم گئیں۔ ہم گئی ہیں۔ ہم روئی تھیں۔ ہم جاتی تھیں وغیرہ۔ اسی صفحے (۹۴) کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"قدیم اُردو میں جمع متکلم کا صیغہ مذکر اور مؤنث کے لیے ایک ہی ہوتا تھا لیکن جدید اُردو میں الگ الگ ہے۔"

"یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ قواعد کی پرانی کتب مثلاً دریائے لطافت میں جمع متکلم مؤنث کا صیغہ مؤنث دیا گیا ہے۔ یہ کتاب لکھنوی دبستان کی آئینہ دار ہے اور لکھنوی دبستان میں یہ صیغہ مؤنث ہی ہے۔ دہلی دبستان میں یہ صیغہ مذکر ہے۔ مصباح القواعد از مولوی فتح محمد جالندھری میں یہ صیغہ مذکر ہی لکھا گیا ہے۔ اسی طرح قواعدِ اُردو از مولوی عبدالحق میں بھی یہ صیغہ مذکر ہی دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۱۹ تا ۱۲۲۔

(قواعد اُردو، مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اُردو، کراچی؛ سال اشاعت ۲۰۱۹ء)

جامع القواعد میں بھی جمع متکلم مؤنث مذکر صیغہ ہی لکھا گیا ہے۔ چند ایک مقامات پر مؤنث کے ساتھ مذکر صیغے لائے گئے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے باب ہشتم فعل، ص ۳۲۸

(جامع القواعد حصہ صرف ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، مرکزی اُردو بورڈ (حال اُردو سائنس بورڈ)، لاہور: سال اشاعت ۱۹۷۱ء)

میٹرک کے سالانہ امتحان میں بورڈز کی طرف سے اُردو کے پرچے میں جملوں کی درستی کے لیے ایک سوال دیا جاتا ہے، جس میں اکثر یہ جملہ دیا جاتا ہے:

عورتوں نے کہا کہ ہم آتی ہیں

اس کی درستی "ہم آتے ہیں" جمع متکلم مذکر ہی سے درست ہے۔

عورتوں نے کہا کہ ہم آتے ہیں۔

اُردو کے علاوہ پنجابی اور ہندکو وغیرہ بولنے والے مرد و خواتین بھی صیغہ جمع متکلم "ہم" مذکر ہی بولتے ہیں۔ لہٰذا

مذکورہ صیغہ، مذکر ہی فصیح ہے۔ یاد رہے کہ لغت کی رُو "ہم" جمع متکلم بلحاظِ جنس، مذکر ہے۔ راقم

ازمنۂ ثلاثہ میں صرف فعل معروف کی تعریف اور مثالیں دی گئی ہیں۔ ضروری تھا کہ فعل مجہول کا بھی ذکر مع امثلہ کیا جاتا۔ کیوں کہ فعل مجہول کا بیان بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح فعل معروف کا۔ باب شمار۔۳ حرف کے بیان پر مشتمل ہے۔ حرف کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی:

"حرف وہ کلمہ ہے جسے تنہا بولیں یا لکھیں تو کوئی معنی نہیں دیتا لیکن جب یہ کسی جملے میں آتا ہے تو اس کا مطلب خوب واضح ہوتا ہے۔"

(کتاب مذکورہ:ص۹۵)

تعریف کے بعد ضروری تھا کہ حرف کی مثالیں بھی پیش کی جاتیں؛ لیکن پیش نہیں کی گئیں۔

حروف کی صرف چھ اقسام پر ہی اکتفاء کیا گیا ہے۔ اقسام یہ ہیں۔

حروفِ جار، حروفِ عطف، حروفِ علت، حروفِ شرط، حروفِ استفہام اور حروفِ ندا۔

اس کے بعد حرف کے استعمال کے عنوان سے "نے، کو، نہ، نہیں، ہی، یونہی (یوں ہی)، جونہی (جوں ہی)، چونکہ، کیونکہ، البتہ اور کیا" کے استعمال کے قواعد اور مثالیں بیان کی گئی ہیں۔

اس کے بعد حصہ دوم کا آغاز ہوتا ہے جو نحو کے بیان پر ہے۔ نحو سے متعلق لکھتے ہیں:

"نحو وہ علم ہے جس سے اجزائے کلام کو ترکیب دینے اور جدا جدا کرنے کا ڈھنگ آتا ہے اور کلام کے ربط اور باہمی تعلق کا حال معلوم ہوتا ہے، جس غلطی سے؛ مطلب میں خلل واقع ہو، اس سے کلام کو بچایا جائے۔"

(کتاب مذکورہ:ص۱۰۲)

اس حصے میں کلام، کلام ناقص اور کلام تام پر تفصیلاً بحث کی گئی ہے۔

باب شمار۔۴ مرکب ناقص اور اس کی اقسام پر تفصیلاً بات کی گئی ہے۔

مرکب ناقص (کلام ناقص) کی تعریف یوں کی گئی:

"کلام ناقص وہ مرکب ہے جس سے سننے والے کو پورا پورا فائدہ (یعنی مطلب: راقم) حاصل نہ ہو۔ جیسے: احمد کا قلم، سفید کپڑا، ایک سو چالیس۔"

(کتاب مذکورہ:ص۱۰۲)

صفحہ ۱۰۴ تا ۱۱۳ مرکب ناقص کی جملہ اقسام مع تعریف و امثلہ بیان کی گئی ہیں۔ پہلی قسم مرکب اضافی اور اس کی سات اقسام گنوائی گئی ہیں۔ مرکب اضافی کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی:

"جب دو اسم آپس میں ملتے ہیں تو ان میں ایک ادھورا سا تعلق پیدا ہوتا ہے، اس ناتمام لگاو کا نام اضافت ہے۔ جس اسم کا دوسرے اسم کے ساتھ تعلق ظاہر کیا جائے اس کو (ایسے ہونا چاہیے۔ راقم) مضاف کہتے ہیں اور جس اسم کے ساتھ ظاہر کیا جائے اسے مضاف الیہ اور مجموعے کو مرکب اضافی۔ مثلاً زید کا قلم۔ اس (مثال۔ راقم) میں "زید" مضاف الیہ "کا" حرف اضافت اور "قلم" مضاف۔"

(کتاب مذکورہ:ص۱۰۴)

اس کے بعد مرکب اضافی کی اقسام اضافتِ تملیکی، اضافتِ ظرفی، اضافتِ تخصیصی، اضافتِ توضیحی، اضافتِ بیانی، اضافتِ تشبیہی، اضافتِ استعارہ، اضافت بہ ادنیٰ تعلق اور اضافتِ توصیفی کا ذکر مع امثلہ کیا گیا ہے۔ اضافتِ استعارہ کے بعد اضافتِ استعارہ اور اضافتِ تشبیہی میں فرق کا بھی آسان پیرائے میں ذکر مع امثلہ کیا گیا ہے۔ یہاں ایک بات کہنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ اُردو زبان میں فارسی اور عربی زبان کے کئی مرکباتِ اضافت استعمال کیے جاتے ہیں اگر ان کا بھی بیان کیا جاتا تو مرکب اضافت کا بیان تشنہ نہ رہتا۔ کتابِ مذکورہ کے اس باب میں اضافت کی درج ذیل اقسام کا ذکر نہیں کیا گیا:

اضافتِ اقترانی، اضافتِ ابنی، اضافت ملابستی، اضافتِ حقیقی، اضافتِ نسبتی، اضافتِ مقلوب، اضافتِ مستوی اور عکِ اضافت۔

شان الحق حقی مرحوم نے اپنی کتاب "لسانی مسائل و لطائف" میں اضافت کی کچھ مزید اقسام کا بھی مختصراً ذکر کیا ہے۔

اضافت اور اس کی اقسام پر میرا تفصیلی مضمون ان شاء اللہ اخبارِ اُردو، اسلام آباد کے آئندہ کسی شمارے میں شائع ہوگا۔ راقم

اضافت مع اقسام کے بعد مرکبِ توصیفی، مرکب عددی، مرکب عطفی، مرکب جاری، مرکبِ ظرفی، مرکب بدلی، تابع متبوع، تابعِ مہمل اور تابعِ موضوع کا ذکر مثالوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ آخر میں تابعِ مہمل اور تابعِ موضوع کی کثیر الاستعمال مثالیں دی گئی ہیں:

باب شمار۔۵ کا عنوان "مرکب تام یا جملے کی قسمیں" ہے۔ مرکب تام کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"مرکب تام یا کلام تام وہ مرکب ہے جس کے سننے سے پورا فائدہ (مطلب: راقم) حاصل ہو اس کو ("اسے" ہونا چاہیے: راقم) مرکب مفیدہ یا جملہ بھی کہتے ہیں۔"

(کتابِ مذکورہ:ص۱۱۴)

جملہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"جملہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جسے سچا جھوٹا نہ کہہ سکیں، اس کا نام جملہ انشائیہ ہے؛ دوسرا وہ جس کو سچا جھوٹا کہہ سکیں، اس کو جملہ خبریہ کہتے ہیں۔"

(کتاب مذکورہ:ص۱۱۴)

جملہ انشائیہ کی مختصر تعریف کے ساتھ تیرہ اقسام گنوائی ہیں:

امر، نہی، استفہام، تعجب، تحسین، انبساط، ندا، تأسف، قسم، تمنا، تنبیہ، نصیحت اور دعا۔ ان قسام کے علاوہ ترجی، عقود، عرض اور مدح و ذم بھی جملہ انشائیہ کی اقسام ہیں؛ جنھیں شاملِ کتاب نہیں کیا گیا۔ جملہ خبریہ کے بارے میں کہتے ہیں:

"جملہ خبریہ دو طرح کا ہوتا ہے: جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ۔"

آگے جملہ اسمیہ اور اس کے اہم امور سے متعلق تفصیلاً بات کی گئی۔ جن اہم باتوں (امور) کا ذکر کیا گیا ہے؛ یقیناً اہمیت کی حامل ہیں۔ اس کے بعد جملہ اسمیہ اور فعلیہ کی تراکیبِ نحوی دی گئی ہیں۔ مرکب جملوں کی اقسام کا ذکر کرتے ہوئے ان کی نو اقسام گنوائی گئی ہیں؛ جو یہ ہیں:

جملہ بیانیہ، جملہ معترضہ، جملہ معطوفہ یا عاطفہ، جملہ شرطیہ، جملہ معللہ، جملہ ندائیہ، جملہ قسمیہ اور جملہ تفسیریہ۔

باب شمار۔۶ علمِ بیان (علم البیان) پر ہے۔ یاد رہے اسے "علمِ ادب" اور "علمِ کتابت" بھی کہا جاتا ہے۔ اگر چہ اس کا تعلق علم البلاغت سے ہے لیکن ضروری سمجھتے ہوئے شاملِ کتاب کیا گیا ہے۔ علمِ بیان کے ذریعے کوئی بات یا خیال مختلف پیرائے میں کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس علم کی وجہ سے معنی دوسرے سے زیادہ دل کش اور پُر تاثیر ہوتے ہیں۔ علمِ بیان سے متعلق لکھتے ہیں:

"علمِ بیان سے مراد وہ قواعد ہیں جن کی مدد سے ہم اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لیے ایک لفظ کے معنی کو کئی مختلف طریقوں سے ادا کر سکتے ہیں تاکہ

اسلوبِ بیان میں زور اور حسن پیدا ہو جائے۔•

(کتاب مذکورہ: ص ۱۲۵)

•علمِ بیان کا موضوع دلالت ہے۔ دلالت کا معنی نشان یا علامت ہے۔ علم البیان میں اصطلاحاً ایک شے سے دوسری شے کی واقفیت جاننا "دلالت" کہلاتا ہے۔ (راقم)

کتابِ مذکورہ میں دلالت کی چاروں اقسام کا ذکر قدرے تفصیلاً مع امثلہ کیا گیا ہے۔

علمِ بیان کی عمارت تشبیہ، استعارہ، مجاز مرسل اور کنایہ جیسے چار ستونوں پر قائم ہے؛ وہ یہ ہیں۔

کتابِ مذکورہ میں ان چاروں اجزاء کا، مثالوں کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ تشبیہ کی اقسام پر بات نہیں کی گئی۔ استعارہ کے بیان میں تعریف مثالوں کے ساتھ صرف دو اقسام استعارہ بالتصریح اور استعارہ بالکنایہ پر بات کی گئی ہے۔ جب کہ باقی تین اقسام کا ذکر چھوڑ دیا گیا۔ کذب اور استعارے میں پائے جانے والے فرق کا آسان پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ مجاز مرسل کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی:

•مجاز ایسے کلمے کو کہتے ہیں جس میں لفظ اپنے حقیقی معنی میں استعمال نہ کیا جائے بلکہ قرینہ یا لگاؤ کی بنا پر کسی دوسرے معنی میں استعمال کیا جائے۔•

(کتاب مذکورہ: ص ۱۳۲)

مجاز اور مجاز مرسل میں ایک معمولی سا فرق پایا جاتا ہے جس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

•مجاز اور مجاز مرسل میں خفیف سا فرق ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ لفظ کے حقیقی اور مجازی معنوں اور تشبیہ کے علاقہ (تعلق) کے علاوہ کوئی اور علاقہ (تعلق) پایا جائے۔•

(کتاب مذکورہ: ص ۱۳۲)

مجاز مرسل کا بیان تعریف اور مثالوں کی حد تک کیا گیا ہے۔ اس کی اقسام کا ذکر اگرچہ ضروری تھا لیکن نہیں کیا گیا۔ مجاز مرسل کے بعد کنایہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ علم البیان کی اصطلاح میں کنایہ سے مراد وہ لفظ ہے جس کے حقیقی کے بجائے غیر حقیقی معنی لیے جائیں۔ اساتذہ کے ہاں اس رعایت کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ لفظ کے غیر حقیقی معنی کی جگہ حقیقی معنی لینا بھی جائز ہیں۔ کتاب مذکورہ میں کنایہ کی مختصراً تعریف یوں کی گئی ہے:

• کنایہ کے لغوی معنی پوشیدہ بات کے ہیں یعنی کلام کی تصریح نہ کی جائے۔•

(کتاب مذکورہ: ص ۱۳۳)

کنایہ کی تین صورتیں ہیں جن کا ذکر نہیں کیا گیا البتہ اس کی چاروں اقسام کنایۂ قریب، کنایۂ بعید، کنایۂ واضح اور کنایۂ خفی کا ذکر مع امثلہ کیا گیا ہے۔

باب شمار۔ ۷ علمِ بدیع سے متعلق ہے۔ علمِ بدیع (علم البدیع) کا بھی تعلق علم البلاغت ہی سے ہے۔ اسے بھی علم بیان کی طرح ضروری سمجھتے ہوئے، شاملِ کتاب کیا گیا ہے۔

بدیع یا علمِ بدیع، بلاغت کا ایک اہم حصہ ہے۔ شعراء خصوصاً اور نثر نگار عموماً اپنے کلام اور نثر میں مختلف صنائع کا استعمال کرتے ہیں جن کا مقصد نظم و نثر میں حسن و لطافت پیدا کرنا ہے۔ اس علم کی بدولت نظم و نثر کی خوبیاں واضح ہوتی ہیں جس سے تاثیر اور دل کشی دو چند ہو جاتی ہے۔

علمِ بدیع کی تعریف یوں کی گئی ہے:

•علمِ بدیع وہ علم ہے جس میں محسنات کلام یعنی صنائع لفظی اور صنائع معنوی کی تصریح کی جاتی ہے۔

(کتاب مذکورہ: ص ۱۳۵)

آگے مزید لکھتے ہیں:

• بدیع کے بیان میں بتایا جاتا ہے کہ بلاغت کے علاوہ اور کون سے طریقے ایسے ہیں جن سے کلام میں حسن اور خوبی پیدا کی جاسکتی ہے۔•

(کتاب مذکورہ: ص ۱۳۵)

علمِ بدیع کی تقسیم دو حصوں میں کی جاتی ہے:

۱۔ صنائع لفظی

۲۔ صنائع معنوی

کتاب مذکورہ میں صنائع لفظی کی تعریف کے ساتھ اس کی صرف ایک قسم تجنیس کا ذکر مع مثال کیا گیا ہے۔ باقی اقسام سے احتراز کیا گیا ہے۔ ان اقسام کا ذکر مختصراً ہی سہی، کیا جانا چاہیے تھا تاکہ پڑھنے والا باخبر رہتا۔

صنائع معنوی کی تعریف کے ساتھ اس کی جن آٹھ اقسام کا مثالوں کے ساتھ ذکر کیا گیا، وہ یہ ہیں:

صنعتِ مراعاتِ نظیر (اسے مراعات النظیر بھی کہا جاتا ہے۔ راقم)، صنعتِ لف و نشر، صنعتِ لف و نشر مرتب، صنعتِ لف و نشر غیر مرتب، صنعتِ مبالغہ، صنعتِ تبلیغ، صنعتِ اغراق، صنعتِ غلو، صنعتِ حسنِ التعلیل، صنعتِ تجاہلِ عارفانہ، صنعتِ استعجاب و تعجب، صنعتِ تکرار اور صنعتِ تلمیح۔

اس کی دیگر اقسام کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اگر مختصراً ہی کیا جاتا تو قدرے تفصیل سامنے آجاتی۔

باب شمار۔ ۸ شاعری کے بیان پر ہے۔ جس کا تعلق علم الشعر سے ہے۔ مشرق و مغرب کے علماءِ علم و ادب نے شعر کی مختلف تعاریف کی ہیں۔ جن کا بیان بخوفِ طوالت نہیں کیا جارہا۔

ڈاکٹر فاروق چودھری شعر سے متعلق کہتے ہیں:

• شعر، شعور سے مشتق ہے، اس کے لغوی معنی کسی بات کو جاننے یا کسی چیز کی نقل کرنے کے ہیں۔•

(کتاب مذکورہ: ص ۱۴۳)

شعر کی ماہیت کے بعد قافیہ، ردیف، معیارِ فصاحت، بلاغت، تشبیہ، استعارہ، تخیل، مطلع اور مقطع کا مثالوں کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

تقطیع سے متعلق لکھتے ہیں:

• تقطیع کے لغوی معنی کسی چیز کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہیں، لیکن عام عروض کی اصطلاح میں شعر کے اجزا (یہاں الفاظ ہونا چاہیے تھا کیوں کہ اجزا الگ بحث ہے۔ راقم) کو بحر کے وزن کے ساتھ برابر کرنے کو تقطیع کہتے ہیں۔ یعنی شعر کے متحرک حروف بحر کے رکن کے متحرک حروف کے برابر آئیں اور ساکن حروف رکن کے ساکن حروف کے برابر۔•

(کتاب مذکورہ: ص ۱۴۸)

تصرفاتِ شعر کے ذیل میں تقطیع کے دوران کیے جانے والے تصرفات کا مختصر مع امثلہ ذکر کیا گیا ہے۔ مذکورہ تصرفاتِ شعریہ ہیں۔

اعرابِ ثلاثہ، تخفیف، تسکین، تحریک، ترخیم، تحذیف، قلب، ثقل، اِبدال اور اِشباع۔ اصناف شاعری کے عنوان سے صرف غزل، قصیدہ اور اس کے ارکان، مرثیہ، رباعی، مثنوی، خمریات اور آزاد نظم کا مختصر مگر جامع انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔ باقی اصناف کا ذکر شاید غیر ضروری سمجھتے ہوئے، نہیں کیا گیا۔ حصہ سوم صحتِ زبان سے متعلق ہے۔ اُردو زبان و بیان کے لحاظ سے کتاب کا یہ حصہ بڑا اہم ہے۔

باب شمار۔ ۹ کا آغاز زبان کے اصول و قواعد سے ہوتا ہے۔ اس عنوان کے تحت اہم باتیں بتائی گئی ہیں جن کا تعلق املاء سے ہے۔ ان سے باخبر تحریر و بیان میں بڑی حد تک اغلاط سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

باب شمار۔ ۱۰ میں تحقیق الالفاظ کے عنوان سے کثیر الاستعمال الفاظ کا تحقیقی انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔ ان الفاظ کی ان اغلاط کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو تحریر و بیان کے لحاظ سے عام طور پر مستعمل ہیں۔ ان کثیر الاستعمال الفاظ میں سے چند الفاظ کا ذکر بطورِ مثال کیا جاتا ہے۔

طیوران

طیر (پرندہ) کی جمع طیور آتی ہے، اس کی جمع الجمع طیوران؛ غیر مستعمل ہے۔

گُل

اگر "گُل" بغیر اضافت کے ہو تو اس کے معنی گلاب کا پھول ہوتے ہیں اور اضافت کے ساتھ ہو تو صرف پھول مثلاً گُلِ لالہ۔

لڑاکا

یہ لفظ مذکر و مؤنث، واحد جمع: ہر حالت میں اسی طرح بولا جاتا ہے، کسی حالت میں نہیں بدلتا۔ مثلاً وہ مرد لڑاکا ہے۔ وہ عورت لڑاکا ہے۔

مُبلِغ، موازی

روپوں کی تعداد ظاہر کرنے کے لیے مُبلِغ لکھتے ہیں اور پیسوں (ریزگاری) کے لیے موازی۔ جیسے مُبلِغ دس روپے، موازی پچاس پیسے۔ (فی زمانہ عموماً صرف مُبلِغ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے: مُبلِغ دس روپے، پچاس پیسے۔ راقم)

بمع:

"ب" زائد ہے صرف "مع" لکھنا چاہیے۔

تنازعہ

صحیح لفظ "تنازع" ہے "ہ" کے اضافے کے ساتھ درست نہیں۔

باب شمار۔۱۱ واحد جمع سے متعلق ہے۔

باب کا آغاز اُردو میں واحد سے جمع بنانے کے قواعد (طریقے) سے ہوتا ہے۔ اس عنوان کے تحت آٹھ قواعد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد عربی زبان کے اوزانِ جمع کے تحت کثیرالاستعمال واحد الفاظ کے جمع الفاظ دیے گئے ہیں۔ مذکورہ عربی اوزان یہ ہیں:

اَفعال، اَفعِلہ، فُعُول، فُعُلاء، افاعِل، افاعیل، فُعَل، مُفَاعِل، فِعَل، فُعُل اور فِعال۔

ان کے بعد متفرق کے عنوان سے چند اہم الفاظ مع جمع، دیے گئے ہیں۔ آخر میں ان واحد الفاظ کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو بلحاظ جمع استعمال کیے جاتے ہیں۔

اوسان، درشن، دام، کرتوت، کرم (واحد صورت میں بھی مستعمل ہے۔ راقم)، نصیب (بلحاظ واحد بھی مستعمل ہے۔ راقم)، لچھن، مزاج (واحد بھی مستعمل ہے۔ راقم) اور معنی۔

آخر میں ان چند الفاظ کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو ہیں تو جمع لیکن بطور واحد، استعمال کیے جاتے ہیں۔

اَحوال، اَخبار، اولاد، اوقات، اخلاق، افواہ، خیرات، کرامات اور عنایات۔

احوال بطور جمع بھی مستعمل ہے۔ اوقات اگر وقت کے معنوں میں ہو تو جمع بلحاظ جنس، مذکر استعمال ہوگا جیسے: مدرسے کے اوقاتِ کار یہ ہیں۔

ڈاکٹر صاحب سے اوقاتِ مشورہ صبح ۹ بجے سے دن ۱۲ بجے تک ہیں اور اگر کسی شخص کی حیثیت کا ذکر کیا جائے تو پھر "اوقات" واحد بلحاظِ جنس، مؤنث استعمال کیا جائے گا۔ جیسے:

تمھاری اتنی اوقات کہاں کہ اُس کی برابری کر سکو!

اس کی بس اتنی سی اوقات ہے وغیرہ۔ کرامات اور عنایات، بصورتِ جمع بھی مستعمل ہیں۔ راقم)

باب شمار۔۱۲ کا عنوان تذکیر و تانیث ہے۔

تذکیر و تانیث کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اُردو میں تذکیر و تانیث کی دو صورتیں ہیں:

* جان دار اشیاء کی تذکیر و تانیث، جو اصلی یا حقیقی تذکیر و تانیث بھی ہے۔
* بے جان اشیاء کی تذکیر و تانیث، اسے مجازی یا غیر حقیقی تذکیر و تانیث کہا جاتا ہے۔"

(کتاب مذکورہ: ص ۱۷۵)

حقیقی تذکیر و تانیث کی تقسیم دو حصوں میں کی گئی ہے۔ لکھتے ہیں:

"حقیقی تذکیر و تانیث کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ انسان کی تذکیر و تانیث اور حیوان کی تذکیر و تانیث۔"

(کتاب مذکورہ: ص ۱۷۵)

اس کے بعد انسانی حوالے سے کچھ مذکر اور ان کے مؤنث دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد حیوانات کے چند مذکر مؤنث دیے گئے ہیں۔ حقیقی تذکیر و تانیث کے قواعد میں کچھ مستثنیات کا بھی ذکر کیا ہے۔ مثلاً

"اگر مؤنث کے آخر میں الف ہو تو الف کو "ی" سے بدل دینے سے وہی لفظ مؤنث بن جاتا ہے۔ مثلاً دادا سے دادی لیکن سقا سے سقن بنے گا۔

(کتاب مذکورہ: ص ۱۷۶)

اس کے علاوہ مزید دو مستثنیات کا ذکر مع امثلہ کیا گیا ہے۔ اُردو زبان میں بعض ایسے جانوروں اور پرندوں کے نام بھی مستعمل ہیں جو مذکر بولے جاتے ہیں لیکن ان کے مؤنث نہیں بعض مؤنث بولے جاتے ہیں لیکن ان کے مذکر نہیں۔ کتاب ہذا کے صفحہ ۱۷۷ پر ایسے ہی جانوروں اور پرندوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مؤنث بولے جانے والے جانور:

کوئل، فاختہ، چیل، قُمری، مچھلی، مکھی (اس کا مذکر مکھ ہے: جس کا استعمال بڑی مکھی کے لیے کیا جاتا ہے۔ راقم)، مرغابی، مینا، گلہری، بطخ اور لومڑی۔ (لومڑی کا مذکر "لومڑ" مستعمل ہے۔ راقم) مذکر بولے جانے والے جانوروں اور پرندوں میں:

کوا، باز، الو، گدھ، جگنو، اژدھا، (درست املاء اژدہا ہے۔ فارسی زبان میں حرف "دھ" نہیں ہے۔ راقم)؛ طوطی، گرگٹ، کچھوا، خرگوش اور مچھر (ہندکو زبان میں اس کی تانیث "مچھری" مستعمل ہے۔ اُردو میں اسے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ راقم) غیر جان دار اشیاء کی تذکیر و تانیث کا بھی ذکر مع قواعد کیا گیا ہے۔ غیر جان دار مذکر اشیاء:

پھول، پیالہ، ہتھوڑا، لوٹا (کوزہ)، ٹوکرا، دوپٹہ، گولا وغیرہ۔

غیر جان دار مؤنث اشیاء:

کلی، پیالی، ہتھوڑی، ٹوکری، تھالی، گولی، واسکٹ وغیرہ۔ مذکر اور مؤنث کے کثیرالاستعمال الفاظ کا بھی الگ الگ ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً مذکر الفاظ:

اَخبار، افق، استقلال، پتنگ، تاج، جوش، فہم، کھیل، انار، بند، ثبوت، جھاگ، جواب، درد وغیرہ۔

مؤنث الفاظ:

آواز، اُردو، آب و ہوا، اَفراط، استدعا، اصل، اکسیر، بساط، پیاز، ترازو، جنگ، جنت وغیرہ۔

باب کے آخر میں ان کثیرالاستعمال کچھ الفاظ کی فہرست دی گئی ہے جن میں مختلف المعانی ہونے کے سبب تذکیر و تانیث پائی جاتی ہے۔ مثلاً

آب = پانی۔ مذکر: چمک۔ مؤنث، آہنگ = ارادہ۔ مذکر: آواز/سُر۔ مؤنث، بحر = سمندر۔ مذکر: وزنِ شعر۔ مؤنث، کف = جھاگ۔ مذکر: جھگڑا۔ مؤنث وغیرہ۔

مذکورہ دی گئی فہرست میں دیے گئے بعض الفاظ پر تذکیر و تانیث کے حوالے سے لفظی اور معنوی لحاظ سے کلام کیا جاسکتا ہے، لیکن بوجۂ طوالت، نہیں کیا گیا۔ البتہ ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ "بار": یہ فارسی الاصل ہے جو لفظی اور معنوی لحاظ سے مذکر ہے لیکن اس کے ساتھ دیا گیا لفظ "باری" اگرچہ بلحاظ جنس، مؤنث ہے لیکن یہ "بار" سے نہیں، بلکہ سنسکرت زبان کا لفظ ہے اور اسی زبان سے اُردو میں دخیل ہوا ہے۔ اس کا معنی نوبت، موقع، شمار، پہرہ وغیرہ ہے۔ راقم

باب شمار۔۱۳ کا عنوان اصلاحِ تلفظ ہے۔ کسی زبان کے لفظ کی درست اور معیاری ادائی، تلفظ کہلاتا ہے۔ تلفظ عربی زبان کے وزن تفعُّل پر مصدر ہے۔ اس کے معنی حروف یا الفاظ کا (درست) ادا کرنا ہے۔ بطور اسم، اس سے مراد زبان، طرزِ ادا اور لہجہ ہے۔ "تلفظ ایسا آئینہ ہے جس سے بولنے

والے کی علمی حیثیت اور استعداد نکھر کر نظر آتی ہے۔ اگر تلفظ کی ادائی درست ہوگی تو سننے والے پر اچھے اثرات مرتب کرے گی اور اگر ادائی غیر معیاری اور غلط ہوگی تو سننے والے کے دل اور دماغ پر برے اثرات مرتب کرے گی اور طبیعت میں تکدر پیدا کرے گی۔ یہی وجہ ہے علماء علم وادب، درست تلفظ کی ادائی پر ہمیشہ سے زور دیتے آئے ہیں۔

الفاظ کی درست ادائی ہمیشہ سے مسئلہ بنا رہا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ تلفظ کی درست ادائی میں ٹیلی وژن اور ریڈیو کا اہم کردار تھا۔ الفاظ کی درست ادائی کی خوب مشق کروائی جاتی تھی؛ لیکن آج یہی ادارے تلفظ کی درست ادائی سے پہلو تہی کیے ہوئے ہیں جس کے غلط اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ تلفظ کی غلط ادائی نہ صرف طبیعت پر ناگوار گزرتی ہے بلکہ معانی میں بھی زمین آسمان کے فرق کا باعث بنتی ہے۔ شاعری میں تلفظ کی غلط ادائی شعر کے بحر سے گرا دینے کا سبب بن جاتی ہے۔" راقم

ڈاکٹر فاروق چودھری کتاب ہذا کے ص ۱۸۱ پر تلفظ کے بارے میں ان خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

"صحتِ تلفظ اصلاحِ زبان کا اہم پہلو ہے۔ تلفظ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں متکلم کی کسی زبان میں استعداد اور مہارت کا عکس نظر آتا ہے۔ تلفظ کے معاملے میں بے پروائی غلط زبان بولنے کے مترادف ہے۔"

(کتاب مذکورہ: ص ۱۸۱)

تلفظ کی درست ادائی کے لیے چار راہ نما اصول بتانے کے بعد صحتِ تلفظ کے عنوان سے ایک ہی تلفظ کے الفاظ راہ نما لفظ کے تحت دیے گئے ہیں۔ (کتاب میں راہ نما کی تخفیفی حالت "رہنما" لکھی گئی ہے۔ یہاں الگ الگ املاء سے "راہ نما" ہونا چاہیے۔ راقم)

راہ نما لفظ (الفاظ) یہ ہیں:

فرض، مرض، فکر، ظلم، احسان، صفت، اختیار، اتحاد، استعمال، استقامت، تصور، تعارف، مقابلہ، افواج، علماء، سوانح، حجام، کامل، مشرک، محرب، مقراض، محفل، قلعہ، حقارت، اعانت، ظہور، عاقبت، مثلث، مختلف اور مجبور۔ ان الفاظ کے تحت کثیر الاستعمال الفاظ بھی دیے گئے ہیں۔

باب شمار۔ ۱۴ رموز اوقاف کے عنوان پر ہے۔ کسی بھی عبارت کے صحیح طور پر سمجھنے کے لیے اسرار رموز اہم کردار ادا کرتے ہیں یہ بھی یاد رہے ان کے غلط استعمال سے تحریر کے معانی کچھ کے کچھ ہو جاتے ہیں۔ مذکورہ باب میں علامتوں سے متعلق قدرے تفصیلاً ذکر مع امثلہ کیا گیا ہے۔

باب شمار۔ ۱۵ ذخیرۂ الفاظ سے ہے۔ اس باب میں متضاد، کثیر المعانی الفاظ، ہم آواز الفاظ، جامع الفاظ (ان سے مراد ایسے الفاظ ہیں جو ایک سے زائد معانی کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں ان کے استعمال کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ تحریر زیادہ الفاظ کی محتاج نہیں رہتی۔ راقم)، مترادف الفاظ اور مشابہ (ہم آواز) الفاظ کے تحت کثیر الاستعمال الفاظ کی فہرست مرتب کی گئی ہے۔

باب شمار۔ ۱۶ کا عنوان سابقے۔ لاحقے ہے۔

سابقہ کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"سابقے وہ حروف (ہیں) جنہیں (درست املاء جنھیں۔ راقم) اسم امر یا صفت کے ساتھ شروع میں لگاتے ہیں جو گاہے معنی میں تبدیلی بھی پیدا کرتے ہیں کبھی اچھائی اور کبھی برائی کے پہلو آشکار کر دیتے ہیں۔ جیسے لائق سے نالائق، دیدہ سے ندیدہ اور ڈر سے نڈر وغیرہ۔"

(کتاب مذکورہ: ص ۲۱۷)

وضاحت کے بعد سابقوں کی مدد سے بنائے گئے الفاظ کی مختصر مگر جامع فہرست دی گئی ہے۔ ان کے بعد لاحقے کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"لاحقے وہ الفاظ ہیں جو کسی اسم کے آخر میں لگا کر نئے لفظ (الفاظ۔ راقم) بنائے جاتے ہیں۔ اس وضاحت کے بعد لاحقوں کی مدد سے بنائے گئے ضروری نئے الفاظ کی قدرے تفصیلی فہرست دی گئی ہے۔

باب شمار۔ ۱۷ کا عنوان اصلاحِ اغلاط ہے۔ اس باب میں ان جملوں کی فہرست مرتب کی گئی ہے جو عموماً غلط طور پر لکھ دیے جاتے ہیں۔ ایسے جملوں کی تقسیم؛ بیجا تکرار، لفظ کا بےمحل استعمال، تذکیر و تانیث، حروف کا غلط استعمال اور روزمرہ اور محاوروں کی بے اعتدالیاں کے عنوان سے؛ کی گئی ہے۔ غلط جملوں کے مقابل درست جملے بھی دیے گئے ہیں۔ ان کا مطالعہ، درست اُردو بولنے میں ممد ثابت ہوگا۔

باب شمار۔ ۱۸ روز مرہ و محاورہ کے عنوان سے مرتب کیا گیا ہے۔ روزمرہ کی تعریف مختصر الفاظ میں یوں کی گئی ہے:

"جب فعل حقیقی معنوں میں استعمال ہو تو روزمرہ ہے۔"

(کتاب مذکورہ: ص ۲۲۸)

تعریف کے ساتھ اگر روزمرہ استعمال کے غلط اور ان کے درست جملوں کی فہرست بھی دی جاتی تو فائدے سے خالی نہ ہوتا۔

محاورہ کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"محاورہ کے لغوی معنی، بات چیت کرنا ہے لیکن اصطلاحی معنوں میں محاورے سے مراد دو یا دو سے زیادہ الفاظ کا مجموعہ جو اہلِ زبان کی بول چال کے مطابق ہو اور اس میں فعل اپنے حقیقی معنی نہ دے بلکہ مجازی معنوں میں استعمال ہو۔ مثلاً "پانی پینا" محاورہ نہیں اس لیے کہ "پینا" اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس کے برعکس "غصہ پینا" محاورہ ہے۔ محاورے کے الفاظ میں از روئے قیاس تبدیلی درست نہیں۔"

(کتاب مذکورہ: ص ۲۲۸)

اس تعریف کے بعد الفبائی ترتیب سے کثیر الاستعمال محاورات کی فہرست مع معانی اور استعمال، مرتب کی گئی ہے۔

باب شمار۔ ۱۹ ضرب الامثال کے بیان پر ہے۔ اس باب میں ضرب المثل کی تعریف کیے بغیر الفبائی ترتیب سے ضرب الامثال کی فہرست مع مطالب؛ دی گئی ہے۔

باب شمار۔ ۲۰ کا عنوان اعجازِ نطق ہے۔ اس باب میں گفتگو سے متعلق اہم نکاتِ تلفظ، لب ولہجہ، روانی، تاکید، فی البدیہہ، زبان پر قدرت، ذخیرۂ معلومات، حاضر جوابی اور مشق پر دل نشین انداز میں بات کی گئی ہے۔

باب شمار۔ ۲۱ کتاب کے اس آخری باب کا عنوان زینتِ قرطاس ہے۔ اس باب میں انشاپردازی سے متعلق بنیادی اصولوں کی مؤثر الفاظ میں وضاحت کی گئی ہے۔ جن میں موضوع کا انتخاب، مواد کی فراہمی، خاکہ کی تیاری، خیالات کی ترتیب، الفاظ کی موزونی، الفاظ کی فراہمی، اسلوبِ بیان اور مضمون پر نظرِ ثانی؛ شامل ہیں۔ اسی طرح مکالمہ نویسی کے اہم نکات مثلاً بات کا تانا، حرکات و سکنات، لب ولہجہ اور کرداری پہلو پر مختصر مگر جامع الفاظ میں بات کی گئی ہے۔ آخر میں ایک اہم عنوان مختصر نویسی (تلخیص نگاری) پر بھی مختصراً بات کی گئی ہے ساتھ ہی ان اہم باتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو مختصر نویسی یعنی تلخیص نگاری کے لیے بہت اہم ہیں۔

۱۰۔ بنیادی اُردو قواعد = ڈاکٹر سہیل عباس بلوچ

یہ کتاب ادارۂ فروغِ قومی زبان، اسلام آباد سے شائع ہوئی ہے۔ راقم کے پاس یہ کتاب پی ڈی ایف میں ہے۔

کتاب کا آغاز طلوع کے عنوان سے کیا گیا جس میں اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ "بنیادی اُردو قواعد ایک بنیادی کام ہے۔ اُردو کا بیش تر ادب فنی سطح پر زبانی تھا کئی اہم تشریحات علم سینہ کی نذر ہو گئیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ

ہم ہر سطح کی علمی اصطلاحات کی تشریح کے ساتھ ساتھ تعبیرِ نو کریں۔ •اُردو قواعد سے متعلق کہتے ہیں: •قواعد کی سطح پر عربی فارسی سے استفادے کی جو روایت تھی اس میں اسے ایک بنیادی دستاویز میں پیش کیا جا رہا ہے۔ •قواعد کے دو حصے ہوتے ہیں۔ صرف اور نحو۔ صرف کی تعریف یوں کی گئی ہے:

•صرف وہ علم ہے جس میں حروف و حرکات کے تغیر و تبدل سے مختلف طرح کے الفاظ اور مختلف قسم کے معانی پیدا ہوتے ہیں۔•

حروفِ تہجی کی تعداد ۵۲ گنوائی گئی ہے۔ ان حروف میں • آ، ھ، ژ • موجود نہیں۔

کلمہ کی اقسام میں اسم، فعل، تمیز، قید اور حرف کا مثالوں کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ قید کی تعریف کرتے ہیں:

• وہ لفظ ہے جو فعل کے مفہوم اور معانی کو زمانے، مکان، مقدار، حالت تک مقید کرتا ہے۔•

قید کی بارہ اقسام گنوائی گئی ہیں۔ مثلاً: قیدِ زمان، قیدِ مکان، مقدار، ترتیب، تاکید، تکرار، تشبیہ اور حالت وغیرہ۔ اس کے بعد کلمہ کی پہلی قسم یعنی اسم کی جن پانچ اقسام کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں:

اسمِ خاص یعنی معرفہ، اسم عام یعنی نکرہ، اسم مادہ، اسم جمع اور اسمِ کیفیت۔

اسمِ کیفیت سے متعلق کہتے ہیں:

•وہ اسم ہے جو کسی حالت کا نام ہو۔ اسمِ کیفیت مصدر کی بجائے اسم سے بنتا ہے۔ جیسے تیز سے تیزی، سرخ سے سرخی، لڑکا سے لڑکپن وغیرہ۔•

•یاد رہے اسمِ کیفیت مصدر سے بھی بنتا ہے۔ اسے حاصلِ مصدر کہتے ہیں۔ جیسے پڑھنا سے پڑھائی، لکھنا سے لکھائی، چمکنا سے چمک اور جھگڑنا سے جھگڑا وغیرہ۔ اُردو زبان میں فارسی زبان کے بہت سے اسماے کیفیت مستعمل ہیں جو فارسی مصادر سے حاصلِ مصادر ہیں۔ جیسے: گفتگو، سازش، گزارش، بخشش اور شکن وغیرہ۔ راقم•

اسمِ خاص یعنی معرفہ کی چار اقسام: اسمِ علم، اسمِ ضمیر، اسم اشارہ اور اسمِ موصول کا ذکر مختصر وضاحت اور مثالوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اسمِ علم کی پانچ اقسام تخلص، خطاب، لقب، عرف اور کنیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ کنیت کی تعریف میں کہتے ہیں:

• یہ وہ اسمِ خاص ہے جو کسی رشتے کی وجہ سے پڑ جائے۔ جیسے چچا، نانا، تایا۔ یہاں ایک وضاحت ضروری ہے کہ کنیت ظاہر کرنے کے لیے ابن، بن، ابو، اُم، بنت جیسے سابقے ضروری ہوتے ہیں جو بیٹا، بیٹی، باپ اور ماں کے معانی دیتے ہیں۔ جیسے: ابنِ مریم، ابوالقاسم، اُمِ موسیٰ، بنتِ حسین، بن داؤد وغیرہ۔ • عربی، فارسی اور اُردو قواعد میں کنیت ان ہی لاحقوں کے ساتھ بیان کی جاتی ہے۔ چچا، نانا، تایا وغیرہ رشتوں کے نام ضرور ہیں، لیکن انھیں بطورِ کنیت پیش نہیں کیا جا سکتا۔ • راقم

اسمِ عام یا نکرہ کی دس اقسام اسمِ ذات، اسمِ استفہام، اسمِ صفت، اسمِ مصدر وغیرہ کا صرف ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی وضاحت کی جاتی تو مناسب رہتا۔

اسمِ ذات جو اسم نکرہ کی ایک قسم ہے پر تفصیلی ذکر مثالوں کے ساتھ کیا گیا ہے اور بعض اسماے ذات کے بنانے کے قواعد بھی مذکور ہیں۔ بناوٹ کے لحاظ سے اسم کی تین اقسام مصدر، مشتق اور جامد کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ اسمِ مصدر اور اسمِ مشتق کے بیان میں ان کی اقسام اور ان کے بنانے کے قواعد بھی بتائے گئے ہیں۔ اس کے بعد بلحاظِ جنس، اسم کی اقسام کا ذکر کیا گیا ہے۔ مذکر اور مؤنث کی اقسام میں جاندار اور بے جان کی تذکیر و تانیث کا بھی ذکر موجود ہے۔

• عنوان میں جاندار کے ساتھ، • نہ جاندار • لکھا گیا ہے جب کہ اس کے لیے • بے جان • مشہور و معروف ہے۔

سابقہ نافیہ کے لیے • نا • استعمال کیا جاتا ہے نہ کہ • نہ • جیسے: نادان، ناسمجھ، نادہندہ، ناگوار، نااہل وغیرہ۔ اس لیے • نہ جاندار • درست متصور نہیں ہوگا۔ • راقم

تذکیر و تانیث کی دو اقسام حقیقی اور غیر حقیقی کا ذکر کیا گیا ہے۔ حقیقی تذکیر و تانیث جانداروں کے لیے اور غیر حقیقی بے جان چیزوں کے لیے مستعمل ہے۔ اس عنوان کے تحت کثیر الاستعمال مذکر اور مؤنث گنوائے گئے ہیں اور ساتھ ساتھ ان کے بنانے کے قواعد (طریقے) بھی بتائے گئے ہیں۔

گنتی (تعداد) کے لحاظ سے اسم کی دو اقسام واحد، جمع اور آخر میں تثنیہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس باب میں مذکر کی جمع اور مؤنث کی جمع کے قواعد اور عربی میں جمع کی اقسام جمع سالم اور جمع مکسر کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ عربی زبان کے جمع کے اوزان کے مطابق کثیر الاستعمال واحد کے جمع لکھے گئے ہیں۔

عربی اور سنسکرت کے سوا دنیا کی ہر زبان میں جمع، دو سے شروع ہوتا ہے۔ عربی اور سنسکرت میں جمع تین سے اور دو (چیزوں) کو تثنیہ کہا جاتا ہے۔ سنسکرت کے تثنیہ کا ذکر البیرونی نے اپنی کتاب • کتاب الہند • میں بھی کیا ہے۔ تثنیہ کے بارے میں مؤلف لکھتے ہیں:

•اُردو میں ایک کو واحد اور ایک سے زیادہ کو جمع کہتے ہیں۔ لیکن عربی میں دو کو تثنیہ اور دو سے زیادہ کو جمع کہتے ہیں۔ اُردو میں بعض تثنیہ مستعمل ہیں۔ جیسے جانب: جانبین، دار: دارین، سعد: سعدین، سید: سیدین، طرف: طرفین، عید: عیدین وغیرہ۔ • تثنیہ کے بعد جمع الجمع اور اسمِ جمع کا تعریف اور مثالوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ متضاد کے معانی ضد، اُلٹ، مخالف ہیں۔ قواعد کی رُو سے متضاد سے مراد ایک دوسرے کے الٹ معانی والے الفاظ ہیں۔

مؤلف کتابِ ہذا متضاد سے متعلق لکھتے ہیں:

•ایسے الفاظ جو ایک دوسرے سے الٹ ہوں۔ اسے طباق بھی کہتے ہیں۔•

تعریف کے بعد زیادہ تعداد میں الفاظ متضاد کی ایسی فہرست مرتب کی گئی ہے جن کا اکثر استعمال کیا جاتا ہے۔

عربی، اُردو، انگریزی اور دیگر زبانوں میں ایسے بھی الفاظ استعمال ہوتے ہیں جن کا تلفظ ایک جیسا ہوتا ہے لیکن ان کے حروف مختلف ہوتے ہیں؛ ایسے الفاظ، متشابہ الفاظ کہلاتے ہیں۔ مؤلف کتاب ہذا لکھتے ہیں:

•متشابہ: وہ الفاظ جو آواز شکل یا حرکات و سکنات میں ایک دوسرے کی طرح ہوں۔•

تعریف بیان کرنے کے بعد الفبائی ترتیب سے کثیر الاستعمال متشابہ الفاظ کی فہرست دی گئی ہے۔

اس کے بعد ضمیر کا بیان شروع ہوتا ہے۔ ضمیر کی تعریف کیے بغیر اس کی سات اقسام ضمیرِ شخصی ضمیرِ تنکیری، اسمِ موصول (ضمیرِ موصولی)، ضمیرِ استفہامی، ضمیرِ اشارہ اور ضمیرِ صفتی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی بیان میں ضمیرِ شخصی، ضمیرِ تنکیری، اسمِ موصول یا ضمیرِ موصولی اور ضمیرِ استفہامی کی حالتوں/ اقسام کا بھی ذکر مع امثلہ کیا گیا ہے۔

اسمِ صفت: ایسا اسم جس سے کسی شخص وغیرہ کی اچھی یا بری صفت ظاہر ہو۔ جیسے نیک آدمی بدصورت لڑکا اونچا درخت کڑوا پھل وغیرہ۔ اسمِ صفت کے بیان میں اگرچہ اس کی تعریف نہیں کی گئی تاہم اس کی جملہ اقسام، درجات اور ان کی مثالوں پر دل نشین انداز میں بات کی گئی ہے۔ فعل کا ذکر کرتے ہوئے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

•وہ لفظ ہے جو زمانہ گذشتہ (گزشتہ: راقم)، حال اور مستقبل میں کسی کام کے ہونے یا کسی حالت کے ظاہر ہونے پر دلالت کرے۔•

بلحاظِ مصدر، فعل کی دو اقسام فعل مفرد اور فعل مرکب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ فعل کی جملہ اقسام بلحاظِ

"اُردو میں فعل کا مصدر اس طریق سے استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ کسی خصوصیت کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے اور بیشتر بجائے مصدر؛ حاصل مصدر استعمال ہوتا ہے۔ جیسے وہ خوب چال چلا، فہد ایک دوڑ دوڑا۔"

تعریف کے بعد مفعول مطلق پر تفصیل سے بات کی گئی ہے۔

مرکب جملے وہ ہیں جن کے دو حصے اور ان دونوں حصوں کا آپس میں کوئی نہ کوئی تعلق ہوتا ہے۔ مؤلف اس ضمن میں کہتے ہیں:

"بعض جملے ایسے ہوتے ہیں کہ دو جملوں سے مل کر بنتے ہیں یا دوسرے جملے کو پہلے جملے سے کسی نہ کسی طرح کا تعلق ہوتا ہے ایسے جملوں کو مرکب جملے کہا جاتا ہے۔"

اس وضاحت کے بعد مرکب جملوں کے تحت مختلف طرح کے جملوں پر مثالیں دیتے ہوئے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

کتاب ہذا کا آخری باب اصطلاحاتِ قواعد کے نام سے ہے۔ اس عنوان کے تحت؛ ابدال، ادغام، استفہام، اسم مبہم، اشباع، اشتقاق، الف مقصورہ اور ممدودہ، امالہ، تازی، تحتانی، ترخیم، تشدید، تصرف، تعریب، تفریس، تنوین، تمہید، تنوین، حرکات، حرفِ علت، حروفِ ابجد، ذومعنی الفاظ، غیر ملفوظ، غیر مکتوبی (اس کی جگہ غیر ملفوظی لکھا گیا)، فوقانی، قیاسی، ماقبل، مابعد، متشابہ، متضاد، مثلثہ، مثناۃ، محذوف، مشدد، معجمہ، معرفہ، موحدہ، مہملہ، موقوف، نکرہ، واو معروف اور مجہول، ہائے مختفی، یائے معروف اور مجہول سے متعلق مختصراً وضاحت کی گئی ہے۔

آخر میں یہ بات ضرور کہنا چاہوں گا کہ آئندہ اشاعت کے لیے اگر کتاب پر نظر ثانی کی جائے تو کتاب پہلے سے کہیں بہتر ہو جائے گی۔

۱۱۔ نگارستان = منصف خان سحاب

مکتبہ جمال، لاہور کی جانب سے ۲۰۱۰ء کو شائع ہونے والی کتاب؛ راقم کے پیش نظر ہے۔

کتاب دو حصوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ حصہ اول قواعد اور حصہ دوم متعلقات گرائمر (درست گریمر یا گرامر ہے۔ بہتر متعلقاتِ قواعد ہے۔ یاد رہے متعلقات گرائمر کی ترکیب بھی درست نہیں۔ راقم)۔ حصہ اول چار ابواب علم صرف، علم نحو، علم بیان اور علم بدیع اور حصہ دوم تین کے ابواب متعلقاتِ گرائمر، متعلقات نگارش اور اصنافِ ادب شامل ہیں۔

کتاب کے آغاز میں مقدمہ ہے جس میں قواعد سے متعلق اظہار کیا گیا۔ سکول اور کالج کے طلبہ وطالبات کے لیے شائع کی گئی کتب سے متعلق اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ یہ کتب کاروباری مقاصد کے تحت شائع کی گئی ہیں جن میں قواعد مختصراً اور انشاء پردازی کے لیے ادھر ادھر سے مواد اکٹھا کر کے شامل کیا گیا ہے۔ فی زمانہ اخبارات اور رسائل میں قواعد سے متعلق شائع ہونے والے مضامین میں بھی اغلاط پائے جاتے ہیں۔

مؤلف اس کتاب (نگارستان) سے متعلق وضاحت کرتے ہیں کہ اس کی ترتیب میں کسی خاص درجے کے طلبہ (کتاب میں طلباء لکھا ہوا ہے جو معنوی لحاظ سے درست نہیں) مدنظر نہیں رکھے گئے بلکہ عام قارئین، طلبہ اور اساتذہ کے مسائل بھی پیش نظر رکھے گئے۔

اس کے بعد کتاب کی تقسیم کا ذکر کیا گیا ہے جس کا اوپر مختصر ذکر کیا جا چکا ہے۔ صفحہ شمار۔۹ سے پہلا حصہ شروع ہوتا ہے۔ جو صرف سے متعلق ہے۔ کلام سے متعلق کہتے ہیں:

"علم صرف کلام کی بنیاد، علم نحو اس کی دیواریں، علم بیان اس کا پلستر، علم بدیع آرائشی نقش ونگار اور رنگ وروغن ہے۔"

(کتاب ہذا: ص ۱۱)

صَرف کی وہی تعریف کی گئی ہے جو قواعد کی عام کتب میں ملتی ہے۔ کلمہ اور مہمل؛ لفظ کی دو اقسام کا ذکر کیا گیا ہے اسی طرح کلمہ کی تین اقسام اسم، فعل اور حرف کا ذکر مثالوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ معنوی لحاظ سے اسم کی دو اقسام؛ معرفہ اور نکرہ کے بعد اسم معرفہ اور اس کی اقسام اسم علم، اسم ضمیر، اسم اشارہ، اسم موصول اور اسم منادی کا بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اسم علم اور اس کی اقسام؛ عرف، خطاب، لقب، کنیت اور تخلص کی مختصراً وضاحت مع امثلہ کی گئی ہے۔ اسم علم کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"وہ اسم ہے جو کسی شخص کی پہچان کے لیے علامت کا کام دیتا ہے۔"

(کتاب مذکورہ: ص ۱۲)

خطاب کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"وہ اعزازی نام جو کسی شخص کو غیر معمولی، بہادری، علمی، ادبی یا قومی خدمت کے صلے میں قوم یا حکومت کی جانب سے دیا گیا ہو...... مثلاً سر عبدالقادر، قائد اعظم، شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد، حکیم الامت علامہ اقبال، میجر عزیز بھٹی نشانِ حیدر وغیرہ۔"

(کتاب مذکورہ: ص ۱۳)

یہاں ایک وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ قوم یا لوگوں کی جانب سے دیا گیا اعزازی نام لقب کہلاتا ہے جب کہ اسے خطاب کے تحت لایا گیا ہے۔ راقم

کنیت کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"وہ نام جو باپ، ماں، بیٹے یا بیٹی کی نسبت سے رکھا جائے؛ جیسے ابوالحسن باپ کی نسبت سے، ام کلثوم ماں کی نسبت سے، ابن علی، ابن مریم بیٹے کی نسبت سے، بنتِ محمد بیٹی کی نسبت سے۔"

کنیت سے متعلق مزید لکھتے ہیں:

"کنیت کے لیے خونی رشتے کا ہونا ضروری نہیں جیسا کہ ابو ہریرہ (بلیوں کا باپ)، ابو جہل (جہالت کا باپ) اور ابو تراب (مٹی کا باپ)۔"

(کتاب ہذا: ص ۱۳)

کنیت کے باب میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ کنیت کی دو اقسام کنیتِ نسبی اور کنیتِ وصفی ہیں۔ کنیت نسبی تو وہی ہے جو ماں، باپ، بیٹا، یا بیٹی کے تعلق سے ہو اور کنیتِ وصفی وہ ہے جو کسی خاص وصف (اچھائی یا برائی) سے مشہور ہو جائے۔ جیسے ابن الوقت، ام القریٰ، ابو تراب، ابو ہریرہ اور ابنائے روزگار وغیرہ۔ ان مثالوں میں ابن، ابنا، ابو اور ام؛ اپنے حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں آئے ہیں۔ ان سے مراد؛ والا، صاحب، مالک وغیرہ ہوں گے۔ جیسے ابو جہل (بہت بڑا جاہل)، ابن الوقت (وقت کے مطابق چلنے یا خود کو ڈھالنے والا)، ابو ہریرہ (بلی رکھنے والا یا بلیوں سے محبت کرنے والا) ہوں گے۔ راقم

اسم علم کی اقسام کے بعد اسم ضمیر کی تعریف اور اس کی اقسام کا مع امثلہ ذکر کیا گیا ہے۔ اسم معرفہ مع اقسام کے بعد اسم نکرہ اور اس کی اقسام کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ مثالوں کے لیے اشعار کا بھی انتخاب کیا گیا ہے۔ صفحہ شمار۔۳۲ سے مصدر کا بیان شروع ہوتا ہے۔

"مصدر، قواعد کی رُو سے ظرفِ مکاں ہے۔ مصدر سے مراد نکلنے یا ظاہر ہونے کی جگہ ہے۔ مصادر؛ مصدر کی جمع ہے۔ مآخذ کو بھی مصدر یا مصادر کہا جاتا ہے کیوں کہ ان سے کتاب وغیرہ کے لیے بطور سند، مواد اخذ یا حاصل کیا جاتا ہے۔ مصدر کو اسی لیے اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے کہ اس سے کئی مشتقات بنتے ہیں۔" راقم

مصدر کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"جیسا کہ نام سے ظاہر ہے صادر ہونے کی جگہ۔ یہ خود تو کسی سے نہیں نکلتا لیکن اس سے دوسرے کلمات بنائے جاتے ہیں۔ مصدر (میں) فعل کا مفہوم موجود ہوتا ہے

مگر زمانہ نہیں ہوتا۔ اس کے آخر میں "نا" آتا ہے۔"
(کتاب مذکورہ: ص ۳۴)

"یاد رہے ہر وہ لفظ یا کلمہ مصدر نہیں ہوتا جس کے آخر میں "نا" آئے۔ مثلاً گنا، چنا، نانا وغیرہ اسم ہیں نہ کہ مصدر۔ مصدر کی پہچان یہ بھی ہے کہ مصدر علامت "نا" دور کی جائے تو فعل امر بن جاتا ہے۔ جیسے لکھنا سے لکھ، آنا سے آ، پڑھنا سے پڑھ وغیرہ۔ راقم" بناوٹ کے لحاظ سے مصدر کی دو اقسام لازم مصدر (مصدر لازم) اور متعدی مصدر (مصدر متعدی) اور پھر مصدر متعدی کی دو اقسام بلحاظِ مفعول اور بلحاظِ بناوٹ (بلحاظِ بناوٹ کی ترکیب درست نہیں) کی جملہ اقسام اور بنانے کے طریقوں پر سیر حاصل بحث مثالوں سے کی گئی ہے۔ اسمِ حاصلِ مصدر جسے اسمِ کیفیت بھی کہا جاتا ہے، کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"جو لفظ کسی ایسی کیفیت کو ظاہر کرے جو کسی چیز کا اثر و نتیجہ ہو، اس کو حاصلِ مصدر کہتے ہیں۔ اس کو کیفیت بھی کہتے ہیں۔"
(کتاب ہذا: ص ۳۶)

"اسم کیفیت کی عام فہم تعریف یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ ایسا اسم جو مصدر سے بنایا جائے جس میں مصدری اثر موجود ہو، اسمِ کیفیت کہلاتا ہے، جیسے: لکھنا سے لکھائی، پڑھنا سے پڑھائی وغیرہ۔

بعض مصادر ایسے بھی ہیں جن سے اسمِ کیفیت نہیں بنتا جیسے آنا، جانا، سننا، رونا وغیرہ۔ اسم کیفیت کو حاصلِ مصدر بھی کہا جاتا ہے۔ بعض اسمِ کیفیت مصدر کے بجائے اسم سے بھی بنتے ہیں، جیسے: بچہ سے بچپن، روانہ سے روانگی، دیوانہ سے دیوانگی، لڑکا سے لڑکپن وغیرہ۔" راقم

حاصلِ مصدر کی تعریف کے بعد اس کے بنانے کے قواعد کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

اسمِ فاعل کسی کام کرنے والے کو ظاہر کرتا ہے۔ اس عنوان کے تحت فاعل کی تعریف، اقسام فاعل اور اسم فاعل میں فرق اور اسم فاعل قیاسی کے بنانے کے قواعد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسم مفعول جس پر کوئی کام کیا گیا ہو جیسے: لکھا ہوا، پڑھا ہوا، سنا ہوا وغیرہ۔ اسم مفعول کی دو اقسام اسم مفعول قیاسی اور اسم مفعول سماعی کی تعریف اور بنانے کے قواعد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح اسم معاوضہ اور اسم حالیہ کی تعریف مثالیں اور بنانے کے قواعد کا ذکر آیا ہے۔

صفحہ ۴۳ تا ۴۶ پر مصدر سے بنائے گئے کثیر الاستعمال لازم حاصلِ مصدر، متعدی اور متعدی المتعدی دیے گئے ہیں۔

صفحہ ۴۷ پر کثیر الاستعمال اسمائے کیفیت بھی دیے گئے ہیں۔

اس کے بعد بناوٹ کے لحاظ سے اسم کی تین اقسام مصدر، مشتق اور جامد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی بحث میں بناوٹ کے لحاظ سے مصدر کی دو اقسام اصلی (حقیقی) اور جعلی (غیر حقیقی) مصادر بھی مذکور ہیں۔

بلحاظِ جنس، اسم کی اقسام مذکر اور مؤنث کی تعریف اور مثالوں کے بعد حقیقی اور غیر حقیقی تذکیر و تانیث کا بھی ذکر آیا ہے اور ساتھ ہی کثیر الاستعمال انسانی اور حیوانی تذکیر و تانیث دیے گئے ہیں۔ بے جان تذکیر و تانیث کی پہچان کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے اور آخر میں چند کثیر الاستعمال بے جان اسمائے مذکر و مؤنث دیے گئے ہیں۔

بلحاظ تعداد اسم کی دو اقسام واحد اور جمع کا ذکر کیا گیا ہے۔ واحد کسی ایک چیز وغیرہ کے لیے اور جمع دو یا دو سے زیادہ چیزوں وغیرہ کے لیے مستعمل ہے۔ کتاب ہذا میں واحد سے جمع بنانے کے قواعد بتائے گئے ہیں۔

چند بنیادی اصولوں کے تحت:

۱۔ ہمیشہ بطور واحد مستعمل اشیاء جیسے: پیاز، گندم، تانبا، باجرہ، جوار، چاندی اور سونا وغیرہ۔
۲۔ واحد الفاظ جو بطور جمع مستعمل ہیں۔ جیسے: اوسان، بھاگ، تل، حضرت، دام، دانش (واحد بھی مستعمل ہے)، درشن، کرتوت، دستخط وغیرہ۔
۳۔ جمع ہوتے ہوئے بھی واحد مستعمل الفاظ جیسے: درجن، سال، صدی، عشرہ، ماہ۔
۴۔ عربی میں جمع لیکن اُردو میں واحد الفاظ جیسے: اخبار، اخلاق (جمع بھی مستعمل ہے)، اشراف، اصول (جمع بھی مستعمل ہے)، افواہ، املاک، تحقیقات (جمع بھی مستعمل ہے)، حوالات، حور، کائنات، کرامات (جمع بھی مستعمل ہے) وغیرہ۔

اس کے بعد عربی جمع کی دو صورتوں، جمع سالم اور جمع تکسیر کا مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔ جمع سالم بنانے کے قواعد کا ذکر کرتے ہیں:

"جاندار مذکر اسم کی جمع بنانے کے لیے اس (واحد) کے آخر میں "ین" اور "ون" کا اضافہ کرتے ہیں۔ جیسے مسلم کی جمع مسلمین بھی ہے اور مسلمون بھی۔"

تعریف کے بعد کچھ واحد الفاظ اور جمع کی مثالیں دی گئی ہیں۔

صفحہ شمار ۔ ۶۶ پر لکھتے ہیں:

"بے جان اسم کی جمع بنانے کے لیے واحد کے آخر میں "ین" بڑھاتے ہیں۔"

اس کے بعد مؤلف نے چند مثالیں دی ہیں۔

"یہاں ایک وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ اسے جمع نہیں، تثنیہ کہا جاتا ہے جو عربی سے اُردو میں دخیل ہوا۔ تثنیہ میں دو چیزوں وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ عربی میں جمع تین سے شروع ہوتی ہے۔ مؤلف نے اس ضمن میں بے جان چیزوں کے اسم کا ذکر کیا ہے جب کہ عربی کی وساطت سے اشخاص کا بھی تثنیہ اُردو میں مستعمل ہے۔ جیسے: حسنین (امام حسنؓ اور حسینؓ)، عمرین (حضرت عمر فاروقؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ) وغیرہ۔ راقم"

جمع مکسر کا ذکر کرتے ہوئے عربی اوزان مثلاً اَفعال، اَفعِلاء، فِعال، افاعل، اَفعِلہ، مفاعِل، فعول، فعالیل، فعالی، تفاعیل، فعلان، افاعِلہ، فُعال، فُعَلاء، فعل، فُعَل، فُعُل اور فعالی پر اُردو میں مستعمل کثیر الاستعمال واحد کے جمع لکھے ہیں۔

"متفرق کے عنوان سے چند دیے گئے واحد الفاظ کے جمع الفاظ میں عبد کی جمع عبید دی گئی ہے عبید بر وزن فُعَیل اسم مصغر ہے۔ اس کی جمع "عباد" ہے۔ راقم

مؤلف نے جمع الجمع کا بھی ذکر کیا ہے۔ جیسے:

واحد	جمع	جمع الجمع
اسم	اسما	اسامی
امر	امور	امورات
جوہر	جواہر	جواہرات
حادثہ	حوادث	حادثات
خبر	اخبار	اخبارات
دوا	ادویہ	ادویات
رسم	رسوم	رسومات
عارضہ	عوارض	عارضات
فتح	فتوح	فتوحات وغیرہ۔

صفحہ شمار ۔ ۸۳ پر فعل کی بحث کی گئی ہے۔ فعل کی تعریف کرتے ہیں:

"فعل وہ کلمہ ہے جس میں کسی کام کا کرنا، ہونا یا سہنا زمانے کے تعلق کے ساتھ پایا جائے۔"

اس کے بعد فعل کی مختلف اقسام مثلاً بلحاظ معنی، بلحاظ اثبات و نفی، بلحاظ فاعل، بلحاظ زمانہ اور بناوٹ کے لحاظ سے (بلحاظِ بناوٹ یہ ترکیب درست نہیں) درج کی گئی ہیں اور ان کی مختصر طور پر وضاحت اور مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ ازمنۂ ثلاثہ اور فعل امر، فعل نہی اور فعل مضارع کی تعریف مثالیں اور ان کے بنانے کے قواعد بھی بتائے گئے ہیں۔ مثالوں میں اشعار سے بھی کام لیا گیا۔

صفحہ شمار ۔ ۹۱ پر فعل معطوف، فعل ناقص کا ذکر مختصر تعریف اور مثالوں سے کیا گیا ہے۔ ان کے بعد معاون

اَفعال (افعالِ معاون) جنھیں امدادی افعال بھی کہا جاتا ہے؛ کا ذکر کیا گیا ہے۔ معاون افعال کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"افعالِ معاون یا امدادی افعال سے مراد ایسے افعال ہیں جو دوسرے افعال کے ساتھ مل کر مرکب فعل بناتے ہیں۔ جیسے: پکار اٹھنا، رو پڑنا وغیرہ۔"

تعریف کے بعد چند اہم امدادی افعال مثلاً آنا، بیٹھنا، پڑنا، جانا، چاہنا، دینا، ڈالنا، رکھنا وغیرہ کا ذکر مع امثلہ کیا گیا ہے۔ امدادی افعال کے بعد فعل اور فاعل کی مطابقت پر تفصیلاً بات کی گئی ہے۔ علامتِ فاعل "نے" کے استعمال کے قواعد کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد مفعول اور فاعل کی مطابقت، علامتِ مفعول "کو"، صفت اور موصوف کی مطابقت؛ ایسے اہم عنوانات پر بھی تفصیلاً بات کی گئی ہے۔ صفحہ شمار۔ ۹۸ پر حرف اور اس کی اقسام زیرِ بحث ہیں۔ حرف کی تعریف کرتے ہیں:

"حروف وہ کلمات ہیں جو نہ تو کسی کا نام ہوں اور نہ کسی مصدر سے بنے ہوں بلکہ دوسرے کلمات سے مل کر معنی دیں۔ حروف کے بغیر اسم اور فعل دونوں بے کار ہیں۔ (حروف) ان دونوں (اسم اور فعل) کے درمیان ربط پیدا کرتے ہیں۔"

حرف کی تعریف کے بعد حروف کی اقسام مثلاً حروفِ اختصار، حروفِ استثناء، حروفِ استدراک، حروفِ استفہام، حروفِ اضافت، حروفِ اِضراب، حروفِ تاکید، حروفِ تحسین و آفریں، حروفِ تردید، حروفِ تزئین، حروف تسلسلِ کلام، حروفِ ایجاب، حروفِ بیان، حروفِ تشبیہ، حروفِ تعجب، حروفِ تفریح، حروفِ تنبیہ، حروفِ تمنا اور حروفِ جار وغیرہ پر تفصیلی بات مع امثلہ کی گئی ہے۔

باب دوم علمِ نحو پر ہے۔

جملے کے اجزاے کلام کی درست ترتیب، باہمی ربط کا علم اور جملے کی صحیح ترکیب (ترکیبِ نحوی) یعنی جملے میں موجود اجزا (کلمات) کی قواعدی حیثیت سے تقسیم؛ علم النحو کہلاتا ہے۔ علم النحو کے لیے جس بنیاد کی ضرورت ہوتی ہے وہ علم الصرف ہے۔ علم الصرف کے بغیر علم النحو سمجھ نہیں آتا۔ علم الصرف اگر عمارت ہے تو اس کی بنیاد علم النحو ہے۔ علم النحو جس قدر مضبوط ہوگا، علم الصرف اسی قدر پاے دار ہوگا۔ جملے کی درست ادائی کے لیے علم الصرف اور علم النحو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علماے نحاۃ نے نحو کی مختلف تعاریف کی ہیں جن کا لُبِ لباب یہی ہے کہ جملے کے اجزا کی درست ترتیب و ترکیب اور ان اجزا کا آپس میں باہمی ربط اور تعلق صحیح طرح معلوم ہونا۔

مؤلف نے نحو کی تعریف یوں کی ہے:

"نحو وہ علم ہے جس میں اجزاے کلام کی صحیح ترتیب، ترکیب اور تعلقاتِ باہمی سے بحث ہوتی ہے۔ مختلف کلمات کے باہمی ربط و تعلقات کا پتا چلتا ہے۔ اس کے جاننے سے انسان کلام میں غلطی نہیں کرتا۔"

(کتاب ہذا: ص۱۱۹)

اس کے بعد کلام کی دو اقسام مرکبِ تام اور مرکبِ ناقص بتانے کے بعد مرکبِ ناقص کی جملہ اقسام پر تفصیلاً بحث کی گئی ہے۔

مرکبِ ناقص اور اس کی اقسام کی بحث کے بعد جملہ پر بھی تفصیلاً بحث کی گئی ہے۔

جملہ بنیادی طور پر دو اجزا پر مشتمل ہوتا ہے۔ مسند اور مسند الیہ اور پھر مسند اور مسند الیہ کے مطابق جملہ دو اقسام میں منقسم ہوتا ہے۔ جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ۔ انھیں جملہ اسمیہ خبریہ اور جملہ فعلیہ خبریہ بھی کہا جاتا ہے۔ کتاب ہذا کے صفحہ شمار۔ ۱۳۳ سے جملہ اور اس کی اقسام پر مؤثر انداز میں مثالوں کے ساتھ بحث کے ساتھ ساتھ مختلف جملوں ترکیبِ نحوی سے بھی کام لیا ہے۔

صفحہ شمار۔ ۱۳۶ سے بلحاظِ معنوی جملے کی اقسام جملہ خبریہ اور جملہ انشائیہ پر مختصر بات کر کے جملہ انشائیہ کی اقسام جملہ بیانیہ، جملہ استدراکیہ، جملہ تمثیلیہ، دعائیہ جملہ، شرطیہ جملہ (جملہ شرطیہ)، جملہ قسمیہ، جملہ معطوفہ، جملہ معللہ، جملہ معقولہ اور جملہ ندائیہ کی بھی، مثالوں کے ساتھ وضاحت کی ہے۔

باب سوم علمِ بیان پر ہے۔ علمِ بیان (علم البیان) کا تعلق فصاحت سے ہے۔ فصاحت کے بنیادی ستون تین ہیں۔ علم المعانی، علم البیان اور علم البدیع۔

الفاظ کے درست محلِ استعمال اور الفاظ کے معانی کا درست اور مناسب معلوم ہونا علم المعانی کا اصل مقصد ہے۔ علم المعانی کے لیے قواعد کے ساتھ ساتھ علم اللغات (الفاظ کے درست معانی کے لیے) بھی ضروری ہیں۔

فصاحت کا دوسرا ستون علم البیان ہے۔ علمِ بیان میں تشبیہ، استعارہ، مجازِ مرسل، کنایہ اور ان کی اقسام پر بحث کی جاتی ہے۔ فاضل مؤلف نے ان اقسام کی وضاحت مع امثلہ واضح الفاظ میں کی ہے۔ ساتھ میں تشبیہ، استعارہ، مجازِ مرسل اور کنایہ کی اقسام کی بھی مثالوں کے ساتھ وضاحت کی ہے۔ مثالوں کے لیے اشعار کا التزام کرتے ہوئے ان ہی اشعار کی روشنی میں مذکورہ مثال سے متعلق وضاحت بھی کی ہے۔

باب چہارم علمِ بدیع سے متعلق ہے۔ اس علم کا بھی تعلق فصاحت سے ہی ہے۔ بدیع عربی زبان سے ماخوذ ہے۔ عربی زبان میں اس کے مختلف معانی ہیں۔ جیسے: شروع کرنا، ابتدا کرنا، بنانا، حیران کن، نئی چیز وغیرہ۔

علمِ بدیع سے مراد وہ علم ہے جس سے تحسینِ کلام کے ضوابط معلوم ہوں۔ (القاموس الوحید)

مؤلف لکھتے ہیں:

"اس (علمِ بدیع) کے ذریعے کلام میں اچھوتا پن پیدا کیا جاتا ہے۔ یہ کلام کی آرائش اور زیبائش ہے ...... اصطلاح میں بدیع اس علم کا نام ہے جس میں صنائع معنوی اور لفظی بیان کی جاتی ہے اور یہ صنائع تزئینِ کلام کا باعث بنتی ہیں۔"

(کتاب مذکورہ: ص۱۶۱)

صنائع؛ صنعت کی جمع ہے۔ صنعت کے لغت میں کئی معانی آتے ہیں۔ مثلاً پیشہ، فن، دست کاری، بناوٹی یعنی مصنوعی چیز، سجاوٹ، زیبائش، کاری گری، نکتہ آفرینی وغیرہ۔ اصطلاحاً وہ لفظی اور معنوی خوبی جو مقرر کردہ اصولوں کے تحت کلام میں پیدا کی جائے۔

صنائع کی دو اقسام صنائع لفظی اور صنائع معنوی ہیں۔

الفاظ کی مدد سے کلام کی خوب صورتی، دل کشی اور شان و شوکت میں اضافہ کرنا ہو تو صنائع لفظی اور اسی طرح معنوی لحاظ سے کلام کی جاذبیت اور تاثیر کا اضافہ کرنا صنائع معنوی کہلاتا ہے۔ علمِ بدیع (علم البدیع) کی تعریف کے ساتھ اس کی دونوں اقسام اور پھر ان کی اقسام پر مؤثر پیرائے میں تفصیلی ذکر کیا گیا۔ وضاحت کے لیے اشعار سے مدد لی گئی۔ کتابِ ہذا کے صفحہ شمار۔ ۱۸۱ سے عروض پر بحث کی گئی ہے۔

عروض ایسا علم ہے جس میں بحر اور ان کے اوزان پر بحث کی جاتی ہے۔ اس کے موجد ابوعبدالرحمٰن خلیل بن احمد ہیں۔ اس کے بعد کچھ بحور کا اخفش نے بھی اضافہ کیا۔ اس کی واقفیت سے اشعار میں موجود اوزان کی کمی بیشی سے بچا جا سکتا ہے۔ اگرچہ یہ علم خشک ہے لیکن دلچسپی سے خالی نہیں۔ بعض اوقات مبتدی بحور اور مزاحفِ بحر کے مشکل نام اور اوزان یاد رکھنے سے گھبرا جاتے ہیں۔ مؤلفِ کتابِ ہذا نے ارکانِ بحور؛ سبب، وتد اور فاصلے سے متعلق بات کرنے کے بعد نقشے کی مدد سے چند فروعی اوزان کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔

بنیادی بحور کی تعداد ۲۳ ہے اور ان بحور سے شعراء نے مزید بحور نکالی ہیں۔ بحور کی دو اقسام ہیں۔ مفرد اور مرکب بحور۔ کتابِ ہذا میں سولہ مفرد اور چار مرکب بحور مع ان کے

اوزان کا ذکر کیا گیا ہے۔

شعر کا وزن پرکھنے کے لیے تقطیع کی ضرورت پڑتی ہے۔ یاد رہے تقطیع کے لیے بحور اور ان کے اوزان کے ساتھ ان اصولوں سے بھی باخبر ہونا ضروری ہے جن کا ذکر اساتذہ نے کیا ہے۔ کتاب ہذا کے صفحہ شمار۔۱۸۵ پر ان ہی اصولوں پر بات کی گئی ہے اور تقطیع کے لیے چودہ بحور؛ بحر ہزج سالم، بحر ہزج مسدس مقصور، بحر ہزج مثمن اشتر، بحر رجز مثمن سالم، بحر مثمن مطوی مخبون، بحر رمل مثمن مقصور، بحر رمل مخبون محذوف وغیرہ کا انتخاب کیا گیا۔

باب پنجم متعلقاتِ گرائمر کے عنوان ہے۔ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ "متعلقاتِ گرائمر" درست مرکب نہیں۔ اس کی جگہ "متعلقاتِ قواعد" ہونا چاہیے۔ اس باب میں سابقوں اور لاحقوں کی تعریف اور ان سے بننے والے کثیر الاستعمال الفاظ الفبائی ترتیب سے دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد روزمرہ کا مختصراً ذکر، چند مثالوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔

صفحہ شمار۔ ۲۱۷ سے محاورات کا آغاز ہوتا ہے۔ پہلے "محاورہ" سے متعلق وضاحت کی گئی ہے اور پھر الفبائی ترتیب سے کثیر الاستعمال محاورات، معانی اور ان کا استعمال دیا گیا ہے۔ محاورات کے استعمال کے لیے جملوں کے علاوہ اشعار بھی دیے گئے ہیں۔

صفحہ شمار۔ ۲۷۴ سے ضرب الامثال مع مطالب شروع میں دیے گئے ہیں۔ ضرب المثل سے متعلق کوئی وضاحت نہیں کی گئی۔ ضرب الامثال بھی الفبائی ترتیب سے دیے گئے ہیں۔

مقولہ، عربی زبان سے ماخوذ ہے۔ کسی دانا کا قول؛ مقولہ کہلاتا ہے۔ بعض اس سے ضرب المثل بھی مراد لیتے ہیں۔ صفحہ شمار۔ ۳۰۰ سے مقولات اور ان کے مطالب دیے گئے ہیں۔ ان کی بھی ترتیب الفبائی ہے۔

صفحہ شمار۔ ۳۰۴ پر اغلاطِ زبان کے تحت غلط اور درست جملے دیے گئے ہیں۔ ان کی تقسیم بلحاظِ املاء، بلحاظِ تذکیر و تانیث، بلحاظ زائد الفاظ، بلحاظ غلط العام/ غلط العوام، بلحاظ محاورات و ضرب الامثال اور بلحاظ واحد جمع کے عنوان سے کی گئی ہے۔

باب ششم کا عنوان متعلقاتِ نگارش ہے۔ اس باب میں رسم الخط (اس کی مختصر سی تاریخ)، خوش نویسی (مع اصولِ خوش خطی)، املاء (اس کے چند اصول)، تلفظ (اس کی افادیت اور حرکاتِ ثلاثہ مع الف مکسورہ، الف ممدودہ اور ہمزہ کا استعمال)، ہم شکل (مشابہ/ متشابہ) الفاظ اور چند عربی اوزان افعال، تفعیل، اِفتِعال، مُفاعلہ، تفعُّل اور استفعال پر آنے والے اُردو میں مستعمل الفاظ کے علاوہ املاء اور تلفظ میں فرق کی وضاحت کی گئی ہے۔ نظم و نثر میں مفہوم کی ادائی کے لیے رموزِ اوقاف کا درست استعمال لازمی امر ہے۔ ان کا غلط استعمال، مطالب سمجھنے میں دشواری کا سبب بنتا ہے۔ مثال کے طور پر:

۱۔ اسلم جاوید صابر اور اکبر میرے دوست ہیں۔

۲۔ اسلم، جاوید، صابر اور اکبر میرے دوست ہیں۔

جملہ شمار۔ ۱ میں سکتہ نہ لگانے سے اسلم، جاوید اور صابر کو ایک ہی شخص سمجھا جا سکتا ہے۔ جب کہ جملہ شمار۔ ۲ میں سکتہ لگانے سے معلوم ہوا کہ اسلم، جاوید اور صابر؛ تین الگ الگ شخص ہیں۔ اس مثال سے سکتہ کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

کتابِ ہذا کے صفحہ شمار۔ ۳۳۳ پر علاماتِ وقف کا عنوان دیا گیا ہے۔ علاماتِ وقف کو رموزِ اوقاف بھی کہا جاتا ہے۔ رموزِ اوقاف میں سکتہ، رابطہ، وقفہ، واوین، قوسین، علامتِ استفہام، علامتِ تعجب، علامتِ تعریف، علامتِ حذف، علامتِ خطِ تقسیم، علامتِ شعر (علامتِ بط۔ راقم) اور علامتِ مصرع پر مختصر مگر جامع بحث کی گئی ہے مگر درج ذیل اقسام کا ذکر نہیں کیا گیا:

علامتِ خمہ، علامتِ تفصیلیہ، علامتِ ندائیہ/ فجائیہ، علامتِ قلابین، علامتِ خط، الخ، خطِ فاصل اور زنجیرہ۔ ان علامات کا ذکر بھی ضروری تھا۔

صفحہ شمار۔ ۳۳۶ پر کسی کتاب وغیرہ کے شائع ہونے سے پہلے جن امور کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے، ان کا ذکر شجرہ کی صورت میں کیا گیا۔ پروف خوانی (حروف چینی) کے لیے ضروری علامات بھی دی گئی ہیں۔ صفحہ شمار۔ ۳۳۷ پر مصنف کے لیے جن امور کا جاننا ضروری ہے، ان کا ذکر، بصورتِ شجرہ کیا گیا ہے۔ صفحہ شمار۔ ۳۳۸ پر مدیر اور پریس (چھاپہ خانہ) کے لیے ضروری امور کا بھی شجرہ کی صورت میں ذکر کیا گیا ہے۔

باب شمار ہفتم اصنافِ ادب سے متعلق ہے۔ صفحہ شمار۔ ۳۴۰ پر نثر اور نظم کی اقسام بصورتِ شجرہ دی گئی ہیں۔ نثر کی دو اقسام، نثرِ عاری اور نثرِ مسجع و مقفی کا مختصر ذکر کرنے کے بعد نثری اصناف کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اصنافِ نظم پر تفصیلاً بات کی گئی ہے۔ صفحہ۔ ۳۸۹ پر ادبی اصطلاحات کا مختصر مگر جامع انداز میں ذکر بھی موجود ہے۔ صفحہ شمار۔ ۴۰۵ پر کتابِ ہذا کے مآخذ دیے گئے ہیں۔

آخر میں یہ بات کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اُردو قواعد پر تالیف کی گئی کتب کی تعداد بہت زیادہ ہے جن کا احاطہ کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے ان ہی کتب میں سے چند مشہور کتب سے متعلق بات کی گئی ہے۔

پاکستان کے کئی ایسے ادارے ہیں جنھوں نے تعلیمی نصاب کے مطابق اُردو قواعد پر مختصر اور جامع کتب شائع کی ہیں۔ ان کتب میں قواعد کے ساتھ ساتھ انشاء پردازی سے متعلق بھی مواد شامل کیا ہے۔ ان اداروں میں پنجاب ٹیکسٹ بورڈ، لاہور؛ خالد بک ڈپو، لاہور؛ ہمدرد کتب خانہ، لاہور؛ قومی کتب خانہ لاہور، مکتبۂ کارواں، لاہور؛ کشمیر کتاب گھر، لاہور؛ فیروز سنز لاہور/ راولپنڈی؛ الفیصل پبلشرز، ناشرانِ کتب، لاہور اور شوق پبلی کیشنز، راولپنڈی وغیرہ شامل ہیں۔

انجمن ترقی اُردو، کراچی؛ اُردو سائنس بورڈ، لاہور؛ مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور؛ مجلس ترقی اُردو، لاہور؛ ادارۂ فروغ قومی زبان، اسلام آباد اور نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد وغیرہ جیسے مقتدر حکومتی اداروں نے بھی طلبہ و طالبات کے ساتھ قارئین کے لیے بھی اُردو قواعد پر اہم کتب شائع کی ہیں۔

بعض کتب ایسی ہیں جو قواعد پر تو نہیں لیکن ان میں قواعد سے متعلق بھی مقالات وغیرہ شامل ہیں۔ ایسی تمام کتب کے نام شمار کرنا اگرچہ مشکل ہے تاہم چند اہم کتب کے نام پیش کیے جاتے ہیں۔

کیفیہ: پنڈت دتاتریہ کیفی، مکتبہ معین الادب اُردو، لاہور، منشورات: پنڈت دتاتریہ کیفی، گیلانی الیکٹرک پریس، لاہور، لسانی مسائل: ڈاکٹر شوکت سبزواری، مکتبہ اسلوب، کراچی، زبان اور اُردو زبان: ڈاکٹر فرمان فتح پوری، آئینہ ادب چوک مینار۔ انارکلی، لاہور، لسانی مقالات (حصہ اول): سید قدرت نقوی ادارہ فروغِ قومی زبان، اسلام آباد، لسانی مقالات (دوم): سید قدرت نقوی، ادارہ فروغِ قومی زبان، اسلام آباد، لسانی مقالات (سوم): ڈاکٹر سہیل بخاری، ادارۂ فروغِ قومی زبان، اسلام آباد، اُردو زبان و ادب: ڈاکٹر علی اصغر شیخ / اسحاق جلال پوری، مکتبۂ کارواں، لاہور، اُردو میں اصلاح املا کی کوششیں؛ شازیہ آفتاب، ادارۂ فروغِ قومی زبان، اسلام آباد، لسان اور لسانیاتی مسائل و مباحث: ڈاکٹر افتخار بیگ، مثال پبلشرز، فیصل آباد وغیرہ۔

درج بالا کتب کے علاوہ درج ذیل کتب کا، بلحاظِ قواعد و لسانیات، مطالعہ اہمیت کا حامل ہے۔

کلامِ غالب کا لسانی و اسلوبیاتی مطالعہ، نبیلہ از ہر مجلس ترقی ادب، لاہور، جدید لسانیاتی اور اسلوبیاتی تصورات ڈاکٹر عامر سہیل، مثال پبلشر، فیصل آباد، لسانی زاویے، پروفیسر غازی علم الدین، مثال پبلشر، فیصل آباد۔

اس مقالے کی تیاری میں جن مآخذ سے استفادہ کیا گیا ہے، ان کا ذکر مقالے میں کر دیا گیا ہے۔

☆☆☆☆

ڈاکٹر تہمینہ عباس، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جامعہ کراچی

پاکستان میں اُردو افسانے کے پچھتر سال

پاکستان اپنی عمر کے پچھتر سال پورے کر چکا ہے۔ اس عرصے میں سیاسی اعتبار سے بہت سے واقعات رونما ہوئے جیسے قیامِ پاکستان کے بعد غیر مستحکم حکومتیں اقتدار کی سازشیں، حکومتوں کی تبدیلی، مارشل لاء کا نفاذ، جمہوری حکومتوں کا ٹوٹنا، بدعنوانی کرپشن، قدرتی آفات، سقوطِ ڈھاکہ، لیاقت علی خان کی شہادت، ضیاء الحق کا طیارہ حادثہ، بے نظیر بھٹو کی شہادت، آٹھ اکتوبر کا زلزلہ، ۲۰۱۰ء کا اور ۲۰۲۲ء کا سیلاب اور کرونا جیسا وبائی مرض ان عام واقعات کے اثرات براہِ راست اُردو افسانے پر نظر آتے ہیں(۱)۔

گوکہ اُردو افسانے کا باقاعدہ آغاز انیسویں صدی کی ابتدا میں ہوا مگر ۱۸۵۷ء کے بعد برِعظیم میں پیدا ہونے والی فرقہ واریت، نفرت، حسد، مذہبی تعصب، نسلی جنون، طبقاتی خلیج، تقسیمِ بنگال، قحطِ بنگال، دو قومی نظریہ، کانگریس اور مسلم لیگ کی سیاست، خلافت تحریک، بدیسی تحریک، تبدیلیِ مذہب تحریک، شدھی، سنگھٹن اور تنظیم و تبلیغ کی تحریکیں، کسان ہریجن، زمیندار، ساہوکار، مہاجن، سرکاری اہل کاروں کے باہمی جھگڑے، انگریز حکمرانوں کے رویے، وطن کی محبت، قیامِ پاکستان سے قبل جملہ سیاسی و تاریخی واقعات کو اُردو افسانے میں سمو دیا گیا(۲)۔ قیامِ پاکستان کے بعد نوزائیدہ مملکت اتنی بڑی ہجرت کے لیے تیار نہ تھی۔ وسائل کی کمی اور مہاجروں کی افراط کی وجہ سے مسائل بہت بڑھ گئے۔ انسانی جبلت، لالچ، خودغرضی کے کئی افسانے رقم ہوئے(۳)۔ رفیوجی کیمپوں میں مہاجروں کو ٹھہرانا، آبادکاری مہم، کلیم، ہندوؤں اور سکھوں کی چھوڑی ہوئی جائیداد پر جائز اور ناجائز قبضہ ایک نئے ملک کی تعمیر میں سنگین مسائل درپیش تھے(۴)۔

قیامِ پاکستان کے وقت ایک محتاط اندازے کے مطابق دونوں اطراف سے ایک کروڑ سے زیادہ افراد نے ہجرت کی۔ دس لاکھ سے زائد افراد قتل کیے گئے۔ مال و اسباب، جائیداد اور عورتوں کی عصمتیں لوٹی گئیں، ناجائز بچے جنے گئے، حاملہ عورتوں کے پیٹوں میں چھرے گھونپے گئے، زندہ عورتوں کی چھاتیاں کاٹی گئیں، مادرزاد ننگی عورتوں کے ڈھول باجوں کے ساتھ جلوس نکالے گئے، باپ بھائیوں کے سامنے اجتماعی زیادتیاں کی گئیں، لاکھوں لڑکیوں کو کوٹھوں پر فروخت کر دیا گیا(۵)۔ فسادات کے حوالے سے لکھنے والوں میں سب سے پہلا نام کرشن چندر کا آتا ہے۔ کرشن چندر نے فسادات کے پس منظر میں کئی کہانیاں لکھیں جو ان کے افسانوں کے مجموعے "ہم وحشی ہیں" میں اکٹھی شائع ہوئیں۔ اندھے، لال باغ، ایک طوائف کا خط، جیکسن، امرتسر، پشاور ایکسپریس، اس مجموعے میں شامل افسانے ہیں۔ کرشن چندر کے افسانے، جانور، دوسری موت بھی فسادات کے پس منظر میں لکھے گئے افسانے ہیں۔ فسادات کے پس منظر میں لکھے گئے افسانوں میں کرشن چندر کے افسانے "پشاور ایکسپریس" کو فنی اعتبار سے بہترین قرار دیا جاتا ہے(۶)۔

منٹو نے فسادات کے موضوع پر کئی افسانے لکھ کر انسانی المیے کو اُبھارنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے افسانے، کھول دو، ٹوبہ ٹیک سنگھ، سہائے شریفین، موذیل، گورکھ سنگھ کی وصیت، فسادات کے المیے پر لکھے گئے بہترین افسانے تصوّر کیے جاتے ہیں(۷)۔ منٹو کے سات افسانوں کو بہترین قرار دیا جاتا ہے۔ بمبئی کی شہری فضا سے متعلق "موذیل" اور "بابو گوپی ناتھ"، چکلے سے متعلق "کالی شلوار"، آزادی سے متعلق "نیا قانون"، تقسیم سے متعلق "ٹوبہ ٹیک سنگھ" اور "کھول دو" اور سماجیات سے متعلق "ٹھنڈا گوشت" شامل ہیں(۸)۔

فسادات کے پس منظر میں عصمت چغتائی کا افسانہ "جڑیں" بھی پیش کیا جا سکتا ہے جو فسادات پر لکھے گئے اچھے افسانوں میں شمار کیا گیا ہے۔ خواجہ احمد عباس کا افسانہ "میری موت"، سہیل عظیم آبادی کا افسانہ "اندھیارے میں ایک کرن"، احمد ندیم قاسمی کا افسانہ "پرمیشر سنگھ"، رامانند ساگر کا افسانہ "اور انسان مرگیا"، جمیلہ ہاشمی کا افسانہ "بن باس"، راجندر سنگھ بیدی کا افسانہ "لاجونتی"، مرزا ریاض کا افسانہ "بوجھ"، ممتاز مفتی کا افسانہ "ثمینہ"، خدیجہ مستور کا افسانہ "ٹامک ٹوئیے"، حیات اللہ انصاری کا افسانہ "شکر گزار آنکھیں"، خدیجہ مستور کا افسانہ "مینوں لے چلے بابلا لے چلے وے"، مرزا حامد بیگ کا افسانہ "کاتک کا ادھار"، احمد عباس کا افسانہ "انتقام" فسادات کے موضوع پر لکھے گئے بہترین افسانے ہیں(۹)۔

احمد ندیم قاسمی کے افسانے، چڑیل، فساد، میں انسان ہوں، تسکین، جب بادل امڈے، اندمال، بھی فسادات کے پس منظر میں لکھے گئے ہیں۔ احمد علی کا افسانہ "میں انسان ہوں"، ممتاز حسین کا "سورج سنگھ"، احمد علی کا "قید خانہ"، شوکت صدیقی کا "تانتیا، ہفتے کی شام، اندھیرا"، اکمل علیمی کا "شب گزیدہ سحر"، ہاجرہ مسرور کا "بڑے انسان بنے بیٹھے ہو" اور "امتِ مرحوم" ہجرت اور فسادات اور عصری حسیت پر لکھے گئے افسانے ہیں(۱۰)۔

شان الحق حقی کا "منھی کا توتا"، اشفاق احمد کا "گڈریا"، قدرت اللہ شہاب کا "یا خدا"، اوپندر ناتھ اشک کے افسانے "گیانی، چارہ کاٹنے کی مشین"، شکیلہ اختر کا "آخری سہارا" اور "ایک دن" بھی ہجرت کے پس منظر میں تحریر کیے گئے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی کے افسانے "تسکین" اور "بادل اُمڈ آئے"، انتظار حسین کے "بن لکھی رزمیہ"، پریم ناتھ در کا "آخ تھو"، جاوید جعفری کا "جاگے پاک پروردگار" بھی فسادات اور تقسیم کے دُکھ کی عکاسی کرتے ہیں(۱۱)۔ چند برس قبل دیپک بدکی کا "کینچلی" فرخ صابری کا "شاردا"، حسن منظر کا "مالِ غنیمت"، طاہرہ اقبال کا "دیسوں میں" منظرِ عام پر آئے(۱۲)۔ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۹ء تک تمام افسانے ہی گہری باخبری کے ساتھ لکھے گئے۔ کرشن چندر کے افسانے "مہالکشمی کا پل" اور شوکت صدیقی کے افسانے "ابوالہول کا سایہ" کو پڑھ کر اس باخبری کا اندازہ ہوتا ہے۔ معاشی کسمپرسی، غربت اور انسان کی بے بسی کی داستان کا اندازہ، خواجہ احمد عباس کے افسانے "باقی کچھ نہیں" اور ہاجرہ مسرور کے افسانے "صندوقچے" سے کیا جا سکتا ہے(۱۳)۔

قیامِ پاکستان کے بعد کچھ عرصے تک افسانے کا موضوع فسادات ہی رہا۔ کچھ عرصے بعد انتشار تھا تو زندگی کے مختلف موضوعات منظرِ عام پر آنے لگے۔ اس زمانے میں ایک نمایاں رجحان ماضی پرستی کا تھا۔ نئی سرزمین پر لوگوں کے وہ خواب پورے نہیں ہوئے جو انھوں نے غیر منقسم ہندوستان میں پاکستان کے حوالے سے دیکھے تھے(۱۴)۔ چند افسانہ

نگاروں نے سرحد پار کے گلی کوچوں، بازاروں پُرانے راستوں اور ان سے منسوب واقعات کو اپنے افسانے کا موضوع بنایا۔ ماضی کی فضاؤں کو زندہ رکھنے کی کوشش کی ان میں انتظار حسین اور اے حمید کا نام شامل ہے۔ انتظار حسین نے تجدید اور علامات کے تجربوں میں اپنے آپ کو گُم نہیں ہونے دیا۔ گلی کوچے، کنکری، آخری آدمی، شہرِ افسوس، کے بیشتر افسانے ماضی کے تعاقب اور بازیافت کی کوشش ہیں(۱۵)۔

قرۃ العین حیدر کے افسانے بھی ناسٹلجیا اور ماضی کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان کے افسانوں کے مجموعے ''شیشے کے گھر'' میں شامل تقریباً سبھی افسانے ہجرت کے بعد کا کینوس پیش کرتے ہیں۔ برف باری سے پہلے، کیکٹس لینڈ، جلاوطن، ہجرت کی عکاسی کرتے ہیں(۱۶)۔ اختر جمال کا افسانہ ''اُنگلیاں فگار اپنی'' تقسیم شدہ خاندان کی کہانی ہے۔ تقسیم سے قبل جن افسانہ نگاروں نے اپنے لیے مستقل جگہ بنالی تھی ان میں غلام الثقلین نقوی، رحمٰن مذنب، غلام عباس، قرۃ العین حیدر، شوکت صدیقی، ممتاز مفتی، شفیق الرحمٰن وغیرہ شامل ہیں(۱۷)۔

پاکستان میں پہلا مارشل لاء ۱۹۵۸ء میں نافذ ہوا۔ جنرل ایوب خان فیلڈ مارشل لاء اور ایڈمنسٹریٹر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ مارشل لاء کے دَور میں شعرا، ادبا اور صحافیوں پر تحریر و تقریر کی پابندی تھی۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۷ء تک غیر مستحکم صورتِ حال اور سماجی خرابیوں کے حل کے لیے مارشل لاء کا نفاذ عمل میں آیا تھا مگر حالات بہتر ہونے کے بجائے مزید خراب ہوگئے۔ اسی دَور میں فیض احمد فیض اور احمد ندیم قاسمی جیسے شاعر اور ادیبوں کو پابند سلاسل کیا گیا(۱۸)۔ پاکستان کے تخلیقی ادب کو جمہوری ماحول بہت کم میسّر آیا یہی وجہ ہے کہ ہمارا بیشتر ادب سیاسی مزاج کا حامل ہے(۱۹)۔ ۱۹۵۸ء کے بعد مارشل لاء کا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا۔ اظہار میں رکاوٹیں ڈالی جارہی تھیں۔ ادیبوں اور اخبارات کو غلام بنانے کے منصوبے شروع ہوچکے تھے۔ بیانیہ، حقیقت نگاری اور خارجیت کی جگہ علامتی تہہ داری اور شناختی بحران کی اہمیت واضح ہورہی تھی(۲۰)۔ چھٹی دہائی میں اردو میں علامت نگاری کا رجحان آیا تو اکثر نے اسے سماجی واشتراکی حقیقت نگاری کا ردِّ عمل کہا۔ اس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ جیسے علامتی افسانہ، یکسر نیا اور پہلے افسانے کی راکھ سے طلوع ہوا تھا۔ اصل یہ ہے کہ علامتی افسانہ تصورِ حقیقت کی سطح پر نیا نہیں تھا۔ علامتی افسانہ بھی حقیقت کو مادّی تصور کرتا تھا اور اسے انسانی فہم کی دسترس میں خیال کرتا تھا(۲۱)۔ اس ضمن میں علامتی افسانے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے جہاں قدیم، کلاسیکی، مشرقی، مقامی ثقافتی علامتوں سے کام لیا، وہیں انھی 'جدید کاری' کے عمل سے گزارا۔ یعنی ان علامتوں کے قدیمی و اساسی معنی کا احیا نہیں کیا؛ سادہ لفظوں میں پرانی حکایات، اساطیر، قصص یا ان کے منتخب حصوں کو محض دہرایا نہیں بلکہ انھیں ازسرِنو تحریر کیا۔ کہیں ان کی بنیادی ساخت کو قائم رکھا گیا، کہیں بدل دیا گیا۔ ان کے قدیمی آہنگ کو عام طور پر قائم رکھا گیا مگر ان کی زبان، اسلوب، کرداروں، علامتوں کو نئے سرے سے لکھا اور برتا گیا۔ مجموعی طور پر انھیں ایک پس نوآبادیاتی ملک کی نئی مادی صورت حال اور سیاسی جبر، اخلاقی زوال اور خوابوں کی شکست کے خلاف جدوجہد کی 'علامت' بنا کر پیش کیا گیا(۲۲)۔

جنگ ستمبر یا ۱۹۶۵ء کی جنگ کے اثرات اُردو اَدب پر بھی رونما ہوئے۔ ملی نغمے، شاعری، افسانے، ڈرامے اسی پس منظر میں لکھے گئے اور پاکستانی عوام اپنے وطن کے لیے جذبۂ حُب الوطنی سے پہلی دفعہ آشنا ہوئے اور انھیں وطن کی صحیح قدر و منزلت کا ادراک ہوا۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے پس منظر میں کئی افسانہ نگاروں نے عمدہ افسانے تراشے جن میں غلام

الثقلین نقوی، احمد ندیم قاسمی، عفرا بخاری، فرخندہ لودھی، مسعود مفتی اور صادق حسین شامل ہیں۔ مسعود مفتی کا مجموعہ ''رگ سنگ'' اور غلام الثقلین نقوی کا مجموعہ ''نغمہ و آگ'' کے سبھی افسانے ۱۹۶۵ء کی جنگ کے پس منظر میں لکھے گئے ہیں(۲۳)۔

غلام الثقلین نقوی کے افسانے کافوری شمع، ڈیک کے کنارے، سبز پوش، جلی مٹی کی خوشبو، پاک بھارت جنگ کے تناظر میں لکھے گئے ہیں۔ احمد شریف (رنگوں کا ڈبہ)، صادق حسین (انسان)، فرخندہ لودھی (پاربتی)، احمد ندیم قاسمی (کپاس کا پھول)، اختر جمال (مئے تلخی ایام)، رضیہ فصیح احمد (خندق کا پودا)، انتظار حسین (سیکنڈ راؤنڈ)، عفرا بخاری (کروٹ)، خدیجہ مستور (ٹھنڈا میٹھا پانی)، ۱۹۶۵ء کی جنگ کے پس منظر میں لکھے گئے افسانے ہیں۔ آغا بابر نے ۱۹۶۵ء کی جنگ کے پس منظر میں تخلیق ہونے والے ادب کو رزمیہ ادب قرار دیا(۲۴)۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے پس منظر میں اُردو میں ڈائری اور رپورتاژ بھی لکھے گئے۔ ''کوئی ستارہ نہیں اُبھرتا'' منظور الٰہی کا رپورتاژ ہے جو ۱۹۶۵ء کی جنگ کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ مسعود مفتی کی کتاب ''رگ سنگ'' میں جنگ ستمبر سے وابستہ افسانے ادبی رنگ میں موجود ہیں۔ سترہ دنوں کی جنگ کی داستان اُردو افسانے میں محفوظ ہوگئی ہے(۲۵)۔

برِصغیر کے باشندوں کو ہجرت کا پہلا تجربہ تو ہر وردھن کی موت کے بعد ہوا۔ دوسرا بہادر شاہ ظفر کے زوال کے بعد، تیسرا برِصغیر کی تقسیم کے بعد اور چوتھا تجربہ مشرقی پاکستان کے انقطاع کی صورت میں ہوا(۲۶)۔ مشرقی پاکستان کے المیے سے اُردو افسانے میں ہجرت کا موضوع ایک دفعہ پھر تازہ ہوگیا وہ لوگ جو ۱۹۴۷ء میں ہندوستان سے ہجرت کر کے مشرقی پاکستان پہنچے تھے انھیں ایک بار پھر خون کے دریا کو عبور کر کے مغربی پاکستان آنا پڑا(۲۷)۔ سقوطِ مشرقی پاکستان نے اُردو افسانے پر گہرے اثرات مرتب کیے اور اس سانحے سے متاثر ہو کر اُردو میں کئی لافانی افسانے لکھے گئے تھے(۲۸)۔ سقوطِ مشرقی پاکستان سے قبل آغا سہیل کے افسانے ''پرچم'' اور غلام محمد کے افسانے ''ایک سہما ہوا شخص'' اور محی الدین نواب، مسعود اشعر، غلام محمد اور زین الدین وغیرہ بنگال کے افسانے زوال پذیر معاشرے کا نقشہ پیش کرچکے تھے(۲۹)۔ سقوطِ ڈھاکہ کے بعد ابراہیم جلیس کے افسانوں کا مجموعہ ''الٹی قبر'' منظرِ عام پر آیا جس میں کل نو افسانے ہیں۔ افسانہ ''الٹی قبر'' کا موضوع آبادکاری کا مسئلہ ہے ''جس میں بنگلہ دیش میں نذرل کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کو زیرِ بحث لایا گیا ہے(۳۰)۔

رضیہ فصیح احمد کے افسانے، (پل، ورثہ)، انور عنایت اللہ کا (ستم در ستم)، انتظار حسین کے (شہرِ افسوس، اندھی گلی، وہ جو کھوئے گئے، ہندوستان سے ایک خط، اسیر، نیند، دیوار)، اے حمید کا (اب جاگتے رہنا ہے)، اختر جمال کا (دوسری ہجرت، پُرانی جڑیں، زرد پتوں کا بن، پسِ دیوار زنداں)، مسعود اشعر کے (دُکھ جو مٹی نے دیے، آنکھوں پر دونوں ہاتھ، اپنی اپنی سچائیاں، ڈاب اور بیئر کی ٹھنڈی بوتل، بیلا نائی رے جولدی جولدی)، پروفیسر محمود واجد کا (آدھا سفر)، امراؤ طارق کا (بیس سال بعد)، شہزاد منظر کے (تیسرا وطن، سزا، سراب، ندیا کہاں ہے تیرا دیس، پچھتاوا، دشمن، اب ہم کہاں جائیں گے ماں، اجنبی، یوٹوپیا)، آغا سہیل کے (پان، زبان خنجر، پرچم، ٹھکانہ کہیں نہیں)، ڈاکٹر سلیم اختر کے (محاذ ۱۹۷۱ء سب کہاں، شہر بدری، شہر ماجرا، سمندر کی چوری)، مسعود مفتی کے (خوش قسمتی، جال، صدیوں پار، سپنا، اُمید، کفارہ، نیند، تشنگی، ناگفتنی، باغی)، ش۔ صغیر ادیب کا (خون پھر خون ہے)، محمد منشا یاد کا (دوپہر اور جگنو)، فرخندہ لودھی کا (برسات کی گرم ہوا)، غلام محمد کے (نیند، منزل اپنی اپنی، پہچان بڑی مشکل ہے، اُداسی، ترک وفا، تین مسافر، کرب، ایک سہما ہوا شخص، بکرم پور ہاؤس

پُراسرار بندے)، احمد زین الدین کے (زرد موسم کی صلیب، وہ شجر تھا موسم دار کا، درد کی فصلیں)، ڈاکٹر رشید امجد کے (بے ثمر عذاب، ہریالی بارش مانگتی ہے، کھیل، ٹوٹتا ہوا سانس، کہانی ایک زوال کی، ریت پر گرفت، بجھی ہوئی پہچان، ہابیل اور قابیل کے درمیان ایک طویل مکالمہ)، امّ عمارہ کے (بے گناہی بے گناہی، امرلتا، کروٹ، جب آنکھ کھلی، کس نے کس کو اپنایا)، ڈاکٹر مشرف احمد کا (سرحدیں)، پروفیسر علی حیدر ملک کا (پسپائی کا آخری موڑ)، اے خیام کا (اجنبی چہرے)، شہناز پروین کا (مکتی)، طارق محمود کا (آئی لینڈ، لال باغ، سرکس)، جمیل عثمان کا (خالی ہاتھ، چھوٹا پاکستان، پرچم ستارہ و ہلال، روشنی بے گھر ہوئی، کلیرنس، راہ نوردِ شوق)، آصف فرخی کا (کھویا ہوا آدمی، شہر بدری)، قیصر قصری کا (تھوتھو)، احمد سعدی کا (سمجھوتہ)، س۔م ساجد کا (صلیب کے سائے)، قمر عبداللہ کا (دلوں کی صلیب) مندرجہ بالا تمام افسانے سقوط ڈھاکہ اور اس المیے سے جنم لینے والے مسائل کی عکاسی کرتے ہیں (۳۱)۔

ایوب راج کے خلاف بے اطمینانی، ۱۹۶۵ء کی جنگ کا دل خراش انجام، مشرقی پاکستان میں خون ریز المیہ، ۱۹۷۱ء کی فوجی تاراجی، بھٹو کی پھانسی، ضیاء الحق کا دورِ آمریت، گھٹن سی گھٹن ہے کہیں روزن ہے نہ در، بچے، خوابوں اور خوش فہمیوں کا شکار لوگ راکھ کا ڈھیر بن گئے۔ ہر شخص جبر اور تشدد کا شکار بھاگ رہا ہے۔ جان کی امان چاہ رہا ہے۔ پوری فضا بے اعتماد ہے۔ چہرے مسخ ہیں خون آلود ہیں اور اُردو افسانوں میں علامتی اور مزاحمتی انداز میں پاکستان کی سیاسی تاریخ رقم ہو رہی ہے (۳۲)۔

رحسین نے علامتی انداز میں جو مزاحمتی ادب تخلیق کیا۔ اس میں درج ذیل افسانے شامل ہیں۔ وہ جو کھوئے گئے، کٹا ہوا ڈبا، دہلیز، سیڑھیاں، مردہ راکھ، مشکوک لوگ، شرم الحرم، کانا دجال، بگڑی گھڑی، دوسرا گناہ، دوسرا راستہ، اپنی آگ کی طرف، وہ جو دیوار کو نہ چاٹ سکے، اندھی گلی، شہر افسوس (۳۳)۔ مسعود اشعر کا شمار ان افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے جنھوں نے ستر کی دہائی میں اپنی شناخت بنالی تھی۔ صحافت سے وابستہ تھے۔ حق بات کہنے سے نہیں ڈرتے تھے۔ ان کے افسانوں کے چار مجموعے شائع ہوئے۔ آنکھوں پر دونوں ہاتھ، سارے افسانے، اپنا گھر، سوال کہانی۔ انھوں نے سیاسی اور تاریخی موضوعات کے ساتھ ساتھ سقوطِ مشرقی پاکستان اور ضیاء الحق کے دَور کی معاشرتی گھٹن کو بھی اپنے افسانوں میں علامتی انداز میں پیش کیا۔ ''خاموشی'' کے عنوان سے تین افسانے لکھے جو ضیاء الحق کے دور کی گھٹن اور جبر کی عکاسی کرتے ہیں (۳۴)۔

علامتی افسانہ نگاری میں رشید امجد کا نام بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے انسان، معاشرہ، معاشیات، نفسیات، مارشل لاء، صنعتی تہذیب کی بے حسی، داخلی قرب اور سیاسی جبر کے حوالے سے افسانے تحریر کیے۔ ان کے افسانوں کے بارہ مجموعے شائع ہوئے۔ بیزار آدم کے بیٹے ۱۹۷۴ء، ریت پر گرفت ۱۹۷۴ء، سہ پہر کی خزاں ۱۹۸۰ء، پت جھڑ میں خود کلامی ۱۹۸۴ء، بھاگے ہے بیاباں مجھ سے ۱۹۸۸ء، کاغذ کی فصیل ۱۹۹۳ء، عکس بے خیال ۱۹۹۳ء، دست خواب ۱۹۹۳ء، ست رنگے پرندے کے تعاقب میں ۲۰۰۲ء، ایک عام آدمی کے خواب ۲۰۰۶ء، صحرا کہیں جسے ۲۰۱۲ء (۳۵)۔

بیزار آدم کے بیٹے، پانی کی بارش، منجمد اندھیرے میں روشنی کی ایک دراڑ، گملے میں اگا شہر، کوڑا گھر میں تازہ ہوا کی خواہش، رشید امجد کے وہ افسانے ہیں جو ضیاء الحق کے دَور میں تحریر کیے گئے (۳۶)۔

منشا یاد نے ابتدائی کہانیاں روایتی اسلوب میں لکھیں مگر عصری تبدیلیوں کو نظر انداز نہیں کیا۔ علامتی، تجریدی اور نیم علامتی کہانیاں لکھنے کے باوجود انھوں نے کہانی سے پہلو تہی نہیں کی۔ ان کے مندرجہ ذیل افسانوں کے مجموعے منظر عام پر آئے۔ بند مٹھی میں جگنو (۱۹۷۵ء)، ماس اور مٹی

احمد ندیم قاسمی اور خدیجہ مستور کی یادگار تصویر

(۱۹۸۰ء)، خلا اندر خلا (۱۹۸۳ء)، وقت سمندر (۱۹۸۶ء)، وگدا پانی (۱۹۸۷ء)، درخت آدمی (۱۹۹۰ء)، دور کی آواز (۱۹۹۴ء)، تماشا (۱۹۹۸ء)، خواب سرائے (۲۰۰۵ء)۔ منشا یاد کے افسانوں میں، تماشا، بوکا، شب چراغ، اپنا اپنا کاگ، ضیاء الحق کے دَور میں پروان چڑھنے والی ریاکاری کی عکاسی کرتے ہیں۔ (۳۷)

مرزا حامد بیگ کے افسانوں میں بھی علامت اور حقیقت کا امتزاج موجود ہے۔ ان کے افسانوں کے مندرجہ ذیل مجموعے منظر عام پر آئے۔ گمشدہ کلمات (۱۹۸۱ء)، تار پر چلنے والی (۱۹۸۳ء)، قصہ کہانی (۱۹۸۴ء)، گناہ کی مزدوری (۱۹۹۱ء)، جانکی بائی کی عرضی (۲۰۱۱ء)۔ ان کے افسانوں میں، رہائی، مشکی گھوڑوں والی بگھی کا پھیرا، تربیت کا پہلا دن، مارشل لاء کے دَور میں لکھے گئے افسانے ہیں جس میں مارشل لاء کے عوامل کو علامتی انداز میں بیان کیا ہے (۳۸)۔

انور سجاد جدید اُردو افسانے کا ایک معتبر نام ہیں اور اپنے علامتی افسانوں کی وجہ سے جانے جاتے ہیں۔ ان کے افسانوں کے مندرجہ ذیل مجموعے منظر عام پر آئے۔ پہلی کہانیاں، رگ سنگ، چوراہا، استعارے، ان کے افسانے، رات کا سفرنامہ، ماں اور بیٹا، جبر کے تناظر میں لکھے گئے ہیں (۳۹)۔

انوار احمد کی کہانیاں بھی عصری آشوب کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان کے افسانوں کے مجموعے، ایک ہی کہانی، پہلے سے سنی ہوئی کہانی، آخری خط، کے نام سے منظر عام پر آئے۔ ان کا افسانہ، محبِ وطن بچہ، کمال بستی جبڑا چوک، سیاسی قیدیوں پر تشدد کی داستان ہیں (۴۰)۔

احمد داؤد کے افسانوں میں مارشل لاء کے جبر اور شدتوں کے خلاف واضح احتجاج موجود ہے۔ ان کے افسانوں کے مجموعے، مفتوح ہوائیں، دشمن دار آدمی، خواب فروش، کے نام سے منظر عام پر آئے۔ ان کے افسانوں میں، گاؤں، پرندے کا گوشت اور دُسکی، شہید، جواں مرگ کا نوحہ، خواب فروش، نامہ بر، جبر کے موضوع پر لکھے گئے افسانے ہیں (۴۱)۔

احمد جاوید کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ''غیر علامتی کہانی'' (۱۹۸۳ء) میں شائع ہوا۔ اس میں ۱۹۷۷ء کے بعد کے افسانے ہیں۔ اس کتاب پر حبس، گھٹن، خوف مایوسی کے اثرات نظر آتے ہیں۔ ''چڑیا گھر'' میں رفیق حسین کی طرح مختلف جانوروں کا تذکرہ موجود ہے۔ باہر والی آنکھ اور سن تو سہی، میں اس دَور کا جبر نظر آتا ہے (۴۲)

مظہر الاسلام اُردو کے معروف افسانہ نگار ہیں۔ انھوں نے بھی سیاسی جبر و استیصال کے خلاف کہانیاں لکھیں۔ ان کے افسانوں کے مجموعے، باتوں کی بارش میں بھیگتی لڑکی، گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی، گڑیا کی آنکھ سے شہر کو دیکھو، کے نام سے منظر عام پر آئے۔ ان کے افسانوں میں، متروک آدمی، سانپ گھر، پنجرے میں پالی ہوئی بات، گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی، کندھے پر کبوتر، بارہ ماہ، میں علامتی انداز میں مارشل لاء کے جبر و گھٹن کی عکاسی کی گئی ہے (۴۳)۔

ہاجرہ مسرور کے افسانوں اور مختصر کہانیوں کے موضوعات، سماج و سیاست، قانون و معیشت کی ناہمواریوں اور خواتین کے استیصال کے گرد گھومتے ہیں۔ ان کے افسانوں کے مجموعے، ہائے اللہ، چھپے چوری، اندھیرے اُجالے، تیسری منزل، چاند کے دوسری طرف، وہ لوگ اور چرکے، کے نام سے شائع ہوئے۔ ان کا افسانہ ''ایک نعرہ'' جبر کے خلاف لکھا گیا ہے (۴۴)۔

اختر جمال اُردو کی معروف افسانہ نگار ہیں۔ ان کے افسانوں کے مندرجہ ذیل مجموعے منظر عام پر آئے۔ پھول اور بارود، اُنگلیاں فگار اپنی، زرد پتوں کا بن، سمجھوتہ ایکسپریس، خلائی دَور کی محبت، ان کا افسانہ ''سالگرہ کا کیک'' اور ''سمجھوتہ ایکسپریس'' سیاسی جبر کے عکاس ہیں (۴۵)۔

افضل توصیف (پچیسواں گھنٹہ)، اکرام اللہ (سیاہ آسمان)، انور سن رائے (مبہم)، سعیدہ گزدر (کوئل اور جرنل)، فرخندہ لودھی (گندی مچھلی)، فریدہ حفیظ (رب نہ کرے)، مستنصر حسین تارڑ (آکٹوپس)، منصور قیصر (شاہ دولے کے چوہے، ایک بانسری ہزار نیرو)، ندیم واحد صدیقی (گرم کرسی)، جاوید اختر بھٹی (مگر تم زندہ رہنا)، انور سجاد (رات کا سفر نامہ)، نجم الحسن رضوی (ہانکا)، ذکاءالرحمٰن (گھروں سے نکلنے پر پابندی ہے) مارشل لاء کے پس منظر میں لکھے گئے افسانے ہیں۔(۴۶)

زاہدہ حنا ہمارے دَور کی ایک ایسی افسانہ نگار ہیں جنھوں نے تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا۔ انھوں نے جنگ کے ہولناک نتائج کو اپنی کہانیوں میں سمو دیا۔ زاہدہ حنا کے درج ذیل افسانوں کے مجموعے منظرِ عام پر آئے۔ قیدی سانس لیتا ہے۔ راہ میں اجل ہے، تتلیاں ڈھونڈنے والی، رقصِ بسمل، زاہدہ حنا کے کئی افسانے تتلیاں ڈھونڈنے والی، بودو نابود کا آشوب، حکومتی جبر کے خلاف لکھے گئے افسانے ہیں۔(۴۷)

علی حیدر ملک کے افسانوں کا مجموعہ ''بے زمین آسمان'' میں موجود اکثر کہانیاں جبر کے عہد کی ترجمان ہیں۔ جھوٹے سچے خواب، ترسے ہوئے آئینے، تیسری آنکھ، جنگل بولتا ہے، سولی پر لٹکی ہوئی آواز، اچھلتے جل کی مچھلی، مصلوب نسلیں، مارشل لاء کے عہد میں لکھے گئے وہ افسانے ہیں جو عوام کے دل سے نکلتے ہیں۔ ''اندر کا جہنم'' ایک مختصر علامتی افسانہ ہے۔(۴۸)

سلیم اختر نے بھی ضیاء الحق کے دَور میں آمریت کے پس منظر میں افسانے لکھے۔ ان کے افسانوں کے مجموعے، نرگس اور کیکٹس، کڑوے بادام، آدھی رات کی مخلوق، مٹھی بھر سانپ، کاٹھ کی عورتیں، چالیس منٹ کی عورت، کے نام سے شائع ہوئے۔(۴۹)

مجموعی اعتبار سے اُردو افسانہ ایک نئے احیائی دور سے گزر رہا تھا۔ اس دَور میں اسلوب، بیان، تکنیک کے حوالے سے نت نئے تجربات ہوئے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ دَور اُردو افسانے کا عہدِ زرّیں تھا تو بے جا نہ ہوگا۔(۵۰)

۴۔ اپریل ۱۹۷۹ء ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے دن، جمہوری حکومت کا اختتام اور آمریت کے نئے دَور کے آغاز سے ایک نئی داستان شروع ہوئی جس کے نتیجے میں ادیبوں نے اپنی تخلیقات میں اس گھٹن کا اظہار کیا۔(۵۱)

انور زاہدی کے افسانوں کے مجموعے درج ذیل ناموں سے منظرِ عام پر آئے۔ عذاب شہر پناہ، موسم جنگ کی کہانی محبت کی، مندر والی گلی، بائیسکوپ دن، انور زاہدی کا افسانہ ''دوسرے سیزر کی موت'' میں بھٹو کی پھانسی کا نقشہ علامتی انداز میں کھینچا گیا ہے۔(۵۲)

محمود اختر کا افسانہ ''نوحہ'' بھٹو کی پھانسی کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ یوسف عزیز زاہد کا افسانہ ''ادھوری پہچان لکھا گیا ایک افسانہ ہے۔ یونس جاوید (دستک)، ستار طاہر (مردہ بھٹو زندہ بھٹو)، انتظار حسین (کشتی)، انور سجاد (ماں اور بیٹا)، فہمیدہ ریاض (عورت اور چیتا)، مسعود اشعر (ایک بڑی کہانی کے لیے ورک نوٹس)، مستنصر حسین تارڑ (درخت)، اکرام اللہ (سیاہ آسمان)، محمد منشا یاد (رکی ہوئی آوازیں)، مظہر الاسلام (انا للہ وانا الیہ راجعون) احمد داؤد (عجائب گھر) یہ بھی دَور بھٹو کی پھانسی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتِ حال کی عکاسی کرتے ہیں۔(۵۳)

اُردو افسانے میں ضیاء الحق کے دَور میں لگائی جانے والی پابندیوں، جبر اور گھٹن کی تفصیل علامتی انداز میں بھرپور طریقے سے موجود ہے۔

اُردو افسانے میں موضوعاتی تنوع کے حوالے سے دیکھا جائے تو شہر کراچی کے پس منظر میں بھی بہت سے

منشا یاد — طاہرہ اقبال

افسانے لکھے گئے۔ اس حوالے سے مشہور ادیب شوکت صدیقی کو کسی بھی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے افسانے کی طبقاتی کشمکش کو بھی کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے افسانے طبقاتی کشمکش اور جرائم اور قیامِ پاکستان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتِ حال کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان کے افسانوں کا مجموعہ، تیسرا آدمی ۱۹۵۲ء، میں شائع ہوا۔(۵۴)

قرۃ العین حیدر نے تقسیم ہند کے بعد کراچی کے بنتے بگڑتے معاشرے کی تصویر کشی اپنے طویل افسانے یا ناولٹ ''ہاؤسنگ سوسائٹی'' میں کی ہے۔(۵۵)

حسن منظر نے اپنے افسانے ''۲۵ شمالی ۶۷ مشرقی'' میں ۱۹۴۷ء کے بعد سندھ میں لسانی فسادات، کراچی اور اس کی مضافاتی بستی ماری پور کا احوال قلم بند کیا ہے۔(۵۶)

اسد محمد خان نے کراچی میں لاپتا ہونے والے خصوصاً بلوچوں کے بارے میں لکھا ہے۔ ''طوفان کے مرکز میں'' اسد محمد خان کا ایک ایسا افسانہ ہے جس میں کراچی کے واقعات اور شخصیات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اسد محمد خان کے کئی افسانوں کے مجموعے شائع ہوئے۔ کھڑکی بھر آسمان، برجِ خموشاں، غصے کی نئی فصل، نربدا اور دوسری کہانیاں، جو کہانیاں لکھیں، تیسرے پہر کی کہانیاں، ایک ٹکڑا دھوپ کا، ٹکڑوں میں کہی گئی کہانیاں۔ اسد محمد خان کے افسانوں کے مجموعے ہیں۔(۵۷)

فہمیدہ ریاض نے اپنے افسانے ''کراچی'' میں مہاجروں کا درد، سندھیوں اور مہاجروں کے درمیان لسانی ثقافت سیاسی کرپشن کو بھرپور طریقے سے پیش کیا ہے۔ ان کی کہانیوں کا مجموعہ ''خطِ مرموز'' کے نام سے منظر عام پر آیا۔(۵۸)

زاہدہ حنا کا افسانہ ''آخری بوند کی خوشبو'' سکھر کے ایک سرکاری اسکول کے اُستاد کی کہانی ہے جو بچوں کو درست تاریخ پڑھانے کے جرم میں برطرف کر دیا جاتا ہے۔ معدوم ابن معدوم، ''بہر سو رقصِ بسمل'' بھی سندھ اور کراچی کے پس منظر میں لکھی گئی کہانیاں ہیں۔(۵۹)

کراچی کے تناظر میں لکھے گئے افسانوں کے حوالے سے آصف فرّخی اُردو افسانے کا ایک معتبر حوالہ ہیں۔ ان کے افسانوں کے مجموعے ''شہر بیتی'' اور ''شہر ماجرا'' کراچی کے کرفیو، زخمیوں، ڈاکوؤں کی عکاسی کرتے ہیں۔ کراچی کے افسانہ نگاروں میں مبین مرزا بھی ایک اہم حوالہ ہیں۔ مبین مرزا کے افسانوں سے ہم کراچی میں موجود ایک نادیدہ طاقت کے حکم پر ہونے والے کارناموں سے متعارف ہوتے ہیں۔ ان کے افسانے دامِ وحشت، بے خواب پلکوں پہ ٹھہری رات، خاص کراچی کی سیاسی اور سماجی صورتِ حال کی عکاسی کرتے ہیں۔(۶۰)

نعیم آروی نے بھی کراچی کی دہشت گردی اور سیاسی صورتِ حال پر کئی افسانے تحریر کیے جن میں، بندی گھر، شب گزیدہ، منی، روزن، آکسیجن ٹینٹ، لمبے دن کا انتظار، بصارت، چالیسواں فقیر، تیسرے جہنم کا فقیر، علامتی انداز میں اسی شہر کی عکاسی کرتے ہیں۔ احمد ہمیش نے سندھ کے آشوب کو موضوع بنایا۔ بش اینڈ پل، نورین بیٹی ڈرنا نہیں، ہیں خواب میں ہنوز، سندھ اور کراچی کی سیاسی صورتِ حال کو پیش کرتے ہیں۔(۶۱)

اے خیام کا افسانہ ''برزخ''، پچیسواں گھنٹہ، ہاجرہ مسرور کا افسانہ ''اسٹینڈرڈ'' بھی کراچی جیسے کاسموپولیٹن شہر کی سرگزشت ہے۔ سلطان جمیل کے افسانوں کے مجموعے ''ایک شام کا قصہ'' کے تمام افسانے سندھ اور بالخصوص کراچی کے تناظر میں لکھے گئے ہیں۔ امراؤ طارق کے افسانے، کرفیو کی رات، ماورائے عدالت، کورے کاغذ پر لکیریں، آخری موت، سندھ اور کراچی کے وحشت بھرے موسموں کی داستان ہے۔(۶۲)

کراچی کے افسانہ نگاروں کے یہاں سندھ اور کراچی کے ناسازگار حالات کا ذکر موجود ہے۔ دیگر علاقوں

سے تعلق رکھنے والوں نے اس موضوع سے صرف نظر کیا ہے۔ البتہ مرزا حامد بیگ کا افسانہ ”مٹی کا رنگ“ میں اس کی عکاسی موجود ہے۔ منشایاد کے افسانے ”سارا سفر افسوس کا ہے“ میں کراچی شہر کے خوف اور جبر کی گھٹن کی عکاسی منشا یاد نے بہت خوبی سے کی ہے۔ ناصر بغدادی کی کہانی ”شناخت“ اس کراچی کی بازیافت ہے جب زندگی اپنی تمام تر لطافتوں کے ساتھ کراچی میں ہنستی مسکراتی تھی۔ (۶۳)

فہیم اعظمی کے افسانے، پھر کیا ہوا، حصار، ارتمس نگر کے پھول، انوار احمد زئی کے افسانے، شناخت، گواہی کا دن، آنکھ سمندر، نجم الحسن رضوی کے افسانے، سادھیو بیلہ میں اجنبی، آدمی دریا، مردہ گھر، زمانے کی قسم، ڈاکٹر شیر شاہ سیّد کے افسانے ایک موت دو شہر، شہر برباد کی دھول، دل کی وہی تنہائی، ناصر بغدادی کا افسانہ، ”شناخت“ کراچی کے پس منظر میں لکھے گئے عمدہ افسانے ہیں۔ فسادات کے بعد سب سے زیادہ افسانے سندھ اور کراچی کے مسئلے پر لکھے گئے۔ کراچی میں ادیبوں اور شاعروں کی بڑی تعداد سکونت پذیر تھی۔ کراچی اور سندھ کے مسئلے پر افسانہ نگاروں نے کھل کر لکھا۔ اس مسئلے پر لکھنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ (۶۴)

اُردو افسانے کے حوالے سے دیکھا جائے تو کئی افسانے ایٹم بم اور اس کی تباہ کاری کے حوالے سے بھی لکھے گئے۔ ایٹم بم اور اس کی تباہ کاری کا ذکر اُردو اَدب میں دوسری جنگِ عظیم کے بعد ہی ہونے لگا۔ (۶۵) احمد ندیم قاسمی (ہیروشیما سے پہلے ہیروشیما کے بعد)، ابن سعید (ہیروشیما)، کرشن چندر (ہوا کے بیٹے)، غلام عباس (دھنک)، حجاب امتیاز علی (پاگل خانہ)، حسن منظر (زمین کا نوحہ)، زاہدہ حنا (تنہائی کے مکان میں)، محمود واجد (امن کے ہاتھ)، فہیم اعظمی (شایان)، ہیروشیما ناگاساگی کے پس منظر میں لکھے گئے افسانے ہیں۔ (۶۶)

ہندوستان میں پوکھران اور پاکستان میں چاغی کے مقام پر ہونے والے ایٹمی دھماکوں کا اثر بھی اُردو افسانے پر براہِ راست پڑا۔ پاکستان کے نامور افسانہ نگاروں نے اس موضوع پر قلم اُٹھایا۔ انتظار حُسین (مور نامہ، میرے اور کہانی کے بیچ)، مسعود اشعر (پیاسی دھرتی کائنر)، فردوس حیدر (خالی ہوا یہ دل)، فاطمہ حسن (مہلت کا وقفہ)، شیر شاہ سیّد (ناسور)، مبین مرزا (خواب میں ہارا ہوا آدمی)، چاغی اور پوکھران کے بم دھماکوں اور ان کے اثرات پر لکھے گئے افسانے ہیں۔ (۶۷)

۱۲۔ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو پاکستان میں پرویز مشرف نے مارشل لاء لگا دیا۔ اس مارشل لاء کے حوالے سے کئی افسانے منظرِ عام پر آئے جس میں محمد منشایاد (کہانی کی رات)، آصف فرخی (کہر)، احمد جاوید (دیمک)، علی حیدر ملک (دہشت گرد چھٹی پر ہیں)، محمد حمید شاہد (آدمی کا بکھراؤ)، انوار احمد (کفن دفن سے انکاری قاضی شاہد)، شفیق انجم (گھنی سیاہ رات)، سلیم اختر (کاٹھ نگر میں پتلی تماشا) شامل ہیں۔ (۶۸)

نائن الیون میں جب امریکا پر حملہ ہوا تو اس کے اثرات پوری دنیا پر مرتب ہوئے۔ اس حوالے سے کئی افسانے تخلیق ہوئے جو مزاحمتی ادب کا حصّہ ہیں۔ یہ مزاحمت ہر قسم کے سیاسی، معاشی، تہذیبی اور مذہبی استیصال کے خلاف ہے۔ (۶۹)

نائن الیون کے پس منظر میں لکھے گئے افسانوں میں درجِ ذیل افسانے شامل ہیں۔ مسعود مفتی (شناخت)، فرحت پروین (بن باس، شاخ آہو، جنگ یارڈ)، فاروق سرور (گنجی چڑیا، جادوگر)، نیلم احمد بشیر (جو کوئے یار سے نکلے)، سلطان جمیل نسیم (کشمکش)، فہمیدہ ریاض (دسترس)، حمید شاہد (گانٹھ، سورگ میں سؤر)، عرفان احمد عرفی ”ریلیٹی شو“ (۷۰)۔

افغانستان اور نائن الیون کے پس منظر میں لکھے گئے افسانوں میں رشید امجد (پژمردہ کا تبسّم)، زاہدہ حنا (کم کم

انتظار حسین — شوکت صدیقی

آرام سے ہے)، عطیہ سیّد (بلقان کا بت)، پروین عاطف (اینڈ آف ٹائم)، فرخ ندیم (چودھویں رات کی سرچ لائٹ) شامل ہیں (۷۱)۔ امریکی جنگ اور جذبۂ جہاد کے حوالے سے لکھے گئے پاکستانی افسانوں میں محمد حمید شاہد (مرگ زار)، منشایاد (پھندہ)، خالدہ حسین (ابن آدم)، عاطف سلیم (لاوقت میں ایک منجمد ساعت)، اسد محمد خان (شہر مردگان)، مسعود مفتی (بھوک) شامل ہیں (۷۲)۔

۲۰۲۱ء میں کرونا کی وبا نے تمام دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور انسان ایک ان دیکھے وائرس کے ہاتھوں موت کا شکار ہونے لگا۔ کرونا ء وبا کا یہ دور ایک خطرناک دور تھا جس میں انسان موت کے ساتھ ساتھ موت سے پہلے کے خوف کی وجہ سے نفسیاتی مریض بن گیا اس دور میں عالمی سطح پر ادب تخلیق ہوا۔ اس دور میں مختلف ادبی رسائل و جرائد نے خصوصی شمارے شائع کیے جو کرونائی ادب پر مشتمل تھے۔ دیگر اصناف کے ساتھ ساتھ کئی افسانے اور افسانوں کے مجموعے بھی منظر عام پر آئے جس میں درجِ ذیل افسانوں کے مجموعے شامل ہیں۔ ”ممَیں“ (خالد فتح محمد)، ”خواب گلی“ (محمود احمد قاضی)، ”ایک زمانہ ختم ہوا ہے“ (ناصر عباس نیر)، ”گھٹیا آدمی“ (کلیم خارجی)۔ (۷۳)

اُردو افسانے کے مختلف ادوار میں سامنے آنے والے افسانہ نگاروں کے حوالے سے اولڈ راوینز نے سہ ماہی ”لوح“ کا ایک شمارہ مرتب کیا ہے جس میں پاکستان اور ہندوستان کے نامور افسانہ نگاروں کے نمائندہ افسانے شامل ہیں۔ سہ ماہی ”لوح“ مطابق اُردو افسانے کے پہلے دَور میں منشی پریم چند، سجاد حیدر یلدرم، اعظم کریوی اختر اور ینوی، اوپندر ناتھ اشک، پریم چند، حامد اللہ افسر، حیات اللہ انصاری، راشد الخیری، سدرشن، سلطان حیدر جوش، علی عباس حسینی، قاضی عبدالغفار، مجنوں گورکھ پوری، محمد علی رودلوی، محمد مجیب، ملک راج آنند، نیاز فتح پوری شامل ہیں (۷۴)۔ اُردو افسانے کے دوسرے دَور میں احمد علی، سجاد ظہیر، رشید جہاں کا نام لیا جا سکتا ہے (۷۵)۔ اُردو افسانے کے تیسرے دَور میں اختر انصاری، اختر حُسین رائے پوری، احمد ندیم قاسمی، اشرف صبوحی، بلونت سنگھ، حجاب امتیاز علی، خواجہ احمد عباس، دیوندر ستیارتھی، راجندر سنگھ بیدی، سعادت حسن منٹو، سیّد رفیق حُسین، سیّد فیاض محمود، شوکت صدیقی، عصمت چغتائی، غلام عباس، کرشن چندر، مسز عبدالقادر، مرزا ادیب، ممتاز مفتی شامل ہیں (۷۶)۔ اُردو افسانے کے چوتھے دَور میں آغا بابر، ابراہیم جلیس، ابوالفضل صدیقی، احمد زین الدین، احمد یوسف، اختر جمال، اشفاق احمد، افسر آذر، اقبال مجید، اقبال متین، الطاف فاطمہ، انور عظیم، اے حمید، بانو قدسیہ، جمیلہ ہاشمی، جوگندر پال، جیلانی بانو، حسن منظر، حمید اختر، خان فضل الرحمٰن خان، خدیجہ مستور، ذکاء الرحمٰن، رام لعل، رحمٰن مذنب، رضیہ فصیح احمد، صادق حُسین، عبداللہ حُسین، عزیز احمد، غلام الثقلین، غیاث احمد گدی، قاضی عبدالستار، قدرت اللہ شہاب، قرۃ العین حیدر، کلام حیدری، محمد احسن فاروقی، محمد حسن عسکری، مسعود مفتی، ممتاز شیریں، نیر مسعود، واجدہ تبسّم، وقار بن الٰہی، ہاجرہ مسرور شامل ہیں (۷۷)۔

اُردو افسانے کے پانچویں دَور میں آغا گل، ابدال بیلا، احمد ہمیش، احمد جاوید، احمد داؤد، اسد محمد خان، اسلم سراج الدین، اعجاز راہی، اکرام اللہ، الیاس احمد گدی، انتظار حُسین، انوار احمد، انور خان، انور زاہدی، انور سجاد، انور سن رائے، اے خیام، بلراج کومل، بلراج منیرہ، بیگ احساس، پروین عاطف، جتندر بلو، حُسین الحق، حیدر قریشی، خالدہ حُسین، رشید امجد، زاہدہ حنا، ذکیہ مشہدی، سریندر پرکاش، سلام بن رازق، سلطان جمیل نسیم، سلیم اختر، سمیع آہوجا، سیّد محمد اشرف، شمس الرحمٰن فاروقی، شوکت حیات، طاہر نقوی، عبدالصمد، عذرا اصغر، عطیہ سیّد، علی

امام نقوی، علی حیدر ملک، علی تنہا، فرخندہ لودھی، فریدہ حفیظ، گلزار، محمد الیاس، محمد حامد سراج، محمد منشایاد، محمود احمد، قاضی، محمود واجد، مرزا حامد بیگ، مستنصر حسین تارڑ، مسعود اشعر، مشرف عالم ذوقی، مظہر الاسلام، منصور قیصر، منیر احمد شیخ، ناصر بغدادی، نجم الحسن رضوی، نند کشور وکرم، نعیم آروی، نیلم احمد بشیر، نیلوفر اقبال، یونس جاوید شامل ہیں۔(۷۸)

اُردو افسانے کا چھٹا دَور، آصف فرّخی، امجد طفیل، اقبال نظر، تبسّم فاطمہ، خالد فتح محمد، رابعہ الرباء، زین سالک، سلیم آغا قزلباش، سیمیں کرن، شاہین کاظمی، شمشاد احمد، شموئل احمد، شہناز شورو، طاہرہ اقبال، مبین مرزا، محمد حمید شاہد، محمد سعید شیخ، محمد عاصم بٹ، مریم عرفان، منیرہ احمد شمیم، نجیبہ عارف، نزہت عباسی، فاطمہ حسن پر مشتمل ہے۔(۷۹)

پاکستانی افسانے کا اگر موضوعاتی جائزہ لیا جائے تو سب سے پہلے ہجرت کے موضوعات، پھر مارشل لاء کے تحت مزاحمتی اور علامتی افسانے کی ابتدا، پھر ۱۹۶۵ء کی جنگ، پھر سقوطِ مشرقی پاکستان، پھر ۱۹۷۷ء کا مارشل لاء، پھر بھٹو کی پھانسی، پھر کراچی اور سندھ کے نسلی فسادات اور دہشت گردی کی داستان، پھر ایٹم بم کے تجربات پر مبنی افسانے، پھر پرویز مشرف کے مارشل لاء کے تحت لکھے گئے افسانے، آٹھ اکتوبر کا زلزلہ، نائن الیون کے تحت لکھے گئے افسانے اور آخر میں کرونائی دور میں تخلیق ہونے والے افسانے شامل ہیں۔
پاکستانی اردو افسانے کے پچھتر سال کا جائزہ لیتے ہوئے اس بات کا بھی ادراک ہوتا ہے کہ پاکستان میں لکھے جانے والے افسانوں پر سیاسی اور سماجی حالات کے گہرے افسانے مرتب ہوئے یہ ہی وجہ ہے کہ انتظار حسین علامتی اور داستانی انداز میں کہانی کہتے رہے۔ احمد ندیم قاسمی نے پنجاب اور خصوصاً دیہات اور اس کے مسائل کی عکاسی کی بانو قدسیہ نے عورتوں کے مسائل کی بھرپور عکاسی کی۔ اشفاق احمد سماجی مسائل کے ساتھ ساتھ محبت کی لازوال داستانوں کو موضوع بناتے رہے۔ ایسے افسانہ نگار جو صحافت سے براہ راست وابستہ تھے ان کے افسانوں میں علامتی، سیاسی اور اس دور کی حالیہ صورت حال کی تصاویر واضح صورت میں موجود ہیں۔ غرضے کہ پاکستان کے تقریباً تمام ہی افسانہ نگار اپنے اپنے انداز میں کہانی کہتے رہے۔ قیام پاکستان سے تا حال اردو افسانے نے بتدریج ارتقائی مراحل طے کیے۔ ہیئت اور اسلوب کے تناظر میں مختلف تجربات ہوئے۔ سندھ اور نسلی فسادات کے تحت افسانے لکھے گئے۔ بلوچستان میں لاپتہ ہونے والوں کے پس منظر میں اردو افسانہ تخلیق ہوا۔ پاکستان میں چاغی اور ہندوستان میں پوکھران کے بم دھماکوں کو بھی موضوع بنایا گیا۔ کرونائی دور میں بھی وبا کے خوف کے تناظر میں افسانے لکھے گئے اور تا حال اردو افسانے کا سفر جاری ہے۔

حواشی:

۱۔ طاہرہ اقبال، "پاکستانی اُردو افسانہ"، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۵ء)، ص ۱۳

۲۔ ایضاً، ص ۱۳

۳۔ ایضاً، ص ۱۱۰

۴۔ ایضاً

۵۔ ایضاً، ص ۱۱۱

۶۔ ایضاً، ص ۱۱۵ تا ۱۲۱

۷۔ ایضاً، ص ۱۳۳

۸۔ مرزا حامد بیگ، "اُردو افسانے کی روایت ۱۹۰۳ء تا ۱۹۹۰ء"، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، پاکستان، ۱۹۹۱ء)، ص ۷۷

۹۔ طاہرہ اقبال، "پاکستانی اُردو افسانہ"، ص ۱۳۹ تا ۱۵۰

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۵۰، ۱۵۱

قدرت اللہ شہاب — شان الحق حقی

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۶۰

۱۳۔ عتیق احمد، "پچاس سالوں کے افسانوں کا انتخاب"، مشمولہ: افکار، (کراچی: جنوری فروری، ۱۹۹۵ء، افکار فاؤنڈیشن)، ص ۱۲

۱۴۔ سید غفور شاہ قاسم، "پاکستانی ادب ۱۹۴۷ء تا حال"، (لاہور: بک ٹاک، ۱۹۹۵ء)، ص ۸۴

۱۵۔ ایضاً، ص ۸۴

۱۶۔ طاہرہ اقبال، "پاکستانی اُردو افسانہ"، ص ۱۶۵

۱۷۔ سیّد غفور شاہ قاسم، "پاکستانی ادب ۱۹۴۷ء تا حال"، (لاہور: بک ٹاک، ۱۹۹۷ء)، ص ۸۴

۱۸۔ رشید امجد، ڈاکٹر، "پاکستانی افسانے کا فکری اور سیاسی پس منظر"، مشمولہ: پاکستانی ادب (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۹۹ء)، ص ۱۶۵

۱۹۔ شہزاد منظر، "اُردو افسانے کے پچاس سال"، (کراچی: منظر پبلی کیشنز، ۱۹۸۲ء)، ص ۱۳۵

۲۰۔ رشید امجد، ڈاکٹر، "پاکستانی افسانہ، چند باتیں"، مشمولہ: پاکستانی ادب ۱۹۴۷ء۔۲۰۰۸ء، (مرتب) ڈاکٹر رشید امجد، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۹ء)، ص ۱۵

۲۱۔ ۱۵۔ ستمبر، ۲۰۲۲ء

a-haqiqattassawurkahanladbimiras.com

naiyyerabbasnasirprof-afsanalamti

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ آغا بابر، "اَدب پر جنگ کا اثر"، مشمولہ: ادبی مذاکرے (مرتب) شیما مجید، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۴۹ء)، ص ۱۵۰

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ احمد ہمیش، "پاکستان میں ۷۰ کے بعد کی نئی اُردو"، مشمولہ: اُردو افسانہ روایت اور مسائل، (مرتب) گوپی چند نارنگ، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۴ء)، ص ۵۱۵، ۵۱۶

۲۷۔ طاہرہ اقبال، "پاکستانی اُردو افسانہ"، ص ۱۷۲

۲۸۔ شہزاد منظر، "تخلیقی ادب" (کراچی: عصری مطبوعات، ۱۹۸۰ء)، ص ۹۲

۲۹۔ ڈاکٹر زینت افشاں، "اُردو فکشن پر سقوطِ ڈھاکہ کے اثرات"، (کراچی: ادارہ یادگارِ غالب، ۲۰۱۶ء)، ص ۲۱۲

۳۰۔ ایضاً، ص ۲۱۶

۳۱۔ ایضاً، ص ۲۰۹ تا ۲۱۰

۳۲۔ محمد سلیم الرحمٰن، "فنا کا افسانہ"، مشمولہ: "انتظار حسین کے سترہ افسانے"، (موڈرن، پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۰ء)

۳۳۔ انتظار حسین، "انتظار حسین کے سترہ افسانے" (موڈرن، پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۰ء)، فہرست

۳۴۔ محمد حمید شاہد، افسانہ نگار، صحافی اور مترجم "مسعود اشعر"، مشمولہ: روزنامہ جنگ ۲۱ جولائی، ۲۰۲۱ء، news/jang.com.pk 955399/

۳۵۔ ذوالفقار علی، "رشید امجد کی افسانہ نگاری: ایک جائزہ"، مشمولہ: اُردو ریسرچ جرنل، جنوری ۲۰۲۱ء، شمارہ نمبر ۲۵ 4634=?p/urj/rudulinks.com

۳۶۔ انور احمد، ڈاکٹر، "اُردو افسانہ ایک صدی کا قصہ"، (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۰ء)، ص ۴۷۶، ۴۷۱

۳۷۔ محمد_منشا_یاد_ /wiki/ur.wikipedia.org

۳۸۔ مرزا_حامد_بیگ_ /wiki/ur.wikipedia.org

۳۹۔ عبدالحفیظ ظفر، "ڈاکٹر انور سجاد کثیر الجہت شخصیت"، مشمولہ: روزنامہ دنیا، ۷ جون، ۲۰۲۲ء

۴۰۔ مسرت بانو، "ڈاکٹر انور احمد کے افسانوں میں سماجی اور سیاسی تناظرات"، مشمولہ: اُردو ریسرچ جرنل، جولائی ۲۰۱۷ء 1540=?p/urj/rudulinks.com

۴۱۔ احمد_داؤد_(مصنف)_ /wiki/ur.wikipedia.org

۴۲۔ مشرف عالم ذوقی: ''احمد جاوید گمشدہ شہر کا داستان گو''، مشمولہ: یور اُردو، احمد، جاوید، گمشدہ، شہر، کا، داستان، گو، yoururdu.com/۴/

۴۳۔ lesson/urdunotes.com

urdu-in-biography-masroor-hajra/

۴۴۔ اختر_جمال_wiki/ur.wikipedia.org/

۴۵۔ طاہرہ اقبال: ''پاکستانی اُردو افسانہ''

۴۶۔ زاہدہ_حنا_wiki/ur.wikipedia.org/

۴۷۔ طاہرہ اقبال: ''پاکستانی اُردو افسانہ''، ص۴۸۴ تا ۴۸۷

۴۸۔ سلیم_اختر_wiki/ur.wikipedia.org/

۴۹۔ طاہرہ اقبال: ''پاکستانی اُردو افسانہ''، ص۴۹۷

۵۰۔ ابرار احمد، ''مزاحمتی ادب''، مشمولہ: مزاحمتی ادب (مرتب) ڈاکٹر رشید امجد، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۱۹۹۵ء)، ص۴۷

۵۱۔ 15869/tafacur.com

۵۲۔ طاہرہ اقبال: ''پاکستانی اُردو افسانہ''، ص۴۹۸ تا ۵۰۷

۵۳۔ شوکت_صدیقی wiki/ur.wikipedia.org/، بروز ۵۱، ستمبر ۲۰۲۲ء

۵۴۔ ڈاکٹر سمیرا بشیر ''نودولتیا طبقہ اور ہاؤسنگ سوسائٹی'' مشمولہ: امتزاج (شعبۂ اردو، جامعہ کراچی، جنوری تا جون ۲۰۱۶ء)، ص۵۱، ۵۲

۵۵۔ ''طاہرہ اقبال پاکستانی افسانہ''، ص۵۳۱

۵۶۔ اسد_محمد_خان wiki/ur.wikipedia.org/_، بروز ۱۸، ستمبر ۲۰۲۲ء

۵۷۔ طاہرہ اقبال: ''پاکستانی اردو افسانہ''، ص۵۳۳

۵۸۔ ایضاً، ص۵۳۵

۵۹۔ ایضاً، ص۵۳۸

۶۰۔ ایضاً، ۵۴۲ تا ۵۵۱

۶۱۔ ایضاً، ص۵۵۲

۶۲۔ ایضاً، ص۵۵۲

۶۳۔ ایضاً، ص۵۶۱

۶۴۔ ایضاً، ص۵۶۰ تا ۵۶۴

۶۵۔ آصف فرخی، ''زمین اظہار چاہتی ہے''، مشمولہ: زمین کا نوحہ (مرتب) ضمیر نیازی شہرزاد، کراچی، ص۴۴

۶۶۔ طاہرہ اقبال: ''پاکستانی افسانہ''، ص۵۷۹ تا ۷۰۵

۶۷۔ ضمیر نیازی: ''زمین کا نوحہ'' (مرتب)، کراچی، شہرزاد، ۲۰۰۱

۶۸۔ طاہرہ اقبال: ''پاکستانی افسانہ''، ص۶۰۷ تا ۶۲۲

۶۹۔ نجیبہ عارف، ''۹/۱۱ اور پاکستانی اُردو افسانہ ۲۰۱۱ء''، (اسلام آباد: پورب اکیڈمی)، ص۳۲

۷۰۔ ایضاً

۷۱۔ ایضاً

۷۲۔ ایضاً

۷۳۔ کورونائی_ادب#افسانے wiki/ur.wikipedia.org/، ۱۰۳ اکتوبر، ۲۰۲۲ء

۷۴۔ ممتاز احمد شیخ: ''لوح'' (سہ ماہی کتابی سلسلہ، شمارہ پنجم و ششم، جون تا دسمبر ۲۰۱۷ء)، ص۴

۷۵۔ ایضاً، ص۴

۷۶۔ ایضاً، ص۵

۷۷۔ ایضاً، ص۶

۷۸۔ ایضاً، ص۷، ۸

۷۹۔ ایضاً، ص۱۰، ۱۱

ماخذ:

احمد، ابرار، ''مزاحمتی ادب''، مشمولہ: مزاحمتی ادب (مرتب) ڈاکٹر رشید امجد، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۵۹۹۱ء)

احمد، عتیق، ''پچاس سالوں کے افسانوں کا انتخاب''، مشمولہ: افکار، (کراچی: جنوری فروری، ۱۹۹۵ء، افکار فاونڈیشن)

احمد، انوار، ''اُردو افسانہ ایک صدی کا قصہ''، (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۰ء)

افشاں، زینت: ''اُردو فکشن پر سقوطِ ڈھاکہ کے اثرات''، (کراچی: ادارہ یادگار غالب، ۲۰۱۶ء)، ص۲۱۲

اقبال، طاہرہ، ''پاکستانی اُردو افسانہ''، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۵ء)

امجد، رشید، ''پاکستانی افسانے کا فکری اور سیاسی پس منظر''، مشمولہ: پاکستانی ادب (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۹۹ء)

امجد، رشید، ''پاکستانی افسانہ، چند باتیں''، مشمولہ: پاکستانی ادب ۱۹۴۷ء۔ ۲۰۰۸ء (مرتب) ڈاکٹر رشید امجد، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۹ء)،

بابر، آغا، ''اَدب پر جنگ کا اثر''، مشمولہ: ادبی مذاکرے (مرتب) شیما مجید، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۴۹ء)

بانو، مسرت، ''ڈاکٹر انوار احمد کے افسانوں میں سماجی اور سیاسی تناظرات''، مشمولہ: اُردو ریسرچ جرنل، جولائی، ۲۰۱۷۔

بشیر، سمیرا ''نودولتیا طبقہ اور ہاؤسنگ سوسائٹی'' مشمولہ: امتزاج (شعبۂ اردو، جامعہ کراچی، جنوری تا جون ۲۰۱۶ء)

بیگ، مرزا حامد، ''اُردو افسانے کی روایت ۱۹۰۳ء تا ۱۹۹۰ء''، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، پاکستان، ۱۹۹۱ء)

حسین، انتظار، ''انتظار حسین کے سترہ افسانے''، (موڈرن، پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۰ء)

سلیم الرحمٰن، محمد، ''فنا کا افسانہ''، مشمولہ: ''انتظار حسین کے سترہ افسانے''، (موڈرن، پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۰ء)

شیخ، ممتاز احمد، ''لوح'' (سہ ماہی کتابی سلسلہ، شمارہ پنجم و ششم، جون تا دسمبر ۲۰۱۷ء)

ظفر، عبدالحفیظ، ''ڈاکٹر انور سجاد...... کثیر الجہت شخصیت''، مشمولہ: روزنامہ دنیا، ۷ جون، ۲۰۲۲ء

عارف، نجیبہ، ''۹/۱۱ اور پاکستانی اُردو افسانہ ۲۰۱۱ء''، (اسلام آباد: پورب اکیڈمی)

علی، ذوالفقار، ''رشید امجد کی افسانہ نگاری: ایک جائزہ''، مشمولہ: اُردو ریسرچ جرنل، جنوری ۲۰۲۱ء، شمارہ نمبر ۲۵

فرخی، آصف، ''زمین اظہار چاہتی ہے''، مشمولہ: زمین کا نوحہ (مرتب) ضمیر نیازی شہرزاد، کراچی

قاسم، سید غفور شاہ، ''پاکستانی ادب ۱۹۴۷ء تا حال''، (لاہور: بک ٹاک، ۱۹۹۵ء)

منظر، شہزاد، ''تخلیقی ادب''، (کراچی: عصری مطبوعات، ۱۹۸۰ء)

منظر، شہزاد، ''اُردو افسانے کے پچاس سال''، (کراچی: منظر پبلی کیشنز: ۱۹۸۲ء)

نیازی، ضمیر، ''زمین کا نوحہ'' (مرتب)، کراچی، شہرزاد، ۲۰۰۱ء

ہمیش، احمد، ''پاکستان میں ۷۰ کے بعد کی نئی اُردو''، مشمولہ: اُردو افسانہ روایت اور مسائل، (مرتب) گوپی چند نارنگ، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۴ء)

رسائل:

اُردو ریسرچ جرنل، جولائی، ۲۰۱۷

اُردو ریسرچ جرنل، جنوری ۲۰۲۱ء، شمارہ نمبر ۲۵

افکار، (کراچی: جنوری فروری، ۱۹۹۵ء، افکار فاؤنڈیشن)

امتزاج (شعبۂ اردو، جامعہ کراچی، جنوری تا جون ۲۰۱۶ء)

روزنامہ دنیا، ۷ جون، ۲۰۲۲ء

ویب گاہ:

tafacur.com/15869adbimiras.com/kahani tassawur haqiqat

alamti-afsana-prof-nasir-abbas-naiyyer

rudulinks.com/urj/?p=1540

rudulinks.com/urj/?p=4634

urdunotes.com/lesson/hajra masroor biography in-urdu

jang.com.pk/news/955399

yoururdu.com/

☆☆☆☆

آرٹس کونسل راولپنڈی میں ادبی تنظیم ''اشارہ اور حرف و آواز'' کے زیر اہتمام برطانیہ میں مقیم پاکستانی شاعر حضرت شاہ کی یاد میں تعزیتی تقریب میں حلیم قریشی، ڈاکٹر نثار ترابی، ڈاکٹر آغا شجاع، وقار احمد، جنید آزر، حمید قیصر، سلیم اختر، حکیم صفدر وامق، عارف حسین، تجمل شاہ، جمال زیدی اور دیگر موجود ہیں

گوجر خان سے تشریف لائے سلسلہ نوشاہیہ کے حوالے سے متعدد کتابوں کے مصنف اشتیاق احمد نوشاہی اپنی نئی کتاب ڈاکٹر راشد حمید کو پیش کر رہے ہیں

گیریژن یونیورسٹی، لاہور میں پی ایچ ڈی کے ایک زبانی امتحان کے موقع پر یونیورسٹی کے وائس چانسلر میجر جنرل (ر) شہزاد سکندر، ادارہ فروغ قومی زبان سے ڈاکٹر راشد حمید، ڈاکٹر بصیرہ عنبریں اور یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور سے تشریف لائے ڈاکٹر امجد عابد

حضرت شاہ نے وطن سے دور ہوتے ہوئے بھی اپنی زبان اور ثقافت کو زندہ رکھا۔ ڈاکٹر نثار ترابی

ادبی و ثقافتی تنظیم حرف و آواز اور اشارہ انٹرنیشنل کے زیر اہتمام آرٹس کونسل راولپنڈی کے تعاون سے کونسل کے ہال میں برطانیہ میں مقیم ادبی تنظیم بزم اردو بریڈفورڈ کے بانی اور متعدد شعری مجموعوں کے خالق حضرت شاہ کی یاد میں ایک تعزیتی تقریب منعقد ہوئی تقریب میں ممتاز اہل قلم اور شاہ صاحب کے قریبی احباب نے ان کی برطانیہ میں طویل اردو ادبی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔ تقریب کا آغاز ڈاکٹر فرحت عباس کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ ممتاز شاعر حلیم قریشی نے مرحوم کے ساتھ گزری اپنی یادوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایک درویش صفت انسان تھے انھوں نے وطن سے دور ہوتے ہوئے بھی اپنی زبان اور ثقافت کو زندہ رکھا۔ ڈاکٹر نثار ترابی نے ان سے جڑی اپنی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے اردو ادب کی خدمت کے لیے خود کو وقف کر رکھا اور بزم اردو کے پلیٹ فارم سے قومی زبان کے فروغ میں اپنے حصے کی شمع جلائے رکھی۔ آرٹس کونسل کے ریذیڈنٹ ڈائریکٹر وقار احمد، ڈاکٹر آغا شجاع، سلیم اختر اور جمال زیدی نے بھی دیارِ غیر میں ان کی ادبی خدمات کو سراہا۔ تقریب کی نظامت جنید آذر نے کی انھوں نے کہا کہ حضرت شاہ نے برطانیہ سے ریڈیو رمضان کے ذریعے بطور میزبان اردو میں تسلسل سے پروگرام کر کے اردو ادب کی خدمت جاری رکھی۔ افسانہ نگار حمید قیصر نے قرارداد پیش کی کہ ادبی خدمات پر حکومت پاکستان بعداز مرگ حضرت شاہ کے لیے قومی اعزاز کا اعلان کرے۔ تقریب کے شرکا نے اس قرارداد کی تائید کی۔ تقریب کے آخر میں مرحوم کی مغفرت کے لیے اجتماعی دعا کی گئی۔

ڈاکٹر راشد حمید نے بزم اقبال لاہور کے سربراہ پروفیسر ڈاکٹر تحسین فراقی سے ان کے دفتر میں ملاقات کی اس موقع پر دونوں اداروں کے درمیان علمی کاموں کے اشتراک و تعاون کے حوالے سے گفتگو ہوئی

فرزند علی ہاشمی کی کتاب کی تقریبِ رونمائی

دبستانِ پوٹھوہار، اسلام آباد کے زیرِ اہتمام اور اکادمی ادبیات، پاکستان کے تعاون سے معروف کالم نگار، شاعر، ادیب اور محقق فرزند علی ہاشمی کی اولین پوٹھوہاری شعری تصنیف "مچ" کی

فرزند علی ہاشمی کی کتاب کی تقریب کے دوران سٹیج پر صاحبِ صدر علی محمد فرشی، یاسر کیانی، شہزاد اظہر، صاحب کتاب و دیگر موجود ہیں

تقریبِ تقسیم و پذیرائی کا انعقاد کیا گیا۔ تقریب کی صدارت اردو نظم کے ممتاز شاعر، ادیب اور نقاد علی محمد فرشی نے کی۔ ثاقب امام رضوی مہمانِ خصوصی جبکہ یاسر کیانی اور شہزاد اظہر مہمانِ اعزاز تھے۔ تقریب کی نظامت کے فرائض ڈاکٹر شاذیہ اکبر نے ادا کیے۔ ڈاکٹر عمران علی قریشی نے تلاوتِ کلام اور شاہد جمیل منہاس نے نعتِ رسولِ مقبولؐ پیش کی جبکہ اقدس ہاشمی اور ضیا بھائی نے مناقب حاضرین کی نذر کیں۔ علی محمد فرشی نے فرزند علی ہاشمی کو مبارک باد پیش کی اور کہا کہ "مچ" پوٹھوہاری شاعری میں بلاشبہ ایک اہم اضافہ ہے، جس کے ذریعے ایک بھرپور شاعر سامنے آیا ہے۔ انھوں نے پوٹھوہاری زبان کی قدامت پر بھی گفت گو کی اور اس کی اصوات، حروف اور قواعد کے پیشِ نظر اسے سنسکرتی یا اس سے قبل کی زبان قرار دیا۔ ثاقب امام رضوی نے فرزند علی ہاشمی کی غزل گوئی کو سراہتے ہوئے ان کے تقدیسی کلام پر بہ خوبی روشنی ڈالی اور صاحبِ کتاب کی شاعری کو اہلبیتِ اطہار سے محبت کا ثمر قرار دیا۔ یاسر کیانی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ رواں صدی میں پوٹھوہاری زبان و ادب "مچ" کی صورت میں نکھر کر سامنے آرہا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ فرزند علی ہاشمی پوٹھوہار کا تفاخر ہیں اور ان کی شاعری کا تعلق اپنی مٹی اور بُو باس سے ہے۔ اس موقع پر رحمان حفیظ، شاہد لطیف ہاشمی، محمد اشفاق ہاشمی، صباح کاظمی، مبین مرزا اور سعید راجہ نے بھی اظہارِ خیال کیا اور صاحبِ کتاب کی فنی صلاحیتوں کو سراہا۔

☆☆☆☆

ایک عام رائے کتابوں کے بارے میں یہ ہے کہ کمپیوٹر اور سماجی ذرائع ابلاغ کی یلغار کے آگے کتاب پسپا ہو رہی ہے اور لوگوں میں کتابیں پڑھنے کا رجحان کم ہو رہا ہے۔ بلکہ بعض حضرات تو یہ کہتے بھی پائے گئے ہیں کہ ''اب کتاب کوئی نہیں پڑھتا''۔ یہ ضرور ہے کہ کتب بینی کے رجحان میں کمی ہو رہی ہے لیکن یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ اب لوگ کتابیں نہیں پڑھتے۔ ادارۂ فروغِ قومی زبان کی مطبوعات کی روز افزوں فروخت اس بات کا ثبوت ہے کہ کتاب اچھی ہو تو قاری بہت ہیں اور یہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ ہمارا ادارہ علمی اور تحقیقی نوعیت کی کتابیں شائع کرتا ہے جس کے قاری ویسے بھی کم ہوتے ہیں۔ لیکن ادارے کی شائع کردہ بعض کتابیں ایسی ہیں جن کے تمام نسخے فروخت ہو چکے ہیں اور عام قاری اور کتب فروشوں کی جانب سے ان کو مسلسل طلب کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادارے کو کئی کتابیں بار بار شائع کرنی پڑی ہیں اور ہماری بعض کتابوں کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب بھی ایک ایسی علمی اور سنجیدہ کتاب ہے جس کے تمام نسخے فروخت ہو چکے ہیں اور اس کی طلب ہنوز موجود ہے۔ اس کی اہمیت اور افادیت کے پیشِ نظر اس کی چاروں جلدوں کو دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ معروف انگریز تاریخ داں اور تاریخ نویس ایڈورڈ گبن (۱۷۹۴ء-۱۷۳۷ء) کی معروف کتاب The Decline and Fall of the Roman Empire کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ صحیح معنوں میں دنیا کی مشہور اور عظیم کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ اس کی ایک خاص بات یہ ہے کہ مصنف نے ثانوی مآخذ پر انحصار کرنے کے بجائے بنیادی مآخذ استعمال کیے ہیں اور بنیادی مآخذ کی اہمیت پر بہت زور بھی دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کے تاریخی استناد کو قبول کیا جاتا ہے۔